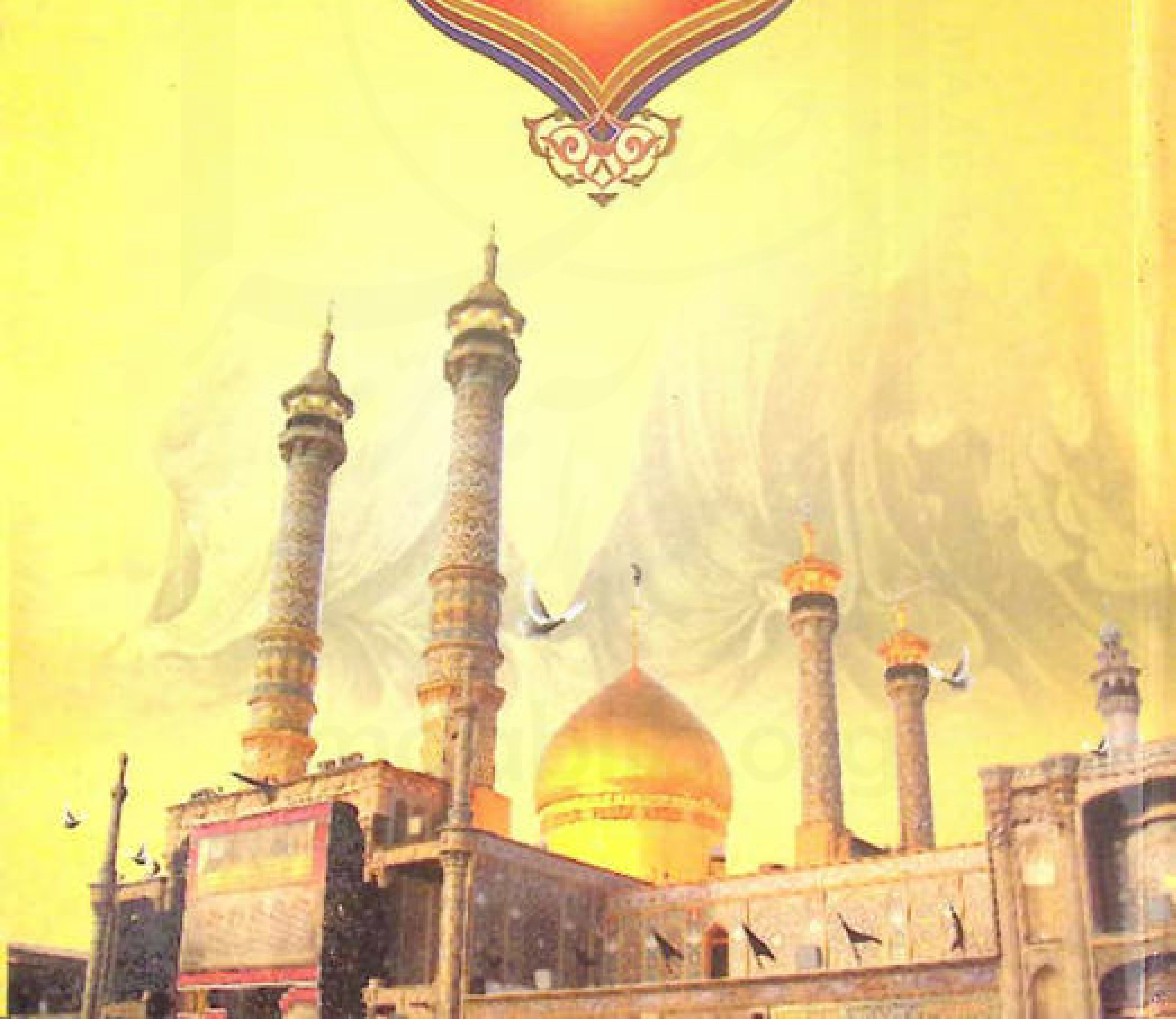
# مقتلِ دربندیؒ

مؤلف:
علامہ آقائے دربندیؒ



# مقتل دربندی

مؤلف

آقائے دربندی

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ سید سجاد حسین ہمدانی قمی

نظرثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحینؑ

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 5425372

کتاب : مقتل دربندی

مؤلف : آقائے دربندیؒ

مترجم : علامہ سید سجاد حسین ہمدانی قمی

نظرثانی : علامہ ریاض حسین جعفری، فاضل قم

تصحیح : مظہر عباس چودھری

پروف ریڈنگ : معصومہ بتول جعفری ایم۔اے، اسد علی ڈار

فنی تعاون : زہرا بتول جعفری، محدثہ بتول جعفری

تزئین : محمد عمران حیدر جعفری

کمپوزنگ : ایم۔اعجاز احمد، احتشام اعجاز

اشاعت : اکتوبر 2012ء

ہدیہ : [redacted] روپے

تعداد : 500

ملنے کا پتہ

## اِدارہ مِنہاجُ الصَّالِحِین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔غزنی سٹریٹ۔اُردو بازار۔لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

# ترتیب

......❁......

# انتساب

اُن عزاداروں اور ماتمیوں کے نام!

جو عصر حاضر میں،

معرفتِ سید الشہداءؑ کے ساتھ

صفِ ماتم بچھانے کو

اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

منتقم خونِ شہدائے کربلا امام زمانہ علیہ السلام

ہماری عزاداری قبول فرمائیں۔

دعا گو!

**سید سجاد ہمدانی**

مدرسہ زینبیہ، راولپنڈی

مدعی تو بس رہینِ غم ہیں آج
کربلا کے اصل وارث ہم ہیں آج
نوحہ خوان و سینہ زن ہیں بے شمار
فلسفہ دانِ شہادت کم ہیں آج

مظہر عباس چودھری

# اَلحُسَینُ قَتِیلُ العَبرَة

## (عرضِ ناشر)

جب ہمارا طالبِ علمی کا زمانہ تھا تو ایک بندۂ مومن کتبِ اہل بیتؑ کی ترویج و تبلیغ کے لیے شبانہ روز مصروف تھا۔ موصوف کا اسم گرامی سید شبر عباس تھا۔ آپ رتہ متہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کا تعلق ایک جاگیردار خانوادہ سے تھا۔ آلِ اطہارؑ کی نگاہِ انتخاب اُن پر ٹھہری اور اُنھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں مقتل کربلا پر کثیر کتب شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

علمائے کرام‘ ذاکرین عظام اور خطبا حضرات نے سید مذکور کی شائع کردہ کتب سے بھرپور استفادہ کیا‘ لیکن افسوس کہ وہ جلد ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور جوارِ معصومین علیہم السلام میں جا بسے۔

اُنھوں نے ایسی کتب بھی شائع کیں جن سے لوگ آگاہ تک نہ تھے۔ اسی دوران میں اُنھوں نے آقائے دربندی مرحوم کی کتب شائع کرنے کا اشتہار بھی شائع کیا‘ لیکن عمر کی بے وفائی کے باعث وعدۂ وفا نہ کر سکے۔ اسٹیج حسینیؑ پر آقائے دربندی کا نام لیا جانے لگا۔ ہر صاحبِ ذوق نے اس مؤرخ کربلا کا نام دلچسپی سے سنا‘ لیکن اُن کی کتب عربی اور فارسی میں تھیں۔ جن سے ہر کوئی استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔

امسال بندۂ عاصی کو اپنے خانوادہ کے ہم راہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرنے کی توفیق حاصل ہوئی تو زیارات کے ساتھ ساتھ عربی‘ فارسی کی کتب بھی اکٹھی کرتا رہا۔ قم المقدسہ ایران میں ایک دُکان پر مجھے آقائے دربندی کی مشہور کتاب ”سعادتِ ناصریہ“ نظر آئی۔ پھر میں نے ان کی مشہورِ زمانہ کتاب ”اسرارالشہادہ“ بھی خریدی۔ پاکستان آتے ہی برادر بزرگ وار علامہ سید سجاد ہمدانی قمی سے اس کتاب کو اُردو زبان میں ڈھالنے کے لیے رابطہ کیا تو اُنھوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ اس کو قبول کیا اور پھر نہایت دل جمی سے اس عظیم مشن سے عہدہ برآ

ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم اور انعام جزیل عطا فرمائے۔

آقائے دربندی مرحوم نے کربلا والوں کو پرسہ دینے کے لئے انوکھا اور جداگانہ انداز تحریر اپنایا ہے۔ آپ نے رسمی اور مروج روش سے اجتناب کیا ہے۔ سوزِ دل اور سوزِ جگر کی آمیزش سے آپ کا اسلوب تحریر منفرد ہے۔ آپ نے کتاب کو حیطۂ تحریر میں لاتے ہوئے ماتم برپا کیا ہے۔ آپ لکھتے ہی نہیں، روتے بھی رہے، ماتم بھی کرتے رہے، نوحہ بھی پڑھتے رہے۔ زخمی دل کے ساتھ کربلا کے پردیسیوں، مظلوموں اور بے کسوں کو ہدیۂ عقیدت بھی پیش کیا۔

آپ جب ایک موضوع کو شروع کرتے تو کئی دن تک آپ میں قلم پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی آنکھیں گریہ کناں رہتیں اور ساون کے بادلوں کی طرح برستیں۔ آپ کے دل میں طرح طرح کے وساوس جنم لیتے کہ نہ معلوم ہر موضوع لکھتے وقت آسمان سے خون کی بارش نہ ہو جائے، زمین کانپ نہ جائے، غمِ حسینؑ میں فضا رنگین نہ ہو جائے، قیامت کا نقارہ نہ بج جائے۔ آپ کئی دفعہ روتے روتے گر پڑتے، بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی، ہائے حسینؑ، ہائے حسینؑ کے استغاثے بلند کرنے لگتے۔

آپ نے کتاب کی فصول بندی کرتے ہوئے بھی انفرادیت قائم کی ہے۔ آپ بعض دفعہ جذبات کی رو میں بہہ جاتے۔ شدتِ جذبات و احساسات میں علمائے اعلام پر شدید تنقید بھی کرتے۔ یہ حال وہی جان سکتا ہے جس پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کو کیا معلوم کہ اس کی اندرونی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ کربلا والوں کا غم انوکھا ہے۔ علامہ مرحوم ہر روز کربلا میں ہوتے، لاشہ ہائے شہداءؑ کے سرہانے بیٹھ کر پرسہ دیتے۔ آپ نے پوری زندگی ماتم برپا کرتے ہوئے گزاری۔ نوحہ کرتے رہے، مرثیہ پڑھتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بعض دفعہ فرسودہ تحقیقی اسلوب سے ہٹ کر تصوراتی اور روحانی روش اپناتے۔

آقائے دربندی اوّل و آخر ایک عزادار تھے۔ آپ ایک درویش منش انسان تھے۔ آپ نے پوری زندگی غمِ حسینؑ میں گزاری۔ ساری عمر کربلا والوں پر لکھا، اس لیے مقتل نگاری میں آپ کا نام اوجِ کمال پر ہے۔ مصائب میں ایک معتبر حوالہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی

کتابوں پر تنقید بھی کی جاتی ہے۔ ہر اہل علم قاری کو تنقید کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ ہم کسی بھی کتاب سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ ہمارے ادارے کا ہدف فقط تمام اہم کتب کو اُردو زبان میں ڈھالنا ہے۔ ہم کسی بھی مؤلف و مصنف کے نظریات و افکار کے کماحقہ امین نہیں ہوتے۔ اس کی ذمہ داری مؤلف کتاب پر عائد ہوتی ہے۔ بہرکیف ہمیں توفیق الٰہی نصیب ہوئی کہ ہم ایک مشہور کتاب کو منصۂ شہود پر لائے' تاکہ اس سے ذاکرین حضرات اور خطبائے کرام استفادہ کر سکیں۔

ہم مولانا سید سجاد حسین ہمدانی صاحب قبلہ کے ممنون ہیں' جنھوں نے نہایت انہماک کے ساتھ اس کو اُردو قالب میں ڈھالا اور پھر ہمارے دیرینہ ساتھی مظہر عباس چودھری صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں' جنھوں نے ادبی اُسقام کو دور کیا۔ اس کتاب کو رواں دواں اور جالبِ نظر بنانے میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''ثورۃ الحسین'' کو تمام دنیا تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا حشر کربلا والوں کے ساتھ ہو۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دُعا!

ریاض حسین جعفری فاضل قم

سرپرست ''ادارہ منہاج الصالحین'' لاہور

# عرض مترجم

عصرِ حاضر میں عزاداری سیدالشہداءؑ ایک استحبابی عمل نہیں' بل کہ واجباتِ مذہبِ تشیع میں سے ہے۔ اس سے ہٹ کر عزاداری سیدالشہداءؑ ہماری بقا اور دنیا و آخرت میں نجات کی ضامن ہے۔ چودہ سو سال سے ہم یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں اور تا ظہورِ امامِ عصرؑ اس فرض کو نبھاتے رہیں گے۔

عزاداری دعائے زہراؑ بھی ہے اور خواہش بنتِ زہراؑ بھی۔ یہ تائید بیمار کربلاؑ بھی ہے اور مقصدِ حیاتِ شیعیانِ جہاں بھی۔ عزاداری کی اہمیت کا اندازہ اس کے فضائل' درجات' مناقب اور ضروریات سے زیادہ اس کی مخالفت سے لگانے کی کوشش کیجیے کہ اتنا سرمایہ عزاداروں کا اور ان کی توانائیاں عزاداری قائم کرنے پر صرف نہیں ہو رہیں' جتنا سرمایہ اور توانائیاں دشمن' عزاداری پر قدغن لگانے کے لیے صرف کرتا ہے۔

دورِ بنو اُمیہ اور بنو عباس میں اگر یہ سلسلہ نہیں رکا' تو پھر رُکے گا بھی نہیں۔ چوں کہ عزاداروں پر حامی اور محافظ حقیقی امامِ زمانہؑ تب سے اب تک خود نگرانی فرما رہے ہیں۔

میری بڑی خواہش تھی کہ میں اپنی زندگی میں عزاداریِ امامؑ کے حوالے سے کوئی خدمات انجام دوں۔ مجالس کا سلسلہ تو بہر حال جاری تھا۔ اس دوران میں حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری صاحب کا محبت بھرا ٹیلی فون موصول ہوا' جس میں مقتل دَربندی کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بھلا مجھ جیسا موروثی اور روایتی عزادار انکار کیسے کر سکتا تھا۔ یہ تو میرے ایمان کا تقاضا بھی تھا اور میری بخشش کا ذریعہ بھی۔

البتہ مجھے یہ خیال ہرگز چھو کر بھی نہیں گزرا کہ ترجمہ ایک مشکل کام ہوتا ہے اور وہ ترجمہ جو حالتِ گریہ میں کیا جائے' جس میں کئی کئی گھنٹے کام پر صرف کرنے کے بجائے خود کو سنبھالنے پر صرف کرنے پڑیں' (یقیناً یہ غمِ حسینؑ کا اعجاز اور مجھ حقیر کا اعزاز ہے) میرا گریہ مولاؑ قبول فرمائیں۔

اب آپ پڑھیں اور لذتِ گریہ و بکا سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے درجات کی بلندی اور میرے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کریں۔

خداوند کریم ہمیں حقیقی، نظریاتی اور معرفت والا عزادار بننے کی توفیق نصیب فرمائے اور علامہ ریاض حسین جعفری صاحب جیسے ہم سفر عزادار، دوست و مربی کو بھی صحتِ کاملہ نصیب فرمائے تاکہ خدمتِ تشیع اور خوشنودی وارثِ کربلا عزیزِ زہراؑ امامِ زمانہ علیہ السلام کسب کرنے کے مواقع ملتے رہیں۔

والسلام دعا گو!

سید سجاد ہمدانی

مدرسہ زینبیہ، راولپنڈی

۸ رمضان

۲۸ جولائی بروز ہفتہ ۲۰۱۲ء

# ستم کشانِ محبت دل از فُغاں بستند

## (حرف مصحح بر مقتل دَربندیؒ)

(مظہر عباس چودھری)

وَا حُسَيْنَاهُ وَ اِمَامَاهُ وَا غَرِيْبَاهُ وَا وَحِيْدَاهُ وَا فَرِيْدَاهُ وَ اَعَطْشَانَاهُ وَا مَظْلُوْمَاهُ......

''سعادات ناصریہ'' بھی ''اسرار الشہادہ'' جیسی مشہور و معروف کتاب کے مصنف ''آقا بن عابد بن رمضان بن الزاہد الشیروانی الدربندی'' معروف بہ آقائے دَربندی کی کتاب مقتل ہے' جس کی بازنویسی (تجدید) کو مقتل دَربندی کا نام دیا گیا ہے۔ فارسی کتاب انتشارات آرام دل کی بہترین مطبوعہ کاوش ہے' جس میں مقدمہ' ناشر نہایت فلسفیانہ انداز میں شاعر گراں قدر رضا جعفری (ایرانی) نے رقم کیا ہے۔ کتاب ہذا تیرہ فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل نہ صرف واقعات کربلا کی حامل ہے بل کہ ان کے اسرار و رموز اور کرامات و معجزات سید الشہداءؑ سے بھی مزین ہے۔

مقتل پر یہ اپنی طرز کی واحد کتاب ہے' لہٰذا اس کا اُردو کے قالب میں ڈھالنا نہایت ضروری تھا۔ بحمداللہ حضرت مولانا ہمدانی نے اس کارِ عظیم کا بیڑا اُٹھایا اور حضرت علامہ ریاض حسین جعفری نے اس کی اشاعت و طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی بل کہ تمام تر تردد بذاتِ خود کیا۔ حقیر فقیر کو اس کتاب لطیف کا مصحح ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اس کی تصحیح ترجمہ کے دوران میں بہت کچھ پڑھنے کو ملا۔ مظلوم کربلاؑ کے استغاثوں نے تڑپا کے رکھ دیا اور دل چاہا کہ ان میں سے ہر استغاثے کے جواب میں اپنے جسم و جان کی تمام تر توانائیوں کے ساتھ بقلم خود لبیک کہوں یعنی:

- هَلْ مِنْ مُغِيْث...... علیؑ کا بیٹا مورخوں سے زبان دانوں سے کہہ رہا تھا (طبع ہو چکی ہے)۔
- هَلْ مِنْ مُعِيْن...... نبیؐ کا بیٹا تمام اُمت سے کہہ رہا تھا۔

- هَل مِن مُوَحِّدٍ...... نبیؑ کا بیٹا خدا پرستوں سے کہہ رہا تھا۔
- هَل مِن نَاصِرٍ...... نبیؑ کا بیٹا عظیم لوگوں سے کہہ رہا تھا۔
- هَل مِن ذَابٍ یَذُبُّ...... نبیؑ کا بیٹا یہ اہل غیرت سے کہہ رہا تھا۔

مظلوم کربلاؑ کے یہ استغاثے اگرچہ سن تمیز سے میرے ذہن میں گونج رہے ہیں لیکن ''مقتل دربندی'' اور ''اَمواجُ البُکا'' کے مطالعے سے دل و جان میں اُترتے نظر آئے۔ یوں شب و روز مقتل میں گزرتے دکھائی دیتے ہیں اور بحمدللہ عالم خیال ہی میں نہیں' عالم اعمال میں بھی سیدالشہداءؑ کے قاتلوں' ظالموں' جنایت کاروں اور لعینوں سے برسرپیکار ہوں (وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم)۔

اب مقتل دربندی کی تقسیم فصول ملاحظہ ہو:

فصل اوّل: پورے کی پوری استغاثہ ہائے امامؑ کے بارے میں ہے۔

فصل دوّم: امام عالی مقامؑ کی شہادت کی کیفیت پر ایک سیر حاصل مقدمہ کی حامل ہے۔

فصل سوّم' فصل چہارم: (ترجمہ میں) تقسیم نظر نہیں آئی البتہ یہ دونوں فصول بھی شہادت ہی کے واقعات' حکایات اور روایات پر مشتمل ہیں۔ ذوالجناح کا کرداں لحظات شہادت' جہنم کی خلقت کا راز' پانی کا طلب کرنا' سر کا قلم ہونا' نوکِ نیزہ پر سوار ہونا' بے ہوش ہونے کا راز' امامؑ کے تبسم کا فلسفہ' سجدۂ شکر کا فلسفہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فصل پنجم: لاشۂ شبیرؑ کا لٹنا۔

فصل ششم: شہادت امامؑ کے بعد ذوالجناح کی کیفیت۔

فصل ہفتم: شہادت امامؑ کے بعد اہل حرم کے حالات۔

فصل ہشتم: سرزمین کربلا پر انوار خمسہؑ کی آمد اور ساربان کی جنایت۔

فصل نہم: محمدؐ و آلِ محمدؐ کے خون کی طہارت اور اَسرار کے بیان میں۔

فصل دہم: قاتلوں سے پیغمبر اکرمؐ کا انتقام اور عزاداروں پر سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عنایت۔

فصل یازدہم: دشمن علیؑ کا انجام۔

فصل دوازدہم: سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے عجیب و غریب واقعات۔

فصل سیزدہم: اہل حرم کا کربلا سے الوداع۔

چند فصول سے چیدہ چیدہ مشمولات بھی ملاحظہ ہوں:

* اے محمدؐ! علیؑ تجھ سے ایسے ہیں، جیسے تم مجھ سے ہو اور علیؑ کے شیعہ و حب دار مجھ سے اس طرح ہیں، جیسے علیؑ تجھ سے۔ جہاں تم ہو گے، وہاں علیؑ ہو گا اور جہاں علیؑ ہو گا، وہاں اُس کے شیعہ و حب دار ہوں گے۔ بے شک وہ اپنے کاموں میں کوتاہی کے مرتکب ہوں اور گناہ گار ہی کیوں نہ ہوں۔
* محمدؐ و آلِ محمدؐ...... یہ ساری ہستیاں عالم میں تصرف کا اختیار رکھتی ہیں۔ چشم مادی کی تخلیق سے پہلے اور بعد میں اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کے بعد تک۔
* درحقیقت شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور اس پر جتنے اثرات مرتب ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں، انھیں قرآن کی مثل کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ کے دین کو تقویت ملتی ہے اور اس کی تشہیر ہوتی ہے۔
* علوم عقلی کے ماہر میر داماد اپنی کتاب "تقویم البیان" میں تحریر کرتے ہیں: ابوالحسن بصری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چڑیا دیکھی جس نے دریا سے پانی کا ایک قطرہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست راست پر رکھا۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کا سبب پوچھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا: یہ چڑیا پیغام دے رہی کہ تمھارا علم خاتم الانبیاءؐ اور ان کے وصی برحق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے، جس طرح دریا کے مقابلے میں ایک قطرہ......
* حضرت علی علیہ السلام کا (ایک ہی وقت میں) چالیس افراد کی میزبانی قبول کرنا اور ہر شخص کے دعوے کے مطابق اُس رات صبح تک وہیں رہنا۔
* ثقۃ الاسلام کلینیؒ، شیخ الطائفہؒ اور علامہ مجلسیؒ نے آلِ عبا کے جسم مثالی کے ذریعے حضور کے متعلق علیحدہ ابواب قائم کیے ہیں۔

* امام حسینؑ کی جنگ آپؑ کے اصلی وحقیقی اور دنیاوی جسم کے ذریعے ممکن ہوئی۔

علاوہ ازیں:

* روزِ عاشور کا طولانی ہونا (۷۲ گھنٹے کا)۔
* عمودِ نور سے دشمنوں پر حملہ۔
* امامؑ کا ایک کو قتل کرنا اور کئی کو چھوڑنا۔
* مقتولین کی کثیر تعداد (ہزاروں سے لاکھوں تک)۔
* امیرالمومنین علیہ السلام اور سولہ مرتبہ ردِّ شمس۔
* امام حسین علیہ السلام کے عظیم مناقب وغیرہ۔
* اور یہاں آقائے دربندی کا یہ قول بھی لائق تحریر ہے:

"علمائے کرام کی اکثریت علوم ربانی اور عقائد حقہ سے تہی دامن ہوتی ہے۔ ان کے پاس فقہ، اُصول کا علم ہوتا ہے، وہ بھی تقلیدانہ انداز میں ایک خام مال کی صورت میں۔ اگر ان علما کے سامنے ہزاروں فحش کتابیں رکھ دی جائیں تو وہ ذرا بھی عار محسوس نہیں کریں گے لیکن جب ان کے سامنے عقائد حقہ کا ایک لفظ بھی بیان کیا جائے تو وہ فوراً بھڑک اُٹھتے ہیں۔ وہ اپنی عمر کے پچاس ساٹھ سال گزار چکے ہوں گے لیکن اُنھوں نے اُصولِ کافی کے ایک باب حجت وعلومِ آئمہ پر ایک مرتبہ بھی نگاہ نہیں ڈالی ہوگی؛ ہزاروں آہ وفریاد ایسے علما پر۔"

* فنا اور بقا کے اِدراک کی صلاحیت صرف عقل کامل میں ہوتی ہے بل کہ وہ بھی مکمل طور پر نہیں۔ عقل کامل بھی تو بقا و فنا کی محض جزئیات ہی کا اِدراک کر سکتی ہے۔
* جب شاہ اسماعیل صفوی نے شیخ شمس الدین سے ملاقات کی تو استفسار کیا۔ آپ نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا؟ شیخ نے فرمایا: عزاداریِ امام حسین علیہ السلام کی خاطر۔

شاہ نے جواب دیا: عزاداری امام حسین علیہ السلام تو محرم میں ہوتی ہے۔

شیخ نے فرمایا: لوگوں کو یہی تو اشتباہ ہے۔ عزاداری امام حسین علیہ السلام طلوع صبح قیامت تک جاری رہے گی۔

* امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے محمد حنفیہ علیہ السلام سے وہی نیزہ لیا' قبیلہ بنی ضبہ کے حصار کو توڑ کر بی بی کے اُونٹ تک پہنچ گئے اور اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔

* روزِ اوّل ہی سے موجودات کو عشقِ حسینؑ کی طرف متوجہ کیا گیا...... ذرا آتشِ حسینؑ میں جلنے اور آپؑ پر گریہ کا مزہ تو چکھو' تم خود کو اَبرِ بہاراں پر سوار محسوس کرو گے۔

* چند برس قبل شبِ عاشور میں فکر و تامل کے اس مقام پر تھا کہ میری زوجہ صالحہ مرحومہ کہا کرتی تھی: یہ کیا حالت ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی آپ کے اشک کھانے میں جا گرتے ہیں؟! میں کہتا: اے صالحہ! تمھیں معلوم نہیں کہ کل کون سا دن ہے؟

ع ستم کشانِ محبت دل از فغاں بستند

* آپؑ خاکِ کربلا پر ساکت و جامد لیٹ گئے۔ تین گھنٹے کفار حیرت و تعجب کے بت بنے کھڑے رہے' کسی کو بھی آپؑ کے نزدیک آنے اور قتل کرنے کی ہمت نہ ہوئی (دربندی صاحب کے مطابق ایسا دو دفعہ ہوا)۔

* ان کافروں نے ایسا ہی کیا کہ حیاتِ امامؑ ہی میں سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو جولان دی اور ایک سمت سے دوسری سمت گھوڑے دوڑانے لگے...... یہ واقعہ ایک یقینی امر ہے چوں کہ امامِ زمانہؑ نے بھی زیارت ناحیہ میں اسے بیان کیا ہے: آپؑ زمین کربلا پر زخمی پڑے تھے کہ آپؑ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔

* زیارتِ ناحیہ مقدسہ کے جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بانوانِ عصمت و طہارت ساری کی ساری شہادتِ امامؑ کے وقت امامؑ کے پاس موجود تھیں...... دوسری دفعہ حضرت زینبؑ اکیلی مظلومِ کربلاؑ کے پاس پہنچیں۔ بعض مقاتل کے مطابق پہلی مرتبہ سیدہ

زینبؑ وکلثومؑ دونوں موجود تھیں۔ ذوالجناح بھی اہل حرم کو اطلاع دینے کے لیے دو مرتبہ خیام میں آیا(ملخص)۔

* بی بیؑ نے فرمایا: اے شمر! میرے بھائی کو قتل نہ کرو میرے بھائی کے بجائے مجھے قتل کر دو۔
* شمر! ابرص واعور وأبقع تھا' پستان کتے کے مانند اور بال سور کی طرح کے(مختصر)۔
* قاہر و عادل خدا ارحم الراحمین تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ جنت وجہنم دونوں کو خلق کرے اور جہنم میں کفار و منافقین کو عذاب دے۔
* شمر ملعون نے کہا: یزید کا انعام تیرے نانا کی شفاعت سے بہتر ہے۔
* جو کلمہء توحید پڑھے گا اُس پر جنت واجب ہو جائے گی اور جو حسین علیہ السلام پر گریہ کرے گا اُس پر (بھی) جنت واجب ہو جائے گی۔ یہ گریہ آپؑ کی قبر مطہر کی زیارت کے مانند جنت کی کلید ہے۔ مذکورہ بالا دونوں احادیث کے انطباق سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے اور موحدین کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صبر و شکیبائی کے مراتب اور درجات کو واضح کر دیا گیا (خلاصہ)۔
* سیدالشہداءؑ کی شلوار کا لٹنا محال ہے کیوں کہ خلیفہ خدا کی ستر پوشی ہر حال میں ضروری ہوتی ہے۔ تمرالمذاب کے الفاظ مذہب حقہ کے عقائد حقہ کی تائید نہیں کرتے (البتہ دربندی صاحب نے واقعہ ساربان بھی بیان کیا ہے)۔
* تمام شہداء کے لباس لوٹے گئے' ساری اشیا لوٹی گئیں مگر لعین کسی بھی شہید کو مکمل برہنہ نہ کر سکے (غیرت خداوندی بھلا یہ کیسے گوارا کر سکتی ہے؟)
* ذوالجناح کی صفات وخصوصیات کی معراج' گریہ زاری اور مظلوم کربلاؑ کے دکھوں پر بین کرنا ہے' جو شہادت کے بعد ذوالجناح مسلسل انجام دیتا رہا۔
* ذوالجناح کا مقام حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جنتی سواری ارمکہ سے بھی کہیں بلند ہے۔

- حدیثِ معصومؑ میں ہے کہ روزِ عاشور مغرب کا وقت قریب تھا۔ آپؑ کا سرِ اقدس آپؑ کے بدنِ اطہر سے آ کر ملحق ہوا۔ آپؑ نے تمام شہدائے کربلا کو خواہ وہ ہاشمیؑ تھے یا غیر ہاشمی ان کے والد کے نام سے پکارا۔ سب نے جواب دیا اور ایک ایک کر کے اُٹھے اور سیدالشہداءؑ کے گرد آ کر بیٹھ گئے۔ آپؑ نے طعام چاہا تو بہشتی طعام نازل ہو گیا۔ سب نے جنتی غذا کھائی اور مشروبات پیے حتیٰ کہ سیراب ہو گئے۔

- (شہادت کے بعد اہلِ حرم کے حالات ہیں) مومنین اور اہلِ ایمان مجھ پر بالکل واضح اور عیاں ہے کہ اس سارے عرصے میں کسی بھی ملعون کو کسی بی بیؑ کی طرف گستاخانہ نظر ڈالنے کی توفیق اور ہمت نصیب نہ ہوئی...... جب بھی کوئی لعین کسی بی بیؑ سے سامان لوٹنا چاہتا تو وہ تیر یا تیر کمان کو درمیان میں بطور پردہ استعمال کر کے لوٹتا۔ شہدائے کربلا کے خاندانوں کی طرف سے ان ملعونوں کے سامنے التماس اور استدعا جیسے الفاظ نہیں کہے گئے۔ بل کہ ساری بیبیاںؑ اُنھیں لعنتی اور بُرا کہتی رہیں۔ اگرچہ کوئی لعنتی اُنھیں تازیانے مارتے رہے مگر ان کی لعن طعن کا جواب نہیں دیا گیا۔

- سیدہ طاہرہ اُمِ کلثومؑ کے کانوں سے گوشوارے لوٹ لیے گئے وہ بھی اس طرح کہ مظلومہؑ کے گوش مبارک کٹ کر رہ گئے۔

- خولی خیمے میں داخل ہوا اور سب کچھ لوٹ لیا۔ پھر دیکھا کہ سیدالساجدین بیمارِ کربلاؑ کے سر کے نیچے ایک تکیہ اور بستر ہے اس ملعون نے وہ بھی لوٹ لیا۔ سید سجاد علیہ السلام خاکِ کربلا پر آ گئے۔ وہ لعنتی میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر میرے سر سے مقنع اُتارا اور میرے کانوں سے گوشوارے اُتارے جس سے میرے کان کٹ کر رہ گئے...... (بیانِ حضرت زینبؑ)

- ...... میں اُٹھی اور میں نے عرض کیا: اے پھوپھی اماںؑ! کوئی پرانے کپڑے کا ٹکڑا ہی دے دو تا کہ نامحرموں سے اپنا چہرہ چھپا سکوں۔ میری پھوپھیؑ نے فرمایا: اے میری

بیٹی! تیری پھوپھی بھی تیری مثل ہے (ارشاد حضرت سکینہؑ)۔

* ......حتیٰ کہ لعین کمینوں نے پاک بیبیوںؑ کے سروں سے مقنع تک اُتار لیے تھے۔ اس طرح کہ چادر کا ایک کونہ کسی ملعون کے ہاتھ میں ہوتا تو دوسرا کونہ بیبیوںؑ کے ہاتھ میں ہوتا' بالآخر وہ کافر چادر چھین لیتا۔

* شہر بانوؑ کے حالات کی یہ مختصر سی روداد تھی۔ البتہ اگر آپ تفصیلات کے خواہش مند ہیں جیسے کوئی جاننا چاہتا ہے کہ اس غیبت اور پہاڑوں میں پناہ کا سبب کیا تھا' حضرت شہر بانوؑ کا امامؑ سے کیا رشتہ تھا؟ کیا وہ آپؑ کی خالہ تھیں؟ اسی طرح بی بی زبیدہؑ (فاطمہ کبریٰؑ) کے حالات ان کی شہزادہ قاسمؑ بن حسنؑ سے شادی' قبر کا مقام اور مزار......تو کتاب ''اکسیر العبادات فی اَسرار الشہادات'' کی طرف رجوع کریں۔

* بعض روایات میں ہے کہ جو سایہ حضرت زینبؑ نے دیکھا وہ حضرت علیؑ نہیں بل کہ سید الشہداءؑ تھے (حضرت علیؑ والی روایت زیادہ مقبول و معروف ہے)۔

* جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا: خدا نے ہر نبیؑ کے ساتھ علیؑ کو باطن میں بھیجا اور آپؐ کے ہم راہ ظاہراً بھیجا (ارشاد جبرئیلؑ)۔

* دوسری طرف حضرت اُمّ کلثومؑ نے بھی ایک سایہ دیکھا......دیکھا کہ یہ تو دُکھیاری ماں زہراؑ ہیں۔ بی بیؑ نے آگے بڑھ کر حضرت اُمّ کلثومؑ کو سینے سے لگالیا۔

* بی بی فاطمہ زہراؑ کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا رومال اور گریہ۔

* ......شہادت حسین علیہ السلام کے وقت ایک منادی نے ندا دی: اے ظالم اُمت پیغمبرؐ کے بعد خدا تمھیں نمازیں' نماز عید الفطر' نماز قربان (امامِ معصومؑ کی اقتدا میں) پڑھنے کی توفیق نہیں دے گا (امام صادق علیہ السلام)۔

* اور یہ رمضان کا آخری روزہ بھی نہیں رکھتے ہیں کیوں کہ چند فاسق اور کاذب قسم کے لوگ اپنے ذمہ داروں اور علما کے پاس پہنچ جاتے ہیں کہ انھوں نے عید کا چاند دیکھ لیا

ہے جب کہ انھوں نے دیکھا نہیں ہوتا۔

* عبادات کے صحیح ہونے کی شرط (رسولؐ) و آلِؑ رسولؐ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار (تبرا) کرنا ہوتا ہے جب کہ اہل سنت اس سلسلے میں اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔

* (فصل دوازدہم میں حضرت میثم تمار سے مروی ایک روایت کلیتاً انتخاب ہے لیکن تنگی صفحات کے سبب سے محض چند نکات پر اکتفا کیا جا رہا ہے)۔

① حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ روزِ عاشورا نہیں ماہِ ذی الحجہ میں قبول ہوئی' یہی معاملہ حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کا ہے کہ یہ روزِ عاشور کے واقعات نہیں ہیں۔

② سورج تین دن مرجھایا رہا اور ٹھنڈا رہا۔ پھر جا کر کہیں روشن ہوا' آسمان کے ستارے ایک دوسرے کے ساتھ ہم کلامی کرتے رہے۔

③ سورج کی شعاعیں جو دیواروں پر پڑتی تھیں' وہ اس طرح نظر آتی تھیں جیسے زعفرانی رنگ کیا ہوا کپڑا۔

* حضرت ابن عباسؓ سے "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ" کی تفسیر میں منقول صحیح حدیث مروی ہے کہ جب کسی نبیؑ کی روح قبض ہوتی ہے تو زمین و آسمان چالیس سال تک گریہ کرتے ہیں اور جب کسی امامؑ کی شہادت ہوتی ہے تو زمین و آسمان چالیس ماہ تک گریہ کرتے ہیں اور جب کوئی عالم باعمل اس دنیا سے جاتا ہے تو زمین و آسمان چالیس دن تک گریہ کرتے ہیں...... جب کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام پر جب تک دنیا موجود ہے یہ دونوں گریہ کرتے رہیں گے۔

* بعض روایات میں مذکور ہے کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام پر زمین و آسمان روئے اور سرخ ہو گئے' ان سب نے اس سے قبل صرف حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے لیے گریہ کیا تھا۔

* روایت میں ہے کہ کوئی بھی ایسا آسمان نہیں کہ جس سے آپؑ کی مقدس روح گزری

اور وہاں ستر ہزار فرشتوں نے گریہ نہ کیا ہو نیز قیام نہ کیا ہو جس سے آپؑ کے نورانی مفاصل میں ارتعاش پیدا ہوا اور ملائکہ تو اس حالت پر قیامت تک گریہ کریں گے۔

* کوئی ایسا بادل نہیں جو گرجنے اور بجلی چمکانے سے قبل قاتلانِ حسینؑ پر لعنت نہ کرتا ہو۔

کوئی دن ایسا نہیں ہے' جس دن روحِ امامؑ' خدمتِ رسولؐ میں حاضری نہ دیتی ہو اور وہ دونوں ہستیاں آپس میں ملاقات نہ کرتی ہوں۔

افسانہ ای کہ کس نتواند شنیدنش
یا رب بہ اہل بیتؑ چہ آمد ز دیدنش

المختصر بارھویں صدی ہجری میں لکھی گئی یہ کتاب مصنف کی دوسری معروف کتاب ''أسرار الشہادہ'' کی طرح لاجواب کتاب ہے۔

......*......

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۂ مائدہ آیت ۳)

اس ارشادِ ربانی کا مصداق نہ صرف عالم آفاق میں موجود ہے بل کہ نفس ناطقہ میں بھی اس کا نفوذ موجود ہے۔ یہ صغریٰ کبریٰ کے ضمن میں یعنی کبرائے کلی کے ماتحت قرار دیا گیا ہے۔ اس کبریٰ کو "لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ کتاب مبین ہونے کے ساتھ مبین کی صفت سے بھی متصف ہے کہ کوئی خشک و تر نہیں جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو' کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب مبین میں خشک و تر بڑے واضح و آشکار موجود ہیں۔ بیان ہونا اور آشکارا ہونا ہر شے کا احصائے وجودی ہے' جس کو ایک دوسری آیت میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (سورۂ نبأ آیت ۲۹)

"یہ تر آشکار اور خشک واضح و روشن ہے' یہ وہی بحر و بر کے خزانے ہیں جو مراتب کی قید سے آزاد ہیں۔"

وان من شیٔ الاعند خزائنہ

اگر مراتب میں قاعدۂ تشکیک کو جاری کیا جائے تو ہر مرتبہ دوسرے مرتبے سے مختلف ہے اور ہر مرتبہ دوسرے مرتبے کی تعیین و تشخیص کے ساتھ ساتھ اُسے ہستی بھی عطا کرتا ہے۔ اس نظریے کا مؤید یہ ہے کہ مودّت کا قلبی افعال میں سے ہے اور اس کی نفس ناطقہ سے نسبت قالبی افعال کے نفس قالبہ سے انتساب سے زیادہ ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرامین میں سے ہے تبھی تو نفس ناطقہ ان مدارج و مراتب کو طے کرتا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ شوریٰ آیت ۲۳)

"اے میرے حبیب! کہہ دو میں تم سے اجرِ رسالت کے مراتب کا سوال

نہیں کرتا صرف میرے اہل بیتؑ سے موّدت کرو۔"

پھر موّدتِ آئمہ علیہم السلام کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے سبیل کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ یہ "سبیل" ہر نفس میں موجود ہوتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (سورۂ مزمل آیت ۱۹)

"جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی راہ اختیار کرے۔"

یعنی اوّلاً: ربّ حقیقی ہے وہ تشکیک اور ماہیات کے قوابل کے لحاظ سے وسعت و تنگی کی صورت میں ہر نفس میں متفاوت جلوہ نمائی کرتا ہے۔

ثانیاً: ربّ سے ملاقات کا راستا کھلا ہے' بند نہیں ہے۔

ثالثاً: یہ راستا ہر نفس اُس نفس کے ربّ سے متصل ہے۔

رابعاً: موّدتِ اہل بیتؑ ایسا راستا ہے جو ہر نفس ناطقہ کے اندر موجود ہے اور حقیقت مشککہ ہے۔

خامساً: راستے کی تشکیک منزل کے مشکک ہونے سے سازگار اور ہم آہنگ ہوتی ہے۔

سادساً: ربّ یا سبیل الی الربّ ہے متحد اگرچہ اعتباراً اِختلاف نظر آتا ہے۔

مجموعی طور پر جو کچھ بیان ہوا ہے' اس سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کی رضائی اِکمالِ دین' اتمامِ نعمت یہ سب کچھ اسلام کے ذریعے نفس ناطقہ کے اندر موجود ہے۔ یہی تو نفس ناطقہ کے مراتب کی تکمیل اور نفس ناطقہ کے ظہورات کا نقطۂ انجام ہے اور مصادیق میں داخل ہوتا ہے۔

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً

(سورۂ فجر' آیات ۲۷،۲۸)

"اے اطمینان پانے والی جان! اپنے ربّ کی طرف چل تُو اُس سے خوش وہ تجھ سے راضی۔"

اس اجمال کو اس لیے قلم بند کیا گیا ہے تاکہ سلف صالح کی روش واضح ہو سکے۔ صرف منبروں اور مجالس سے اُنس اور درس کو فضائل و مصائب اہل بیتؑ پر ختم کرنا کافی نہیں ہے۔

مل کہ سلوک الی اللہ کا مسافر بن کر اپنے آپ کو منزلِ اکمال و اتمام تک پہنچانا چاہیے اور اس ضمن میں جب سید الشہداءؑ کی طرف کامل توجہ مبذول ہوتی ہے تو ان کے نفسِ نفیس کے اندر یہ چیز تمکین شدہ ملتی ہے۔

اسی وجہ سے مرحوم آقا بن[1] عابدین رمضان بن الزاھد الشیروانی الدربندی جو "ملا آقای دربندی اعلیٰ اللہ مقامہ" نے اپنی زندگی کو اس اہم کام کے لیے وقف کر رکھا تھا' اس سلسلے میں وہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

اپنی صغیر سنی یعنی چھے یا سات برس کی عمر میں اگر کوئی خطا مجھ سے ہوئی ہو تو مجھے یاد نہیں لیکن اس کے بعد درس و تدریس' تعلیم و تعلم کے دوران میں اپنے اساتذہ کی خدمت کرنے میں اس حقیر سے کوئی کوتاہی سرزد نہ ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اپنی عمر کے تیس سال تصنیفات پر صرف کیے ہیں۔ اس دوران میں کثیر تعداد میں حقائق پر مبنی علوم و فنون چاہے ان کا تعلق منقولات سے تھا یا معقولات سے' کی تصنیف و تالیف پر کام کیا ہے۔ تبھی تو "خزائن الاحکام" جو درّہ نجفیہ کی شرح ہے اور فقہ کی کتاب ہے۔ "خزائن الاصول" کے عقائد کے اعلیٰ اصول و فنون متعلق ہے اور "فن تمرینیات وقوامیس الفصاحۃ" اخبار و رجال وغیرہ کے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹی بڑی کئی کتب چھپ کر منظر عام پر آئیں۔ جن میں تیس ہزار اشعار درج کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد میں دقیق اُمور کی طرف متوجہ ہوا' اور اس دوران میں مجھے شدید قسم کی مشکلات' مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یقیناً ان کا اپنا ایک اجر ہوگا۔ کاش ان اُمور پر میں اپنا آدھے سے زیادہ وقت صرف کرتا' چوں کہ ان کا اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے بھی یکسر خالی ہوتا ہے۔ وہ کام ہے معرفتِ اُسرار اور غوامض اخبار کے متعلق ایک جامع کتاب تصنیف کرنا' جس میں آل اللہ اور اہل بیتؑ رسولؐ کے فضائل اور بلند و ارفع مقامات کا تذکرہ اڈلہ و آثار کی روشنی میں موجود ہے۔

اس کے بعد آقای دربندی مرحوم نے ایک علیحدہ فصل تالیف فرمائی ہے اور اس کا نام

(۱) فارسی میں آغا ہی کو آقا لکھا جاتا ہے۔

''سعادت ناصری'' رکھا ہے۔ یہ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''أسرار الشہادہ'' کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ تحریر ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس کتاب کا نام ''سعادت ناصری'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کتاب کی اسم گزاری کی بابت میں نے اپنی عقل ہادی سے سوال کیا۔ اس نے جواب دیا اور ''تنزل من السماء'' جو کچھ بھی الہامات غیبیہ اور شارقات ملکوتیہ سے حاصل ہوا ہے وہ یہی تھا کہ اس کا نام سعادت ناصریہ اقوات روحانیہ رکھا جائے۔ مؤلف نے ان دو کتابوں میں اور بالخصوص أسرار الشہادہ' مجموعہ اقوال میں علیحدہ علیحدہ ابواب بندی کی ہے۔ ان کا اقوال جمع کرنے کا کام بڑی ہمت والا اور بے نظیر ہے۔ یہ تذکرہ ضروری ہے کہ ''سعادت ناصریہ'' صرف اس حصے کا ترجمہ ہے جو سید الشہداءؑ سے مربوط ہے۔ اس میں آپؑ کے اصحاب باوفا کا تذکرہ نہیں ہے۔ آپ کے سامنے ''مقتل دربندی'' جس کی فصل بندی اور موجودہ نام ''سعادت ناصریہ'' ہے۔

آخر میں ہم حجۃ الاسلام حاج سید مہدی طباطبائی کے بھی شکرگزار ہیں جنھوں نے اپنا ذاتی نسخہ طباعت کے لیے عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ حجۃ الاسلام شمسای اور آقای علی رضا کے بھی بے حد ممنون ہیں جنھوں نے انتشارات کے سلسلے میں بہت مدد فرمائی۔ تبھی اس مؤسسہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ ان سب کا بہت بہت شکریہ! الحمدللہ!

رضا جعفری

# فصل اوّل

# حضرت امامِ حسین علیہ السلام کا میدانِ کربلا میں تنہا رہ جانا اور استغاثہ کرنا

# مظلوم کا استغاثہ

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا کے میدانِ جنگ میں پہنچے تو آپؑ نے نیزے کے سہارے کھڑے ہو کر فرمایا:

هل من معين؟ هل من مغيث؟ هل من ذاب يذب عن حرم رسول الله

"ہے کوئی میرا مددگار؟ ہے کوئی میری فریاد سننے والا؟ ہے کوئی حرمِ رسولؐ کا دفاع کرنے والا؟"

اس دل سوز صدائے تظلم ومحزونی کو دنیا کے تمام موجودات نے نیز برزخ و آخرت کی مخلوق نے سنا اور اس میں پائے جانے والے کرب و اضطراب کے سبب سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ انبیاءؑ' اولیا' صلحا' شہداء کی مقدس اَرواح نے' تمام ملائکہ' حاملین عرش و کرسی نے جو ابتدائے خلقت سے اس ذمہ داری کو نبھا رہے تھے۔ کروبین و مقربین' حورانِ جنت اور غلمانِ جنت' اَرواح مومنین جو جن و انس میں سے تھے' نے بلند آواز میں گریہ زاری شروع کی اور یہ بین شروع کیے:

واحسينا واغريبا وا وحيدا وا مظلوما

"ہائے حسینؑ! ہائے غریب' ہائے تنہا! ہائے مظلوم!

پھر ساری مخلوق اور سب موجودات نے آپؑ کے استغاثہ کا جواب دیا:

لبيك لبيك ارواحنا لروحك الفداء و انفسنا لنفسك الوقاء

"ہم آپؑ کی دعوت کو قبول کرتے ہیں' ہماری روحیں آپؑ کی روح پر نثار ہوں' ہماری جان آپؑ کی جان پر فدا ہو۔"

اس استغاثے کا جواب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بھی (فرداً فرداً) دیا:

لبیك لبیك یا ولدی یا قرة عینی روحی لروحك الفداء و نفسی لنفسك الوقاء

"لبیک اے حسین علیہ السلام! اے میرے بیٹے! اے میرے نورِ چشم! میری روح تمہاری روح پر قربان ہو' میری جان تمہاری جان پر قربان ہو۔"

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بھی اس موقع پر ارشاد فرمایا:

لبیك یا أخی یا ثمرة فؤادی روحی لروحك الفداء و نفسی لنفسك الوقاء

"اے میرے بھائی! میں تیری دعوت کو قبول کرتا ہوں۔ اے میرے میوۂ قلب! میری روح تمہاری روح پر نثار ہو اور میری جان تمہاری جان پر فدا ہو۔"

جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں باقی انبیاءؑ' اوصیا اور ملائکہؑ نے عرض کیا:

لبیك لبیك یا سیدنا و امامنا یا حجة اللّٰه علی جمیع خلقه من الاوّلین والآخرین ومن اهل السمٰوٰت والارضین وما بینهما من الخلق اجمعین بعد جده وابیه و أمه و اخیه یا حجة اللّٰه الکبریٰ

"اے ہمارے سردار! ہم سب آپؑ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اے ہمارے سردار! اے ہمارے امامؑ! اے خدا کی اوّل و آخر سب موجودات پر حجت چاہے' وہ مخلوق ارضی ہو یا سماوی' اے زمینوں' آسمانوں اور تمام موجودات کے لیے حجت (حسین علیہ السلام) آپؑ اپنے نانا' بابا' مادر گرامی اور بھائی کے بعد حجت ہیں' خدا کی عظیم و برتر حجت!"

اگر دیکھا جائے تو "سید الشہداءؑ" کے اس استغاثے پر تمام مخلوق نے چاہے' اس کا تعلق انسانوں سے تھا یا جنات سے' درندوں سے تھا یا حیوانات سے' پرند چرند سے تھا یا ارضی و سماوی

مخلوق سے اس کا تعلق عالم ملکوت سے تھا یا عالم جبروت و ناسوت سے عالم گیاہ سے تھا یا عالم اَجسام سے وہ جنتی تھے یا جہنمی وہ قابل رویت و دید تھے یا نا قابل رویت و دید سب نے اپنے اپنے مقام پر اور اپنی اپنی زبانِ حال سے لبیک کہا ہے۔ البتہ ہر مخلوق نے اپنی اپنی نوع اور حقیقت کے لحاظ سے جواب دیا ہے یعنی ان کے جوابات مختلف تھے۔

یہ "لبیک لبیک" کہنا کسی خاص صنف سے مخصوص نہیں ہے۔ اس کا جواب عقلائے زندہ وحیات نے ہر جان دار و بے جان نے جامد اور مائع نے حتیٰ کہ دوزخی حضرات کفار و منافقین نے اس جہان میں جو موجود تھے یا عالم برزخ میں سب نے اس استغاثہ کا جواب دیا ہے۔

اس وقت دنیا میں بسنے والے تمام کفار و منافقین نے امامؑ کی مدد و نصرت کی بابت مثبت جواب دیا ہے اگر چہ ان کا یہ جواب لاشعوری کیفیت کا حامل تھا۔ انھیں علم تک نہیں تھا کہ استغاثہ کرنے والا کون ہے؟ اور مدد و نصرت کا طلب گار کون ہے؟

یہ مثبت جواب اس لیے دیا گیا ہے چوں کہ قرآن و سنت سے محکم قواعد کے ذریعے استنباط کیا گیا ہے کہ آپؑ ولی مطلق اور حجۃ اللہ کے مرتبے پر فائز تھے۔ آپؑ کی ولایت مختلف عوالم میں نافذ اور جاری تھی۔ ساری مخلوق پر آپؑ کی اطاعت واجب تھی۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "**هل من معين؟ هل من مغيث؟ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا**" تو کربلائے معلیٰ کے شہداء کے پاک اَجسام میں حرکت پیدا ہوئی۔ بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم سب کے سب اِضطراب کی کیفیت میں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور سب مل کر کہنے لگے:

**لبيك لبيك يا بن رسولَ الله يا حجة الله هل لنا رخصة في الرجوع الى الدنيا و المجاهدين بين يديك**

"اے مولاؑ! ہم آپؑ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اے فرزندِ رسولؐ! اے حجتِ خدا! کیا آپؑ ہمیں پھر سے دنیا میں پلٹنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے تا کہ آپؑ کے سامنے جہاد کر سکیں۔"

گزشتہ مطلب کی وضاحت میں بیان ہو چکا ہے بحر اَسرار و مقامات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے

شناور بہ خوبی جانتے ہیں کہ اگر محکم و مضبوط دلائل اور اُصول پر توجہ دی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ساری مخلوق نے امام مظلوم علیہ السلام کے استغاثے پر لبیک کہی ہے۔ آپ انہی ادلہ و اُصول کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں سب سے پہلے امامِ مظلوم علیہ السلام کے استغاثہ کا جواب ذاتِ اقدس نے دیا۔ ارشاد فرمایا:

لبيك لبيك يا عبدي يا حجتي على جميع الخلق و يا حبيب حبيبي و يا من أناديته و انا ناصرك و مغيثك

"اے میرے بندے! میں تیری دعوت کو قبول کرتا ہوں۔ اے میری ساری مخلوق پر حجت! اے میرے حبیبؐ کے حبیبؑ! میں تیری دیت ہوں، میں تیرا مددگار اور پناہ دہندہ ہوں۔"

## صحیفۂ آسمانی

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا کے میدانِ جنگ میں نیزے کا سہارا لے کر کھڑے تھے تو کبھی شہدائے بنی ہاشمؑ اور اپنے اصحابِ باوفا کے پاکیزہ جسموں کی طرف دیکھتے جو گرم ریت پر خون میں غلطاں پڑے تھے، کبھی حرمِ رسول اللہؐ اور بچوں کی طرف دیکھتے تھے اور ان کی بے کسی، غربت اور اسیری کے وقت کو یاد کرتے۔

امامِ مظلومؑ نے زخمی دل، بہتے آنسوؤں اور محزون لہجے میں ارشاد فرمایا:

أمامن نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا، أمامن مغيث مغيثنا، أمامن موحد يخاف الله فينا أمامن ذاب يذب عن حرم رسول الله

"ہے کوئی میری مدد کرنے والا؟ ہے کوئی میری فریاد رسی کرنے والا؟ ہے کوئی خدا پرست جو خدا پرستی کی وجہ سے میری مدد کرے؟ ہے کوئی ایسا شخص جو حریمِ رسولؐ کا دفاع کرے؟"

اس وقت عرشِ الٰہی کے ارکان میں لرزہ پیدا ہوا۔ ملائکہؑ نے آہ و بکا شروع کی۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ ملائکہؑ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا:

یا ربنا و یا سیدنا

"اے ہمارے رب! اے ہمارے مولا کریم! یہ مظلوم اور بے کس تیرا حبیبؐ اور تیرے حبیبؐ کا حبیبؑ ہے، ہمیں اجازت لے کر دو ہم جا کر اس کی نصرت کر سکیں۔"

اسی لمحے امام حسین علیہ السلام کے دستِ مبارک کی زینت آسمان سے نازل ہونے والا ایک صحیفہ بنا جسے آپؑ نے کھول کر مشاہدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ صحیفہ تو عالم اَرواح اور عالم ذرّ (دنیا اور اس کی مخلوق کی خلافت سے پہلے والے عالم) کے ایک عہدنامے پر مشتمل ہے۔

جس میں آپؑ نے شہادت اور راہِ خدا میں قتل ہو جانے کا عہد و پیمان باندھ رکھا ہے۔

جب آپؑ کی نگاہ اس صحیفے کی پشت پر پڑی جس پر تحریر تھا:

"اے میرے حسین علیہ السلام! اے میرے محبوبؑ! ہم تجھے قتل اور شہادت پر مجبور نہیں کر رہے ہیں۔ تمہیں اب بھی اختیار حاصل ہے، ہمارے ہاں جو تیرا مرتبہ و مقام ہے، اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آئے گا۔ اگر چاہو تو ہم مصیبت کے یہ بادل برطرف کر دیتے ہیں۔ جان لو کہ ہم نے آسمان و زمین اور ان میں بسنے والے (جن و انس اور ملائکہؑ) کو تمہارا مطیع قرار دیا ہے، لہٰذا اس قوم کے قتل اور تباہی کا حکم دے سکتے ہو۔"

اس دوران میں زمین و آسمان کے مابین موجود خلا ملائکہؑ کے وجود سے پُر ہو چکا تھا، جن کے ہاتھوں میں آتشی اسلحہ موجود تھا۔ جو سب کے سب حکم امامؑ کے منتظر تھے۔ آپؑ نے صحیفہ کے مضمون کے مطالعہ کے بعد عرض کیا:

"اے میرے رب! تیری ذات کے لیے کوئی چیز مخفی نہیں تُو بہ خوبی آگاہ ہے کہ تیری اطاعت و محبت میں قتل ہونا مجھے پسند ہے۔ اگر ستر مرتبہ یا ستر ہزار مرتبہ بھی زندہ کیا جاؤں اور میری موت کا نتیجہ تیرے دین کی نصرت، تیرے امر کا احیا اور تیری شریعت کی بقا ہو تو میں قتل ہونا پسند کروں گا۔

جب کہ جوانانِ بنی ہاشمؑ اور اپنے اصحابِ باوفا کے قتل کے بعد (دنیا میں)
زندہ رہنے کی تمنا بھی نہیں رہی۔"

اس لیے تو آپؑ نے ملائکہؑ کو اِذنِ قتال نہیں دیا تھا اور آپؑ خود جنگ اور جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

## شیطان کی فریاد

مذکورہ بالا قصہ کو ایک مرتبہ حرم مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کے اندر ایک مشہور و معروف اور قابل اعتماد شخصیت نے نقل کیا:

جب میدانِ جنگ میں مظلوم و بے کس تنہا رہ گیا اور "ھَل مِن مُعِین" اور "ھَل مِن مُغِیث" کا استغاثہ بلند کیا تو ساری مخلوق کے اندر اِضطراب و غم کی لہر دوڑ گئی۔ سب ملائکہؑ نے گریہ شروع کر دیا۔ اس وقت شیطان ملعون زمین کربلا پر پہنچا۔ اس طرح بلند آواز سے فریاد کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کفار' منافقین' فاسق و فاجر جو جنات میں سے تھے' وہ بھی پہنچ گئے۔ جب اُنھوں نے شیطان کو غم زدہ اور محزون و ملال کی حالت میں دیکھا تو سوال کیا: اے ہمارے سردار! ہم تمھاری یہ کیا حالت دیکھ رہے ہیں؟ شیطان ملعون نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: مجھے اپنی ہزاروں کوششوں' حیلوں اور بہانوں پر ہزاروں مرتبہ حیف و افسوس ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ سب غارت ہو گیا۔ میں نے اس اُمت کے درمیان سنگِ تفرقہ پھینکا تھا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مہاجرین و انصار میں سے چالیس منافقین مکہ میں جمع ہوئے' جنھوں نے یہ عہد باندھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اُمت کی رہبری اور خلافت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ہاتھوں تک نہیں جانے دیں گے اور اگر ممکن ہوا تو تمام اہل بیتؑ کو تہ تیغ کر دیں گے تاکہ نہ اہل بیتؑ رہیں گے نہ خلافت و رہبری کا سوال پیدا ہوگا۔

اس بابت اُنھوں نے ایک عہد نامہ تحریر کیا اور اسے ابی عبیدہ جراح کے سپرد کیا۔ مختصر یہ کہ وہ مکروہ عہد نامہ مکہ میں ایک جگہ دفن کر دیا گیا۔ میں نے زینہ سازی کر دی تھی[1] کہ منافقین

---

(۱) بنیاد رکھ دی تھی اور حالات پیدا کر دیے تھے۔

واپسی کے سفر میں رسول اکرم ﷺ کو قتل کر دیں چوں کہ اُنھوں نے غدیر خم کے میدان میں لوگوں سے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی بابت عہد و پیمان لیا تھا۔ میری کوششوں سے سقیفے والے دن، خانۂ نبوت، عصمت و ولایت میں آتش زنی ہوئی۔ رسولؐ زادیؑ کو طمانچے سہنے پڑے اور انھیں اپنے پہلو پر زخم دیکھنا پڑا۔ گلشن عصمت و امامت کے پھولوں (حضرت محسن علیہ السلام) کو کھلے بغیر مرجھانا پڑا۔ حضرت علی علیہ السلام کے گلے میں رسّی ڈالی گئی اور انھیں اسی حالت میں بیعت کے لیے لے جایا گیا۔

خلاصہ: شیطان ملعون نے وہ گزرا واقعہ بیان کیا اور ان کے تمام کارناموں کو دُہرایا۔ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگا: اب میرے تمام مکر و فریب اور حیلوں بہانوں کے سبب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ حسین علیہ السلام تنہا شہادت کے لیے تیار ہے اور اہلِ حرمؑ اسیری کے لیے تیار ہیں۔ حسین علیہ السلام تنہا اور پیاسا ہے۔ میدان کے وسط میں کھڑے ہو کر استغاثہ بلند کر رہا ہے، مددگار ڈھونڈ رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف اولادِ فاطمہؑ نالہ فریاد بلند کر رہی ہے۔ اس وقت میں اپنے کیے پر پشیمان اور شرمندہ ہوں۔ مجھے اس طرح حسینؑ کا مظلومانہ قتل پسند نہیں ہے۔

شیطان کے دوستوں اور کارندوں نے کہا: تم کیوں پریشان ہو؟ تم تو اپنے مقصد تک پہنچ گئے ہو، چوں کہ ابن سعد (لعنۃ اللہ) کی بے حساب فوج اس فعل یعنی قتل حسینؑ کے لیے تیار ہے اور اس کے بعد آنے والے حضرات بھی اس سلسلے کو جاری رکھنے اور جہنم جانے کے لیے تیار ہیں۔

شیطان ملعون نے جواب دیا: "هیهات، هیهات" بظاہر تمھیں ایسا لگ رہا ہے مگر تم لوگ تصویر کا دوسرا رُخ نہیں دیکھ رہے ہو۔ ہر زمانے کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد زیارتِ قبر حسین علیہ السلام کے ثواب اور مصیبتِ حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے کے نتیجے میں عذابِ جہنم سے نجات پاتی رہے گی۔ وہ جتنے بھی بڑے گناہ گار کیوں نہ ہوں، ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

شیطان کے چیلوں نے کہا: پھر کوئی چارہ ہے؟

تب اس ملعون کے اندر حسد اور دشمنی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ وہ غصّے سے جھلا کر نیز وحشت و اضطراب کے سبب سے ایک کونے میں جا کھڑا ہوا، اور پروردگارِ دو عالم کی بارگاہ میں

عرض کرنے لگا: اے صاحبِ عزت و شکوہ رب! اے دو جہانوں کے پروردگار! کوئی حاجت تیرے دروازے پر آئے بغیر پوری نہیں ہوتی' کیا اجازت ہے کہ میں کچھ مانگ سکوں؟

آواز آئی: اے رجیم و لعین! جو چاہو مانگو۔

اس ملعون نے عرض کیا: یہ حجتِ کبریٰؑ اور ولی مطلقؑ ہے اور اسے اس کے ناناؐ' باباؑ' ماںؑ اور بھائیؑ کے بعد تُو نے زمین و آسمان اور آخری مخلوق تک برتری عطا کی ہے' کیا یہ اس سے بھی زیادہ مصیبت پر صبر کرے گا؟

آواز پروردگار آئی: تم جو چاہو کہو۔

شیطان نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں سورج حرارت کے ستر درجے تک پہنچ جائے۔

آواز آئی: اے ملعون! تیری حاجت پوری کیے دیتے ہیں۔ میں "اَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ" اور اَجْوَدَالْمَسْئُولِینَ" اور "اَکْرَمَ الْاَکْرَمِینَ" ہوں۔ اے لعین و رجیم شیطان! تُو بھول رہا ہے میں نے اپنی لازوال قدرت کے ذریعے اپنے ولی مطلق کو رحمت' صبر' تسلیم و رضا کے بارہ حصوں سے خلق فرمایا ہے۔

خداوند کریم نے سورج کی گرمی کو ۷۰ درجۂ حرارت پر پہنچایا۔ شیطان نے بھی خورشید کی گرمی کو بڑھتا محسوس کیا تو فوراً بھاگ کھڑا ہوا' اور فوراً ارضِ کربلا سے باہر چلا گیا۔

یہ بات پنہاں نہیں ہے کہ خداوند متعال کی توفیق اور امام زمان علیہ السلام کی تائید سے ہمارے دلوں پر غیبی اَنوار و انعامات تابندہ ہیں۔ ہم روشن عقل و قلب سے یہ حکم لگا سکتے ہیں اور برملا کہہ سکتے ہیں' یہ واقعہ بالکل ویسے ہی ہوا ہوگا اور مبنی بر صدق و حق ہوگا۔

آہ! آہ! آہ! اے میرے سید و سردار! "یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ لَا یَوْمَ کَیَوْمِکَ"۔ البتہ ایک بات مسلم ہے کہ سورج کا ستر درجے تک پہنچ جانا' اس کی گرمی کا احساس اور بدن کو جھلسانا یہ صرف امامِ مظلوم علیہ السلام کی ذات تک محدود اور مخصوص تھا۔ یہ درجہ حرارت شیطان اور اس کے علاوہ بھی کسی کو محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس میں کسی قسم کا تعجب بھی نہیں ہے کہ سورج کی گرمی کا اثر صرف امامِ مظلوم علیہ السلام پر کیوں تھا؟ اور دوسرے اس درجہ حرارت کو محسوس کیوں نہیں کر رہے تھے۔

چوں کہ خدا کی قدرت و طاقت کے سامنے یہ بالکل ممکن ہے اور اس واقعے کا ظاہر اس کی تائید بھی کر رہا ہے:

آہ! آہ! آہ! ارْوحِی لَکَ الفِدَاء یَا أبَا عَبدِاللّٰہ علیہ السلام

تمام منجمین اور مورخین کا کہنا ہے: محرم کے مہینے (۶۱ ہجری قمری) میں سورج برج میزان میں تھا۔ لیکن عرب ممالک میں برج میزان کی گرمی (ہمارے یہاں) موسم گرما کی عروج والی گرمی کے برابر ہوتی ہے۔ اب آپ تصور کریں کہ اگر سورج یک دم ۷۰ درجہ حرارت پر پہنچ جائے:

آہ! آہ! آہ! یا ابا عبداللّٰہ! ارْوحِی لَکَ الفِدَاء یَا سَیِّدَالشُّھَدَاء

## حضرت علی اصغر علیہ السلام کا لبیک کہنا

حضرت امام حسین علیہ السلام کا استغاثہ ایک عجیب اور منفرد نوعیت کا استغاثہ تھا، جس کے الفاظ ہیں:

ھَل مِن مُعِینٍ؟ ھَل مِن مُغِیثٍ؟ ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا

استر آباد کے علما میں سے ایک مشہور و معروف اور صاحب علم و فضل اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں: جب گہوارے میں یا بی بی زینب کبریٰ کی آغوش میں شیر خوار مجاہد علی اصغر علیہ السلام شدت پیاس سے تڑپ تڑپ کر بے حال ہو رہے تھے، اُنھوں نے اپنے مظلوم بابا! کی صدائے استغاثہ سنی تو کرب و اضطراب کی کیفیت بڑھ گئی۔ بلند آواز سے گریہ فرمایا اور اپنے آپ کو گہوارے سے نیچے گرا دیا اور بلند آواز میں گریہ کرنا شروع کر دیا۔ اہل حرم سمجھ گئے کہ اس شدت کرب کا سبب استغاثہ، سیدالشہداء ہے۔ یہ شیر خوار علیہ السلام، مجاہد امام مظلوم علیہ السلام کی صدائے استغاثہ پر لبیک کہہ رہا ہے۔ اپنے تنہا و غریب بابا! کی نصرت و مدد کرنا چاہتا ہے۔ پس اہل حرم نے بھی بلند آواز میں نالہ فریاد کرنا شروع کیا۔

ہم کہیں گے: یہ گوہر ملکوتی، جوہر گرامی، بیت رسالت کا چراغ شب خانۂ خلافت و ولایت کا در یتیم اور سلسلۂ جلیلہ ہاشمیہ نجابت و رحمت کا تسلسل ہے۔ یہ عرش خدا کے پردوں میں سے پنہاں انوار میں سے ایک نور ہے۔ ناشتی درختوں کا پھل، جنتی اور محمدی گلستانوں کی خوش بو! اس

شیر خوار مجاہد علیہ السلام کی مصیبت، روزِ عاشور کے مصائب میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ جس نے اس وقت اور بعد میں آنے والی مخلوق پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اس نور کے بجھ جانے سے مخلوق میں زندگی کا نور بجھنے لگا تھا۔ اس کے سب سے انبیاءؑ، مرسلینؑ، اوصیاءؑ، عبداللہ الصالحین کی پاک اَرواح پر اور ملائکہ مقربین پر گہرے اثرات مترتب ہوئے ہیں۔

عرشِ خدا کے اس سرخ یاقوت کی شہادت کے دکھ نے اہل عبا اور اصحابِ کسا کے ساتھ علیہم السلام کو بڑا دکھی کر دیا، اس لیے کہ علی اصغرؑ پنج تن پاکؑ کے صبر و شکیبائی کے ارفع مقام کا مظہر اعظم، دائرہ تسلیم کی قوسِ قزح اور رضا و توکل کی نشاۃ اوّلیہ تھے۔ لیکن اس شیر خوار کی شہادت نے سید الشہداءؑ کو اندر سے ایسا گھائل کیا اور اتنے گہرے زخم لگے کہ سید الشہداءؑ نے اپنے آنے والے شیعوں کو مخاطب کر کے اپنی شدتِ کرب و اضطراب کی کیفیت بیان فرمائی ہے:

لَیتکُم فِی یومِ عَاشُورَا جَمِیعًا تَنظُرُونِی

کَیفَ اَستَسقِی لِطِفلِی فَاَبَوا اَن یَّرحَمُونِی

"اے کاش! تم سب روزِ عاشور دیکھتے کہ میں نے اپنے لختِ جگر کے لیے

کس طرح پانی مانگا اور وہ بھی اس قوم سے جو مجھ پر رحم کھانے کو تیار نہ تھی۔"

حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ارفع و اعلیٰ مقام و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین اور نیک کردار علما نے آپؑ کا اسم گرامی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ آئمہ اطہار علیہم السلام سے منقول تمام زیارات میں بھی یہ نام نہ صرف شہداء کی فہرست میں شامل ہے اور آپؑ کو شہید کے نام سے پکار کر سلام کیا گیا ہے بل کہ آپؑ کا شمار کامل المعقول اور خاندانِ محمدؐ کے افاضل و سادات شہداء میں کیا جاتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اپنے مقام پر شہادت دے رہی ہیں کہ ذات نورِ انور اپنے مظلوم بابا کی نصرت و مدد کے لیے بے چین اور شہادت کے لیے بے قرار تھی۔ تبھی تو اپنے بابا کو بلند آواز سے پکارا اور خود کو گہوارے سے زمین پر بھی گرایا نیز فریاد کی:

آہ! آہ! رُوحِی لَکَ الفِدَاء اَیُّھَا المَظلُومُ وَ ابنُ المَظلُومُ

ذریت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور عترت ہاشمیہ محمدیہؐ سے پہلے شہید حضرت علی اکبر علیہ السلام تھے اور آخری شہید حضرت علی اصغر علیہ السلام۔

جو لوگ علوم کے اسرار و رموز اور عقل و خرد سے کوسوں دور ہیں ان کے متعلق تو بحث ہی نہیں کی جا سکتی' البتہ وہ حضرات جو اہل ملکوت' نکتہ دان اور اصحاب کشف و شہود میں مقام عقل سے استفادہ کرنے والے ہوتے ہیں' کہ ان کی عقل' عقل فعلی کے مرتبے پر فائز ہے وہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی تشبیہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے دیتے ہیں' جنھوں نے خدا کے اِذن سے گہوارے میں گفتگو فرمائی تھی۔ بالکل اسی طرح حضرت علی اصغر علیہ السلام نے بھی اپنے بدن پر موجود قمیص کو پارہ پارہ کیا۔ خود کو گہوارے سے ارضِ کربلا پر گرایا اور بلند آواز سے گریہ فرمایا۔ یہ سب کچھ بھی تو اِذنِ پروردگار سے تھا۔

اگر ایک جہت سے خانۂ نبوت و ولایت کا یہ چراغ شب اور گوہر یگانۂ روزگار حضرت عیسیٰؑ کے مشابہ ہے تو دوسری طرف سے اپنے جد حقیقی امیرالمومنینؑ کی مکمل شبیہ ہے۔ آپؑ اپنے جد بزرگوار کے تمام خصال و صفات کے وارث تھے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا جب بچپنا تھا تو آپؑ کو بند قنداق (عربوں اور ایرانیوں کے ہاں بچوں کو ایک خاص کپڑے میں اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے باندھ دیتے ہیں) پھاڑ دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دو کپڑوں' پھر تین' پھر چار حتیٰ کہ چھے کپڑوں سے بھی باندھا جاتا تو آپؑ سب کو پھاڑ دیا کرتے تھے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتے تھے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؑ کی مادر گرامی حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ سے منقول ہے: میں نے ایک کپڑے سے آپؑ کے ہاتھوں کو باندھا تو آپؑ نے اسے پھاڑ دیا۔ میں نے پھر چار کپڑوں اور مصری چمڑے سے خوب مضبوطی سے باندھا۔ اسے بھی پارہ پارہ کر دیا۔ پھر پانچ کپڑوں اور دیباج کے کپڑوں سے باندھا' اسے بھی پھاڑ دیا اور پھر سات کپڑوں اور دیباج کپڑے کی چھے پٹیوں سے کس کر باندھا۔ آپؑ نے اسے بھی پھاڑ دیا۔ پھر میں نے چمڑے سے باندھا تو اسے بھی پھاڑ دیا اور اِذنِ خدا سے تکلم کرتے ہوئے کہا: اے مادرِ گرامی! میرے

ہاتھوں کو مت باندھیے چوں کہ میں اپنے رب کے ہاں دعا و مناجات کرتا ہوں؛ جن کے لیے مجھے کھلے ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں اپنی ضروریات کی جانب بھی اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے اپنے ربِّ کریم سے طلب کرتا ہوں۔

## حلق معصومؑ

خانۂ عصمت و رحمت کے اس چراغ، طفل شیر خوارؑ میوۂ قلبِ حسین علیہ السلام کی شہادت کی کیفیت کچھ اس طرح ہے کہ جیسے فاضل استر آبادی سے منقول روایت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جب حضرت علی اصغر علیہ السلام نے اپنے مظلوم بابا کے استغاثے کی آواز سنی تو اپنے آپ کو گہوارے سے زمین پر گرایا اور گریہ و بکا شروع کی۔ جس کے سبب اہل حرمؑ میں بھی ایک کہرام بچ گیا۔ سید الشہداءؑ نے میدانِ جنگ سے خیام کا رُخ کیا۔ صدیقۂ صغریٰ حضرت زینبؑ نے بھائی کو اہل حرمؑ کے گریہ کا سبب بیان کیا۔ آپؑ سمجھ گئے کہ علی اصغرؑ بھی راہِ خدا میں قتل ہونے کا مشتاق اور سعادت کا طلب گار ہے۔ گویا اپنی زبان بے بیان سے اپنی آرزو پر اصرار کر رہا ہے۔ آپؑ نے اپنے لختِ جگر کو اپنے مبارک ہاتھوں پر اُٹھایا اور میدان میں لوٹ آئے۔

سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب "لہوف" میں اس طرح تحریر کیا ہے: جب مظلومِ کربلا علیہ السلام نے جوانانِ بنی ہاشمؑ اور اپنے اصحاب کے پاک اَجسام کے ٹکڑے ملاحظہ کیے تو آپؑ نے میدانِ جنگ کا اِرادہ کیا:

هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ

هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللّٰهَ فِينَا

هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُوا اللّٰهَ بِاَغَاثَتِنَا

هَلْ مِنْ مُعِينٍ يَرْجُوا اللّٰهَ بِاَعَانَتِنَا

"کیا کوئی حرمِ رسولؐ کا دفاع کرنے والا ہے؟ کیا کوئی توحید پرست ہے؟ جو ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے؟ کیا کوئی دادرس ہے جو خدا سے اُمید رکھتا ہو اور ہماری مدد کرے؟ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو خدا پر

بھروسا رکھتا ہو اور ہماری مدد کرے؟"

پس اہل حرمؑ نے بلند آواز میں گریہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام خیمے میں تشریف لائے اور اپنی بہن حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا سے فرمایا: مجھے شیر خوار علی اصغر علیہ السلام دو تاکہ اُس سے بھی الوداع کر سکوں۔

آپؑ نے اسے بوسہ دیا۔ حرملہ بن کاہل (لعنۃ اللہ) نے معصومؑ کے گلے پر تیر مارا' جس سے معصومؑ ذبح ہو گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے زینبؑ! اس معصومؑ کو لے لو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مبارک ہاتھ علی اصغر علیہ السلام کے خون سے پُر تھے۔ آپؑ نے وہ خون آسمان کی طرف پھینک دیا اور راہِ خدا میں جو کچھ بھی ہم پر آیا وہ ہمارے لیے اور ہمارے ایمان کے لیے سہل و آسان ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اس خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں پڑا۔

سید ابن طاؤس مزید تحریر فرماتے ہیں:

ایک دوسری روایت میں جو نقل ہوا ہے' وہ عقل کے بھی نزدیک ہے۔ حضرت امام حسینؑ جنگ میں مصروف تھے' آپؑ کے پاس خیمہ گاہ کی طرف پلٹنے کی فرصت نہ تھی کہ خیمے میں آ کر آپؑ اپنے شیر خوارؑ کو خدا حافظ کہہ سکیں۔ اس روایت کے مضمون سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت زینب کبریٰؑ نے حضرت علی اصغرؑ کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھایا اور حضرت امام حسینؑ کو لا کر دیا اور عرض کیا: اس معصومؑ نے تین دن سے ایک قطرہ گھونٹ پانی کا نہیں پیا۔ اس قوم جفا کار سے ایک گھونٹ پانی کا سوال کرو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے معصومؑ کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور فرمایا: اے قوم! تم نے میرے ساتھیوں اور خاندان والوں کو قتل کر دیا ہے' صرف یہ شیر خوار بچ گیا ہے جو پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہے۔ اس کے لیے تم سے ایک گھونٹ پانی کا سوال ہے۔

اسی لمحے ایک ملعون کافر نے تیر مارا' جس سے معصومؑ کا گلہ کٹ گیا اور شیر خوارؑ درجۂ

شہادت پر فائز ہو گیا۔

یگانۂ روزگار مؤرخ جناب ابو مخنف نے حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اس بچے کی حفاظت اور نگہ داری کی بابت تمھیں وصیت کرتا ہوں۔ اس شیر خوارؑ کی عمر مبارک چھے یا سات ماہ تھی' آپؑ کی بہن نے عرض کیا: یا ابا عبداللہؑ! تین دن سے اس صغیرؑ نے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پیا۔ اس قوم جفا سے پانی کا سوال کیجیے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بچے کو ہاتھوں پر لیا اور اس بے حیا لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا: اس معصومؑ بچے کے لیے پانی کا سوال ہے۔ اچانک ایک مسموم تیر آ کر گلے پر لگا' جس سے شیر خوارؑ شہید ہو گیا۔

یہ تیر حرملہ بن کاہل (لعنۃ اللہ) نے مارا۔ بعض حضرات کہتے ہیں: عقبہ اسدی نے تیر مارا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے معصوم علیہ السلام کے خون کے چند چلّو بھرے اور خون آسمان کی جانب پھینک دیا اور عرض کیا:

"اے پروردگار! اس قوم پر گواہ رہنا۔ ان کی حقیقت کی خاطر قسم کھاتا ہوں جنھوں نے خاندانِ رسولؐ کا ایک فرد بھی زندہ نہیں چھوڑا۔"

پھر آپؑ خیمہ گاہ کی طرف پلٹ آئے اور اس مذبوح صغیر کو اپنی بہن اُمِ کلثومؑ کے سپرد فرمایا۔

ابن نما تحریر کرتے ہیں: حضرت علی اصغر علیہ السلام کو گنج شہداء میں باقی شہداء کے پہلو میں لٹا دیا۔ جب کہ ابو الفتوح اور کمال الدین دونوں کا تعلق علمائے اہل سنت سے ہے' کہتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اصغر علیہ السلام کے جسد اطہر پر نماز جنازہ بھی پڑھی۔ پھر تلوار سے ننھی سی قبر بنائی اور اسے دفن کر دیا۔

شیخ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "احتجاج" میں ذکر کیا ہے: جب سید الشہداءؑ کے تمام یار و انصار اور افرادِ خانوادۂ (بنی ہاشمؑ) جامِ شہادت نوش فرما چکے اور پورے خاندانِ عترت میں سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور علی اصغر علیہ السلام کے علاوہ[1] کوئی نہ بچا تو آپؑ خیمے کے نزدیک

---

(1) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بھی موجود تھے۔

آئے اور فرمایا: پسر شیر خوارؑ مجھے دیجیے تاکہ اسے وداع کر سکوں۔ پھر اُسے اپنے دستِ مبارک پر اُٹھایا اور بوسہ دیا اور فرمایا: اے قوم! وائے ہو تم پر تم تو سید المرسلینؐ کے دشمن ہو کہ اچانک تیر آ کر طفل شیر خوارؑ کے گلے پر لگا اور وہ شہید ہو گیا۔

آپؑ گھوڑے سے اُترے۔ ایک قبر کھودی اور اپنے فرزند کو اُسی خون آلود پیراہن میں سپرد خاک فرمایا۔ جب کہ بعض معتبر کتب میں حمید بن مسلم سے نقل ہوا ہے: میں ابن زیاد (لعنة اللّٰہ) کے لشکر میں تھا۔ میں نے اس شیر خوار بچے کو اس کے باپ کے ہاتھوں پر شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ اسی لمحے ایک روحانی وملکوتی (چادر) نور میں لپٹی ایک خاتون خیمے سے باہر آئیں اور "وَا وَلَدَاهُ' وَا قَتِيلَاهُ' وَا مُهجَةَ قَلبَاهُ" جیسے دل سوز بَین کرنے لگی۔ اس کے بَین سن کر ساری فوج اشقیا نے بھی گریہ شروع کر دیا۔ پھر یہ خاتون اس صغیرؑ کے پاکیزہ جسم تک پہنچی اور جا کر اپنا چہرہ اس صغیرؑ کے چہرۂ اقدس پر رکھ دیا اور گریہ زاری کرنے لگی۔ اس مستور کے پیچھے حرم سے چند دوسری بیبیاںؑ اور بچے بھی باہر آ گئے۔ اس دوران میں سید الشہداءؑ لشکر کفار کو موعظہ فرما رہے تھے اور انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرا رہے تھے۔

آپؑ نے اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی تو فوراً بہن کے قریب پہنچے اور سب سے پہلے انھیں چادر اوڑھائی اور ان کا چہرہ ڈھانپا اور شفقت و ہم دردی کا اظہار فرمایا اور خیمہ گاہ کی طرف لے گئے۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: یہ مستور کون ہے؟ یہ بچے اور خواتین کون ہیں؟ جواب ملا: یہ اُمِ کلثومؑ ہیں! یہ بچے اور خواتین حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹیاں' سکینہؑ' فاطمہ صغریٰؑ اور رقیہؑ ہیں۔ میں نے اتنا گریہ کیا کہ بے حال ہو گیا۔

شعبی کی روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: جب سید الشہداءؑ اس شیر خوارؑ شہید کو اہلِ حرمؑ کے پاس خیام کی طرف لے کر آئے تو آپؑ کے محاسن اس شہید کے ناحق خون سے رنگین ہو چکے تھے۔ آپؑ مسلسل گریہ فرما رہے تھے۔ جب اہل حرمؑ نے امامؑ کا گریہ سنا' تو خیام سے باہر تشریف لائے۔ امامؑ نے طفل صغیرؑ کو اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا اور اپنے گلو

کو اس صغیرؑ کے کٹے ہوئے حلقوم پر رکھا ہوا تھا نیز آپؑ کی آنکھوں سے سیلاب اشک جاری تھا۔ آپؑ نالہ فریاد کر رہے تھے: "وا محمدًا! وا علیاہ!" کیا آپؑ جانتے ہیں کہ آپؑ کے بعد ہم پر کس طرح کے مصائب ٹوٹے۔ آپؑ کے دشمنوں نے ہمیں کس قدر رُسوا کیا: "والھفاہ" یہ بچہ جو اپنے خون سے رنگین ہو چکا ہے: "وا اسفاہ!" اس بچے پر کہ دشمن کے تیر سے جس کا دودھ چھڑایا گیا: "واحسرتا!" اس دل پر جو پُرسوز ہے اور اس جگر پر جو جل چکا ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے چند اشعار بھی انشا فرمائے۔

## یاقوتِ حرم کی شہادت کے اَسرار

اس حصے میں اس شیرخوار شہیدؑ کی شہادت کے اَسرار و ظرائف پیش کیے جا رہے ہیں جن کی طرف اقوالِ آئمۂ طاہرین علیہم السلام میں اشارہ موجود ہے۔

حدیثنا صعب مستصعب سر مستتر لایحتمله الا ملك مقرّب او نبی مرسل او عبد امتحن اللّٰه قلبه بالایمان

"ہماری احادیث کا ادراک ایک مشکل ترین مسئلہ ہے۔ ان میں ابدی اَسرار پائے جاتے ہیں جن کا "ملك مقرّب" تحمل کر سکتا ہے یا نبی مرسل یا پھر وہ مومن جس کا پروردگار نے امتحان لیا ہو۔"

اس قسم کے اَسرار امتحان یافتہ مومنین کے لیے مخفی و پنہاں نہیں ہوتے ہیں۔ اگر کسی نبی اور صاحب شریعت رسول کو علی اصغر علیہ السلام جتنی مصیبت برداشت کرنا پڑتی اور سید الشہداءؑ کے مانند صبر کرنا پڑتا تو یہ اُس نبی کا صبر خدا کے ہاں صاحب جلالت وعظمت ہونے کے لیے کافی ہوتا' لہٰذا عرض ہے کہ سید الشہداؑ کا حضرت علی اصغر علیہ السلام کو میدانِ کارزار میں لانا' سپاہ کفر سے پانی کا سوال کرنا' اتمامِ حجت کرنا اور معصومؑ کا درجۂ شہادت پر فائز ہونا' اس سارے واقعے میں تین اَسرار پنہاں ہیں:

### سِرِّ اوّل:

پہلا راز جس کی طرف اکثر مقامات پر اشارہ کیا گیا ہے اس شیرخوار بچے نے امامِ مظلومؑ

کے استغاثہ کے بعد قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچے کو باندھتے ہیں) کے بند کھولے اور خود کو گہوارے سے نیچے گرا دیا اور امامِ مظلومؑ کی مدد کرنے اور استغاثہ پر اپنی بے زبانی سے لبیک کہا۔ اس کے بعد امامِ مظلومؑ متوجہ ہوئے اور علی اصغر علیہ السلام کو لے کر میدان کی طرف آئے۔

**بھیدِ دوم:**

دوسرا راز یہ ہے کہ خداوند متعال اپنی ربوبیت اور رحمتِ واسعہ کے ذریعے اپنے بندوں کو اپنی اطاعت، عبادات اور حسنات کی طرف دعوت دیتا ہے۔ ان حسنات اور اطاعات کا مرکزی نقطہ قبورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی زیارت ہے۔ بالخصوص قبر مطہر حضرت امام حسینؑ کی زیارت اور آپؑ کے مصائب پر گریہ کرنا۔

لوگوں کے رسوم و آداب ان کی آرزو اور تمناؤں کے مطابق مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے غم اور خوشی منانے کے انداز اور طور طریقے بھی اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ اسی طرح رحم، رافتِ قلبی اور قلبی قساوت کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض افراد بہت زیادہ رقیق القلب ہوتے ہیں۔ ان کے دل بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض حضرات اس کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ وہ رقت اور قساوت کے مابین موجود تمام مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ جب کہ پروردگارِ عالم نے بلاتفریق تمام مصائب اور دکھ کو مرتکز فرما دیا ہے۔ مصائبِ آلِ محمدؐ میں اس طرح کے تمام قلوب (چاہے سخت ہوں یا نرم و نازک)، جوں ہی مصائبِ آلِ محمدؐ کو سنتے ہیں فوراً اُن کے دلوں کے اندر ایک اِضطراب سا پیدا ہو جاتا ہے اور فوراً آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ جو لوگ فولاد و آہن کے مانند سخت ہوتے ہیں، وہ بھی گریہ کرنے لگتے ہیں۔ پس اگر بارگاہِ ایزدی کا کوئی محرمِ راز یا خدا کا مخلص بندہ ان مصائب کو پہاڑوں پر جا کر بیان کرے تو وہ پہاڑ بھی پانی پانی ہو جائیں گے اور اگر یہ مصائب دریاؤں کے سامنے بیان کیے جائیں تو دریاؤں میں آگ بھڑک اُٹھے گی اور وہ خشک ہو جائیں گے۔ بالخصوص اس شیرخوار شہیدؑ کی مظلومانہ شہادت کا تذکرہ کیا جائے تو اس شیرخوار شہیدؑ کی مظلومانہ شہادت اہلِ بیتؑ رسولؐ کے مصائب کا مجموعہ اور مرکزی نقطہ ہے۔ یہ تمام مصائب کی انتہا ہے ان اشاروں کے ذریعے یہ

سمجھایا جا رہا ہے' پروردگار کا ہدف یہ ہے کہ وہ رب کریم محبانِ اہل بیت ؑ کو اُخروی نجات عطا کرنا چاہتا ہے اور گناہ گاروں کو عذابِ جہنم سے نجات دینا چاہتا ہے۔

بھیدِ سوم:

پروردگارِ عالم کا اِرادہ یہ ٹھہرا کہ تمام مقرب ملائکہ ؑ کروبین' اَرواحِ مقدس' انبیاء ؑ' مرسلین' اولیائے کرام' مقامِ محبت' اطاعت وعشق اور ولی مطلق وحجت کے مقامِ فنافی اللہ کو آشکار کریں۔

اس شیر خوار شہید ؑ کی شہادت اَرواحِ انبیاءِ مرسلین اور ملائکہ ؑ مقربین کے نزدیک آشکار ہونے کی سند ہے۔ سیدالشہداء ؑ پر جب صحیفہ آسمانی نازل ہوا تو جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں آپ ؑ نے بارگاہِ ربّ العزت میں استدعا کی تھی:

"الٰہی وسیدی! میں حسین علیہ السلام تیری راہ میں قتل ہونا پسند کرتا ہوں۔ اگر میں ستر مرتبہ یا ستر ہزار مرتبہ زندہ کیا جاؤں پھر بھی تیری راہ میں قتل ہونا پسند کروں گا۔"

اگرچہ ملائکہ ؑ اَرواحِ انبیاء ؑ ومرسلین ؑ منزلِ یقین پر فائز تھے کہ آپ ؑ اپنے دعوے میں صادق تھے اور اس مدعٰی کے صدق کی سب سے بڑی اور واضح دلیل حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت ہے۔ اس لیے کہ اس صغیر ؑ کی شہادت سے جگرِ امام ؑ پر جو سختی اور مصیبت گزری وہ ستر مرتبہ یا ستر ہزار مرتبہ قتل ہونے سے زیادہ تھی۔ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت سے انبیائے اولوالعزم اور پیغمبرانِ خدا کو مطلع کر دیا گیا تھا (وحی والہام کے ذریعے انھیں روزِ عاشور کے سانحے سے آگاہ کر دیا گیا تھا)۔ یہ حضرات مصائب ومشکلات کے مقابلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے صبر وشکر کے رفتار وکردار (اور مقام ومرتبہ) سے بہ خوبی آگاہ تھے۔

ہم جن اَسرار کے متعلق بحث کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ان میں سے ایک راز یہ ہے کہ اس شیر خوار شہید ؑ کا خون جو امام ؑ نے آسمان کی طرف پھینکا اس کا ایک قطرہ بھی زمین کی طرف پلٹ کر نہ آیا۔ اس لیے کہ اس خونِ ناحق کا ایک ایک قطرہ' ہزاروں گواہوں پر بھاری تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی سچائی پر دلیل بن رہا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

خداوند کریم کے مہمان خانے میں قیام پذیر مہمانوں کے لیے جو خون بطور ہدیہ بھیجا یہ فنا فی اللہ اور محبت پروردگار کے بلند مقام پر فائز ہونے کی دلیل تھا' لہٰذا یہ خون زمین پر کس طرح واپس آ سکتا تھا؟

یہ ہدیہ ملکوت کے خزانوں اور جبروت کے ذخائر کی زینت بنا۔ یہ تو سورج' عرش و کرسی' بہشت اور حور و غلمان کے لیے باعث زینت بنا۔ اگر مقرب ملائکہ اور کروبیوں میں سے کوئی اس مقدس خون سے سرسوزن (سوئی کے نوک کے برابر) بھی مستفید ہو جاتے تو وہ اپنے آپ کو کافور کے سلسبیل و چشمہ آب حیات اور عشق الٰہی سے سیراب پاتے اور وہ خود کو فنا فی اللہ' واللہ اور باللہ کے مقام پر فائز سمجھتے تھے۔ "ھَیھَاتَ! ھَیھَاتَ" کاش! کوئی فرد اس خون کی مکمل توصیف سے آگاہی رکھتا ہوتا اور اس کی تعریف و تعظیم کے عہدہ سے آگاہ و آشنا ہوتا۔

یہاں پر ایک نکتہ جو علوم اور اَسرار اہل بیتؑ سے آشنا بابصیرت افراد سے حاصل ہوا ہے وہ یہ کہ اگر اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر پڑتا تو تمام اہل زمین ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہو جاتے۔

## غنچۂ آلؑ محمدؐ کے دفن کے اَسرار

### سِرِّ اوّل:

اگر علی اصغر علیہ السلام کا بدنِ منور دوسرے شہداء کے طیب و طاہر اَجسام کے مانند زمین کربلا پر پڑا رہتا اور امامؑ اسے دوسرے شہداء کے مانند دفن نہ کرتے تو لشکر بنی اُمیہ ان کے سر اقدس کو بھی دوسرے شہداء کے سروں کی طرح کاٹ دیتے اور پھر نوک نیزہ پر سوار کر کے بلند کرتے اور دوسرے لوگ' اس کو بنیاد بنا کر ملت اسلام کی طرف ذلت و حقارت کی نسبت دیتے۔

### سِرِّ دوّم:

اگر کفار بنی اُمیہ (لعنۃ اللہ) علی اصغرؑ کا سر کاٹتے اور نوکِ نیزہ پر سوار کرتے تو جہاں تک بنی اُمیہ کی حکومت تھی وہاں تک یہ خبر عام ہو جاتی اور ایک رسم بن جاتی کہ جب بھی بنی اُمیہ آلؑ رسولؐ کے محبوں و شیعوں کو شہید کرتے' ان کے سر کاٹ کر نوکِ نیزہ پر بلند کرتے' اس کے

حسن میں وہ بچوں اور بڑوں کے درمیان فرق روا نہ رکھتے۔

**بریز سوم:**

اگر کفار سر کاٹنے پر بضد رہتے تو اس کے باعث اہل زمین پر فوراً اور ناگہانی عذاب نازل ہوتا۔

**بریز چہارم:**

اگر اس نرم و نازک بدن کو دفن نہ کیا جاتا تو یہ آفتاب کی تپش سے جھلس جاتا اور گھوڑوں کے سُموں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت میں جذب ہو جاتا۔ جس کا تلاش کرنا پھر مشکل ہو جاتا۔

**بریز پنجم:**

جب حرمِ رسولؐ قیدی بن کر مقتل سے گزرتے اور ان کی نظریں اس شہید پر پڑتیں تو ان کا غم و مصیبت دوگنا ہو جاتا ہے۔ ان کے گریہ و فریاد میں مزید اضافہ ہو جاتا بل کہ بعید نہیں کہ کسی کی موت بھی واقع ہو جاتی۔ تین دن تک حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب باوفا رضوان اللہ علیہم کے لاشے کربلا کی ریت پر بکھرے پڑے رہے اور دفن نہیں ہوئے اور اس دوران میں ملائکہؑ اور انبیاءؑ و مرسلینؑ کی اَرواح مسلسل زیارت کے لیے آتی رہیں۔

## علی اصغر علیہ السلام پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا راز

کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا علی اصغرؑ کی نمازِ جنازہ پڑھنا ایسے ہی تھا جس طرح میدانِ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا اپنے چچا حضرت حمزہ بن ابو طالب علیہ السلام کی نمازِ جنازہ پڑھنا تھا۔ اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے شیر خوارؑ کو راہِ خدا میں فدا کیا تو تمام ملائکہؑ، انبیاءؑ، اوصیاءؑ، صدیقین اور شہداء کی اَرواح ورطۂ حیرت میں ڈوب گئیں۔ چوں کہ اس طرح کی قربانی خداوند متعال کے ہاں بلند ترین مقام پر فائز ہونے کی دلیل بن سکتی تھی۔ یقیناً اس شیر خوارؑ کی شہادت کے ساتھ کوئی چیز اور شہادت قابل مقائیسہ نہیں ہے سوائے سید الشہداءؑ کی شہادت کے۔ تبھی تو امامؑ تمام اُمور سے فراغت پا کر نماز بجا لائے۔ چوں کہ نماز تمام حمد و ثنا اور شکر و سپاس گزاری کا آخری مقام ہوتا ہے۔ اس نکتے کے ساتھ کہ نماز مومن کی معراج ہے اور پھر امامؑ کی نماز تو تمام نمازوں کا لبِ لباب اور روحِ رواں تھی۔

## بیماری کا پروانہ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام روزِ عاشور اور اس سے قبل ہی بیمار ہو گئے تھے اور روزِ عاشور آپؑ کی بیماری کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آپؑ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ جب آپؑ نے اپنے بابا کے استغاثہ کی صدا سنی تو فوراً بول اُٹھے:

لَبَّیۡکَ، لَبَّیۡکَ یَا بۡنَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی حالت کو ابوالفرج نے اپنی روایت میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے رہوار (گھوڑے) کے دائیں بائیں دیکھا تو کسی کو نہ پایا' اس لمحے امام زین العابدین علیہ السلام بستر بیماری پر بے حال و بے طاقت لیٹے ہوئے تھے۔ پھر بھی آپؑ نے اپنے مظلوم بابا کا بے کسی و تنہائی اور غربت کی حالت میں کیا جانے والا گریہ سنا تو فوراً ''لبیک'' کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ تلوار اُٹھائی اور خیمے سے باہر آ گئے۔ کمزوری و ناتوانی کا یہ عالم تھا کہ نیام سے تلوار نہیں نکال پا رہے تھے' اسی دوران میں حضرت اُمِ کلثومؑ نے پیچھے سے آواز دی:

''اے بے کسوں کی پناہ گاہ! اے حرمِ رسولؐ کے میوۂ دل! لوٹ آیئے۔
خیمہ گاہ میں واپس آ جایئے' ہمیں بے محرم تو نہ چھوڑیئے۔''

آپؑ نے کہا: اے پھوپھی جان! مجھے جانے دو تا کہ جنگ کروں اور فرزندِ رسولؐ پر اپنی جاں نثار کر سکوں۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ صورتِ حال دیکھی تو فرمایا: اے بہن! سجادؑ کو پکڑ لو وہ میدان میں نہ آنے پائے ورنہ زمین حجتِ خدا سے خالی ہو جائے گی اور نسلِ رسولؐ ختم ہو جائے گی۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت امامِ سجاد علیہ السلام خیمے سے باہر تشریف لائے۔ آپؑ بیماری کے سبب سے ضعف و ناتوانی کا شکار تھے' اس لیے آپؑ جو نیزہ اُٹھائے ہوئے تھے وہ زمین پر خط کھینچتا آ رہا تھا (یعنی آپؑ میں نیزہ اُٹھانے کی سکت تک نہیں تھی)۔

سیدالشہداءؑ فوراً آپؑ کے پاس پہنچے اور آپؑ کو خیمہ گاہ کی طرف لائے اور فرمایا: اے میرے نورِ قلب! کیا کرنا چاہتے ہو؟

آپؑ نے عرض کیا: اے فرزندؑ رسولؐ خدا! آپؑ کے استغاثے نے میرے دل کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور میں شدید کرب و ابتلا سے گزر رہا ہوں۔ میں اپنی جاں نثار کرنا چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: میرے بیٹے تم شدید بیمار ہو جس کے سبب سے تم پر جہاد واجب نہیں ہے۔ تم حجتِ خدا ہو تم اپنے دادا کے شیعوں کے امامؑ ہو اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کے کفیل اور سرپرست ہو خاندانِ رسولؐ کی عورتوں اور بیٹیوں کا سہارا ہو۔ تمہیں حرمِ رسولؐ کو مدینے بھی پہنچانا ہے اور زمین کو حجتِ خدا سے خالی بھی نہیں ہونے دینا ہے۔

اے میرے فرزند! تم بہت جلد اسیر بنا لیے جاؤ گے اور تمہاری اہانت کی جسارت کی جائے گی۔ تمہارے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالی جائیں گی۔

امام سجاد علیہ السلام نے عرض کیا: بابا! کیا یہ اچھا لگے گا آپؑ قتل کر دیے جائیں اور میں دیکھتا رہ جاؤں۔ اے کاش! میں زندہ نہ ہوتا آپؑ کو اس حال میں نہ دیکھتا:

رُوحِي لِرُوحِكَ الْفِدَاءَ وَنَفْسِي لِنَفْسِكَ الْفِدَاء......

سیدالشہداءؑ نے فرمایا:

اے علیؑ زین العابدینؑ! تم میرے جانشین اور میرے بعد شیعوں کے امام ہو تمہارے اوامر و نواہی سے دین کی بنیادیں مستحکم ہوں گی۔ تم لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف لے کر جانے والے ہادی ہو تم اپنے آبا و اجداد کے علوم کے وارث اور محافظ ہو۔

سیدالشہداءؑ نے آپؑ کو سینے سے لگا کر خوب گریہ فرمایا۔ اس کے بعد خدا کی امانتیں نیز سیدالمرسلینؐ اور امیرالمومنین علیہ السلام کی نشانیاں آپؑ کے سپرد فرمائیں۔ علاوہ ازیں دیگر انبیاءؑ کی نشانیاں اور میراث (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور تابوت) جو مدینہ چھوڑتے وقت آپؑ حضرت اُم سلمیٰؓ اور صبیہ مرضیہ کے حوالے کر کے آئے تھے کے وصول کرنے کا حکم بھی دیا (سیدالشہداءؑ نے حضرت اُم سلمیٰؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ جب میرا بیٹا سجاد علیہ السلام مدینے واپس

آئے تو یہ چیزیں اسے لوٹا دیجیے گا)۔

## سیدالشہداء علیہ السلام کا مخلوق کے لبیک کا جواب دینا

اس فصل کے اختتام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدالشہداءؑ کی دعوت اور استغاثہ کے جواب میں جب ساری مخلوق نے "لبیک" کہا تو امامؑ کا ردعمل اور جواب کیا تھا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپؑ نے سیدالمرسلینؐ، امیرالمومنین علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو قیامت تک بڑے خضوع وخشوع سے جواب دیے ہیں جب کہ باقی مخلوق کی تمام اصناف کو اپنی رضائیت وخوشنودی سے بھرا ہوا جواب دیا اور ارشاد فرمایا:

> "جو کچھ تم پر واجب تھا یعنی میری دعوت واستغاثہ کا جواب دینا' تم نے لبیک کہہ کر جواب دیا (چوں کہ تم سے رب کریم نے اہل بیتؑ رسول امینؐ کی بابت عہد ومیثاق باندھ رکھا تھا) ان شاء اللہ اس کا بہترین اجر تمھارا مقدر ٹھہرے گا۔"

اس مطلب کی مزید تفصیل زعفر جن کی داستان میں "اکسیرالعبادات" نامی کتاب میں مذکور ہے۔

...... ✦ ......

# فصل دوّم

# ایک مقدمہ

# حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی کیفیت پر

# ساری مخلوق محوِ گریہ

سید الشہداءؑ کو قتل کرنا ہی تو کفار اور دشمنوں کا بہت بڑا مقصد تھا۔ اس واقعہ کے سبب سے زمین و آسمان کی تباہی و بربادی بھی بالکل نزدیک تھی۔ یہ واقعہ ساری مخلوق کے گریہ و بکا کرنے کا سبب بھی ٹھہرا ہے۔ البتہ ہر مخلوق کے گریہ و بکا کی اپنی حالت اور کیفیت تھی۔ جس مخلوق کی آنکھیں تھیں وہ آنکھوں سے محوِ گریہ تھی اور وہ مخلوق جس کا مادی وجود نہیں تھا' وہ اپنی حرکات و سکنات اور مختلف حالتوں کے ذریعے گریہ کناں تھی۔ بالخصوص اہل آسمان کا گریہ' ملائکہ مقربین اور اہل بہشت کے نالہ فریاد کہ جب انبیاءؑ و مرسلینؑ اور صلحا و صادقین نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا وہ سب کے سب شدید اضطراب اور حزن و ملال کا شکار ہوئے۔ تب انھوں نے اس حقیقت کو بھی ملاحظہ کیا کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ' ملائکہ و مقربین پر خاندانِ محمدؐ کی افضلیت اور برتری کا راز کیا ہے؟

## مقدمۂ خون

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ملائکہ و مقربین کے علوم کے معارفِ اہل بیتؑ محمدؐ کے دریا کا محض ایک قطرہ ہونے کا اصل فلسفہ ثابت کیا۔ اس مقام پر انبیاءؑ و ملائکہؑ متوجہ ہوئے کہ جب خداوند متعال اپنے حبیبؐ سے مخاطب ہوتا ہے تو ان خطابات وارشادات میں موجود اسرار و رموز کو درک کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے:

لَولَاکَ لَمَا خَلَقتُ الاَفلَاک

"اے محبوب! اگر تجھے خلق نہ کرتا تو پوری مخلوق کو خلق نہ کرتا۔"

اس حدیث قدسی کی حکمتوں اور اسرار کو بیان کرتے ہوئے (مزید) فرمایا:

یا محمد انت و علی منك حیث أنت منّی و محبوا علیّ منّی حیث علی منك یا محمدً حیث تکن یکن علی فیه و حیث یکن علی یکن محبوا علی فیه وان اجترحوا

"اے محمدؐ! علی علیہ السلام تجھ سے ایسے ہی ہے' جیسے تم مجھ سے ہو اور علی علیہ السلام کے شیعہ اور حب دار مجھ سے اس طرح ہیں' جیسے علی علیہ السلام تجھ سے ہے۔ جہاں تم ہو گے وہاں علی علیہ السلام ہو گا اور جہاں علی علیہ السلام ہو گا وہاں علی علیہ السلام کے شیعہ وحب دار ہوں گے۔ بے شک وہ اپنے کاموں (فرائض مترجم) میں کوتاہی کے مرتکب ہوں اور گناہ گار ہی کیوں نہ ہوں۔"

سیدالشہداءؑ کی شہادت موجب بنی ہے کہ ملائکہ' انبیاءؑ' مرسلینؑ وغیرہ اپنے پروردگار کی ان حکمتوں اور اسرار کے متعلق غور و فکر کریں جو خداوند متعال نے محمدؐ و اہل بیت' محمدؐ کو عطا کر رکھی ہیں۔ یہ ہستیاں سارے عالم میں تصرف کا حق و اختیار رکھتی ہیں۔ جسم مادی کی تخلیق سے پہلے' بعد میں اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کے بعد تک۔

اس صفت کے ساتھ ہر بیدار دل انسان کے لیے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ خلافت کا غصب کرنا' امیرالمومنین علیہ السلام کے مسلم حق کو پامال کرنا' حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے دروازے پر آگ جلانا' انھیں اذیت اور دکھ پہنچانا' ان کے مقامِ رفیع کا انکار کرنا ہی تو ہے۔ چوں کہ علیؑ کے سیاسی حریفوں کی وکالت کرنے والے' ان کے پیروؤں نے انصار و مہاجرین وغیرہ (علمائے منقبت یا علمائے متعصب) نے جو کچھ بھی کہا ہے اور اپنے مؤکلین کی طرف سے جتنے بھی عذر پیش کیے یا سرے سے اس واقعہ ہی کا انکار کیا' یہ سب کے سب باطل ہیں۔ سیدالشہداءؑ کی شہادت سے اسلام کی آواز جہاں تک پہنچی اور روئے ارض پر جہاں جہاں بھی اسلام کا نام لینے والے موجود تھے' وہاں وہاں عزاداری اور سوگ واری کا سلسلہ جاری ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا غم جاری و ساری ہے۔ بالخصوص ماہِ محرم الاحرام میں غیر ملکی افراد (غیر ممالک کے سفرا اور روزناموں) نے تحریر کیا اور پھر دنیا کے مختلف گوشوں میں اس خبر کو پہنچایا۔ عزادار حضرت امام حسین علیہ السلام منانے کے لیے مختلف طریقوں سے متعلق ایک دوسرے کو اطلاعات باہم پہنچاتے رہے۔ پس آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدالشہداءؑ قرآن کے شریک ہیں' یہ دو ثقل ہیں: ایک ثقل اکبر اور دوسرا ثقل اصغر۔

درحقیقت شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام اور اس پر جتنے اثرات مرتب ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں انھیں قرآن کی مثل کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے پیغمبر اسلامؐ کے دین کو تقویت ملتی ہے اور اس کی تشہیر بھی ہوتی ہے۔

اس مقدمے کے بعد ہم آلِ محمدؐ کی شان میں تحریر کی جانے والی دو عظیم الشان منقبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ایک منقبت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اوّلین و آخرین کے تمام علوم کا آلِ محمدؐ کے علوم و معارف سے مقائیسہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی قطرے کا دریا کے ساتھ مقائیسہ کرے۔

جب کہ دوسری منقبت میں آئمۂ معصومینؑ کے مقامِ رفیع کے آثار کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس قسم کے اخبار و روایات سے استنباط کرنا شیعہ منابع و کتب سے تو بہت ہی آسان کام ہے۔ جب کہ ہم ان دونوں کو اہلِ سنت کی کتب و منابع سے نقل کر رہے ہیں:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ (سورۂ انفال، آیت ۴۲)

"تاکہ جو شخص ہلاک (گمراہ) ہو وہ (حق کی) حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو۔"

## چڑیا اور دریا

علومِ عقلی کے ماہر بزرگ عالم جلیل القدر سید میر داماد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تقویم البیان" میں تحریر کرتے ہیں: ابوالحسن بصری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چڑیا دیکھی جس نے دریا سے پانی کا ایک قطرہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دستِ راست پر رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کا سبب پوچھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا: یہ چڑیا پیغام دے رہی ہے کہ تمھارا علم، خاتم الانبیاءؐ اور ان کے وصی برحق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے، جس طرح دریا کے مقابلے میں ایک قطرہ۔

اسعد بن ابراہیم مالکی اُردبیلی جو اہلِ علم میں افضل المحدثین کے نام سے مشہور تھے۔ علمائے سنت نے اپنی کتاب "اربعین" میں اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث نقل فرمائی ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان کشتی، لڑکے اور دیوار کے متعلق جو گفتگو ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس گئے۔ جب واپس تشریف لے گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے اس قصہ کے متعلق سوال کیا تا کہ اسے باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں اور خضر علیہ السلام دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ ہمارے پاس آیا۔ جس نے اپنی چونچ میں دریا کا پانی بھر رکھا تھا۔ اس نے ایک قطرہ، مشرق کی طرف پھینکا، دوسرا قطرہ مغرب کی طرف، ایک قطرہ آسمان کی طرف اور ایک قطرہ زمین کی طرف پھینکا جب کہ باقی بچا ہوا پانی دریا میں واپس ڈال دیا۔ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کا فلسفہ پوچھا۔ مگر وہ خاموش رہے، جواب نہیں دیا (شاید اس راز سے آگاہ نہ تھے)۔ ہم سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ایک شکاری نمودار ہوا اور ہمارے پاس آ کر کہنے لگا: میں آپؑ لوگوں کو پرندے کی اس حرکت کی بابت حیران و پریشان دیکھ رہا ہوں۔ پرندے نے جو چاروں جہات کی طرف چار قطرے پھینکے ہیں، اس عمل سے وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ آپؑ کے بعد ایک نبی مبعوث ہو گا جو ختمی مرتبت ہو گا۔ جس کی اُمت فاتح شرق و غرب ہو گی۔ اسے آسمانوں کی طرف معراج جسمانی نصیب ہو گی جب کہ وہ زمین میں دفن ہو گا۔ اس پرندے نے پانچواں قطرہ جو دریا میں ڈالا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل عالم کے علوم، محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مقابلے میں اس طرح ہیں جس طرح دریا کے مقابلے میں قطرہ ہوتا ہے جب کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین اور چچازاد بھائی (علی علیہ السلام) ان کے تمام علوم کو وراثت میں پائیں گے۔

پس ان اشارات و اَسرار کے متعلق ہماری گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی۔ جب کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے علم کی کمی کا اعتراف کر رہا تھا۔

اچانک وہ شکاری غائب ہو گیا۔ ہم یہ سمجھنے لگے کہ شاید کوئی فرشتہ تھا، جو ہماری کمزوری کی نشان دہی کے لیے نازل ہوا تھا۔ اس لیے کہ ہم دونوں اپنے اپنے مقام پر خود کو نکتہ کمال پر فائز خیال کرتے تھے (میں علم شریعت اور نبوت میں جب کہ حضرت خضر علیہ السلام اَسرارِ کائنات اور

قضا و قدر کے علوم میں)۔

## زخمِ غطرفت

اور وہ منقبت جو آلِ محمدؑ کے مقامِ رفیع کی نشان دہی کر رہی ہے' وہ یہ ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب کے ہم راہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک عجیب الخلقت اور غریب الخلقت شخص جو تاریکی شب کے مانند سیاہ تھا۔ طویل قد و قامت کا مالک' جس کے بال مضبوط رسیوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اُس کے کان بڑے تیز اور ناخن تو بڑی بڑی چھریوں کے مانند تھے اور ہر دانت اپنے مقام پر ایک بڑے وزنی سنگ کی مثل تھا۔ اس کے چہرے سے عبس ٹپک رہا تھا اور آنکھیں مشعل کی طرح روشن تھیں۔ جب وہ بولتا تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی شمشیر غلاف سے باہر نکل آئی ہو۔ اس نے سید المرسلینؐ کو بلند آواز سے مخاطب کیا اور عرض کیا: میں غطرفت کے نام سے مشہور ہوں۔ میں عفریتِ اعظم ہوں۔ میں جن و شیاطین کی سلطنت کا سلطان اور شہنشاہ تھا۔ مگر میں اسلام لے آیا ہوں اور ایمان قبول کر لیا ہے۔ اب میں آپؐ کے دین مبین پر یقین رکھتا ہوں اور اب تو آپؐ کے درِ اقدس پر حاضری کا شرف بھی نصیب ہو چکا ہے۔ آپؐ تو رحمۃ للعالمینؐ ہیں' میرے دردوں کو شفا عطا کریں' میری قوم عہد شکنی کر چکی ہے اور میرے فرمان کی مخالف ہو چکی ہے۔

خلاصہ اس بارے میں وہ کافی گلے شکوے بھی کر چکی ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کی قوم اسے سلطنت سے نکال چکی ہے۔ اب وہ سید المرسلینؐ کی پناہ گاہ میں شرف یابی کا منتظر ہے کہ آپؐ اسے اس کا کھویا ہوا مقام دلا سکیں۔

اسی دوران میں امیر المومنینؑ مسجد میں پہنچے۔ جب آپؑ کے چہرۂ اقدس پر غطرفت کی نگاہ پڑی تو اس پر رعشہ طاری ہو گیا۔ وحشت و اضطراب کے سبب اس پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔ وہ بغیر مڑ کر دیکھے سرپٹ بھاگنے لگا۔

اصحابِ غطرفت کے طرزِ عمل پر حیران ہوئے۔ رسولِ خداؐ نے بھی تبسم فرمایا' وہ بھی اس طرح کہ آپؐ کے دندانِ مبارک کی زیارت کی جا سکتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے عفریت'

رک جاؤ' ڈرومت میں تجھے تیرے رب کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ واپس آؤ اور تمھارے اور امیر المومنین علیہ السلام کے درمیان جو واقعہ پیش آیا ہے اسے بیان کرو۔ غطرفت رک گیا اور عرض کرنے لگا: ایک شب میں نوے ہزار شیاطین کے ہم راہ تھا کہ جن میں سے ہر شیطان جسامت کے لحاظ سے بہت بڑے پہاڑ کے مانند تھا' اوپر جانا شروع کر دیا۔ ہم اس مقام پر جا کر رک گئے' جہاں تک فرشتوں کی آوازیں بہ خوبی سنائی دیتی تھیں۔ ہم پہلے آسمان کے فرشتوں کی آوازیں بہ خوبی سن رہے تھے۔ ہم نے اچانک اس شخص (علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام) کو دیکھا کہ ہمارے قریب آیا۔ اس کے ہاتھ میں آتشیں (شہابی) نیزہ تھا۔ خوف سے ہماری جانیں نکل رہی تھیں۔ ہم نے بڑی تیز رفتاری سے راہِ فرار اختیار کی۔ میں نے ساری طاقت و توانائی صرف کر کے خود کو ایک دریا تک پہنچایا اور اس میں غوطہ لگایا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب میں اس شخص کے آسیب سے محفوظ ہوں تو میں نے پانی سے سر باہر نکالا۔ لیکن یہ نیزہ لیے میرے سر پر موجود تھے اور مجھ پر عقاب کے مانند جھپٹے اور اپنا آتشیں (شہابی) نیزہ میرے کاندھے پر مارا۔ میرے کاندھے میں آگ بھڑک اٹھی۔ اب بھی اس جگہ زخم موجود ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اپنا زخم دکھاؤ۔

و بدا البدا عن كاهله

و اذا كالخندق فى العضل

فعلى التكبير مع التهليل

لفضل على امير النحل

"جب اس نے اپنے کاندھے سے لباس ہٹایا تو سارے اصحاب نے امیر المومنین علیہ السلام کے لگائے ہوئے زخم کو دیکھا جو غطرفت کے کاندھے پر موجود تھا۔ یہ زخم گہری خندق کے مانند کندہ تھا۔ اس دوران میں اصحاب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سب فضائل علیؑ کے سبب خدا کی حمد و ثنا بجا لائے۔"

## سحر باطل

شیعہ سنی کتب میں مذکور روایات و اخبارات میں حد متواتر تک، اہل بیت علیہم السلام کے نورانی مقام کو یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ انھی آثار و اخبارات میں سے بعض کو صاحب کتاب ثاقب المناقب نے بھی ذکر کیا ہے۔

ان روایات کا ایک حصّہ وہ ہے، جو ربیع حاجب اور منصور دوانیقی عباسی کے پردہ دار سے نقل ہوئی ہیں، جن کا مضمون یہ ہے:

منصور دوانیقی نے ایک شخص کو بابل کی سرزمین پر بھیجا کہ وہاں سے ستر (۷۰) اشخاص لے کر آؤ۔ جب مذکورہ افراد کو منصور کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا: کیا تم حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانے کے ساحروں (جادوگروں) کی اولاد ہو؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں!

اس ملعون نے کہا: ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) تمھاری طرح جادوگر ہیں۔ اگر تم اپنے جادو کے ذریعے انھیں مبہوت اور مدہوش کر دو تو میں تمھیں بہت زیادہ تحائف اور ہدایہ سے نوازوں گا اور تمھیں میرا قرب بھی حاصل ہو جائے گا۔

جادوگروں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ۷۰ صورتیں (ماسک) تیار کیے، جن کے ساتھ حیوانی آوازیں بھی تھیں۔ انھوں نے اپنے چہروں پر وہ ماسک پہنے۔ اب منصور دوانیقی ملعون خود تخت پر بیٹھا اور تاج سر پر سجا لیا۔ اس نے اپنے حاجب اور پردہ دار کو حکم دیا: کسی کو بھیج کر امام صادق علیہ السلام کو بلا لائے۔ چوں کہ اس ملعون کا پروگرام تھا کہ جب امامؑ حاضر ہوں گے تو یہ جادوگر حیوانی شکلوں والے ماسک پہن کر امامؑ کی طرف بڑھیں گے تو امامؑ پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اس طرح حاضرین مجلس (جس میں بنی عباس کے روسا بھی شامل تھے) کے سامنے (نعوذ باللہ) امامؑ کی توہین ہو گی اور امامؑ خفت محسوس کرنے لگیں گے جس سے سب سمجھ جائیں گے کہ امامؑ اپنے دعوائے امامت میں سچے نہیں ہیں۔ بہر حال جب امامؑ منصور دوانیقی کی محفل میں داخل ہوئے تو آپؑ ان حیوانی شکلوں کو دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا:

يَا وَيْلَكُم أَمَا تَعرِفُونَنِي أَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ الَّذِي أَبطَلتُ سِحرَ آبائِكُم فِي أَيَّامِ مُوسَى ابنِ عِمرَان

"وائے ہو تم پر! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں حجتِ خدا ہوں اور وہی حجت ہوں، جس نے تمہارے آباؤ اجداد کے جادو کو موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کے دور میں باطل کیا تھا۔"

آپؑ نے فرمایا: اے صورتوں والو! تم نے جو جو شکلیں اختیار کر رکھی ہیں، اسی حیوان میں تبدیل ہو جاؤ۔ وہ سارے حیوان اور درندے بن گئے اور ایک ایک کر کے ایک دوسرے کو کھانے لگے۔

جب منصور دوانیقی نے اس صورتِ حال کا مشاہدہ کیا، بے ہوش ہو کر تخت سے نیچے گر گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو عرض کرنے لگا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ يَا أَبَا عَبدِاللّٰهِ ارحَمنِي وَ أَقِلنِي إِنِّي تُبتُ تَوبَةً لَا أَعودُ لِمِثلِهَا أَبَدًا

"اے حجتِ خدا! مجھ پر رحم کھائیے اور میری خطا معاف کر دیجیے۔ اس کے بعد میں ایسی ناحق شناسی اور خطا کی جرأت نہیں کروں گا۔"

امامؑ نے فرمایا: میں معاف کیے دیتا ہوں۔

اس ملعون نے عرض کیا: اے میرے آقا و سردار! ان درندوں کی بابت کوئی حکم کیجیے جو ایک دوسرے کو کھا چکے ہیں انھیں ان کی سابقہ حالتوں کی طرف پلٹا دیجیے۔ آپؑ نے فرمایا: "هَيهَات، هَيهَات" اگر عصائے موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ نگلا تھا، وہ واپس کیا ہوتا تو یہ بھی واپس ہوتے۔

مگر اس کے باوجود امامؑ نے حکم دیا اور یہ ستر جادوگر اپنی حالتوں پر اور انسانی جسموں میں لوٹ آئے، مگر سب کے سب جہنمی بن گئے۔

اگر آلِ محمدؐ کے حقیقی حب داران کے آثار و مقام کو جمع کرنا چاہیں تو اس میں ایک عظیم الشان کتاب سے بھی زیادہ مواد موجود ہے۔

## قدرتِ تصرف

بعض حضرات نے اس فصل میں ایسی روایات پیش کی ہیں، جن میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک رات میں چالیس افراد کی میزبانی کو قبول کرنا بھی شامل ہے۔ صبح ان میں سے ہر ایک شخص دعویٰ کر رہا تھا: امیرالمومنینؑ تو آج شب میرے ہاں مہمان تھے اور شب بھر یہیں رہے ہیں۔

اس داستان کے نقل کرنے والے علما و فضلا کی ایک کثیر تعداد ہے۔ ان میں ایک شخصیت سید حکمائے اسلام فخر مذہب و ملت سید میر داماد کی ہے، جنھوں نے اپنی کتاب ''جذوات'' میں بڑی صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بالخصوص ''برزخ میں اَجسام کا مقام'' کے عنوان سے اگر ہر صاحب ہوش و دانش امیرالمومنین علیہ السلام کی حدیث بساط میں غور و فکر کرے تو کئی مقامات پر وہ اہل بیتؑ کے نورانی مقامات سے آگاہی حاصل کر پائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اہل بیتؑ محمدؐ کی اَرواحِ مقدسہ اور نفوسِ طیبہ جو طاہر و مطہر ہیں اور اس مقامِ رفیع پر فائز ہیں وہ خدا کے اِذن سے اس عالم میں ہر قسم کے تصرف کا حق و اختیار رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ عالم اَرواح میں موجود اَرواح پر بھی تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ تصرف ان ذواتِ مقدسہ کی بدنی تخلیق اور دنیا کو اپنے وجود سے مشرف کرنے سے قبل بھی انھیں حاصل تھا اور بعد میں بھی اور ان کی شہادت کے بعد بھی یہ حق تصرف انھیں حاصل تھا۔

اس اجمال کی طرف بھی اشارہ کر کے وضاحت کی گئی ہے، چوں کہ ہماری اَرواح اور نفوس کامل اور قاہرہ و باہرہ نہیں ہیں۔ اسی لیے عالم برزخ میں ہر روح ایک مثالی جسم اور برزخی جسم سے مربوط ہوتی ہے اور عالم برزخ عالم خواب کی مثل ہوتا ہے۔ جس طرح عالم خواب میں ہماری روح کا تعلق ایک بدن سے ہوتا ہے۔ کھانے پینے کی لذت وغیرہ اس جسم تک پہنچتی ہے۔

جب کہ آلِ محمدؐ کی اَرواح و نفوس کامل مطہر وسیع نورانی اور قاہرہ و باہرہ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کا تعلق ہزاروں اَجسام اور مقامی اَبدان اور برزخی اَجسام سے ہوتا ہے۔

یہیں سے امیرالمومنین علیہ السلام کے چالیس گھروں میں مہمان بننے اور چالیس افراد کے

دعوؤں کا راز معلوم ہوتا ہے کہ ہر صحابی کہہ رہا تھا کہ آج رات امیر المومنینؑ میرے گھر مہمان تھے اور رات بھی ہمارے گھر بسر کی۔

یہیں سے ہمیں اصحاب کسا' پنج تن آل عبا' کا شمال جنوب کے بسنے والوں کے ہاں موجود ہونے کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہزاروں مرنے والوں کے پاس بھی موجود ہوتے ہیں اور ہزاروں مریضوں کو جو طاعون وغیرہ جیسی مہلک امراض کا شکار ہیں' شفا دی جاتی ہے۔

پس ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا ہو یا عالم برزخ اہل بیتؑ ایک جسم کے ساتھ یقیناً ایک سے زیادہ مقامات پر موجود نہیں ہو سکتے۔

حضور آئمہ اطہارؑ کے باب میں حد متواتر سے نقل ہونے والی روایات کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ثقۃ الاسلام کلینی نے کافی میں اور شیخ الطائفہ نے تہذیب میں آئمہ اطہارؑ کے حاضر و موجود ہونے کے متعلق علیحدہ علیحدہ باب ذکر کیے ہیں کہ اس مسئلے سے آگاہی حاصل کرنے والے حضرات کی علمی تشنگی دُور ہو سکے۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بحار میں اصحاب کساء اور پنج تن آل عبا' کے جسم مثالی کے ذریعے حضورؑ کے متعلق ایک علیحدہ باب ذکر کیا ہے اور باقاعدہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ ذوات مقدسہ کثیر التعداد ہیں۔ برزخی اور مثالی اَبدان کے مالک ہیں۔ یہ بات بالکل ہے' ایسے نورانی مقامات اور آثار و خواص سید الشہداءؑ کے خاندان کے چند افراد کے لیے بھی ثابت ہیں' جیسے حضرت عباس علمدار علیہ السلام' حضرت علی اکبر علیہ السلام' حضرت قاسم علیہ السلام' سیدہ زینبؑ بنت علیؑ، سیدہ اُمِ کلثومؑ' البتہ یہ بلند و ارفع مقامات ان ہستیوں کی شہادت یا وفات کے بعد انھیں عطا کیے گئے ہیں۔

## بہتر (۷۲) گھنٹے کا روزِ عاشورا

اتنے مطلب بیان کرنے کے بعد ایک انتہائی لطیف اور دقیق نکتے کا تذکرہ لازمی ہو گیا ہے تاکہ بطورِ مقدمہ ذکر ہونے والے تمام مطالب سے پردہ ہٹایا جا سکے۔ اس ترتیب کے ساتھ اگر کوئی سوال کرے کہ اگر ہم یہ بات قبول کر لیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے تیس ہزار افراد کو تہِ تیغ فرمایا اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام نے پچیس ہزار کو ہلاکت

سے دوچار کیا اور اسی ترتیب سے باقی خاندانِ بنی ہاشمؑ نے بھی شجاعت کے جوہر دکھائے تو اس سارے عمل کے لیے بہتر (۷۲) گھنٹے کا طویل دن ہونا چاہیے؟

اس لیے کہ اذہان میں یہ متبادر ہوتا ہے کہ امامؑ نے برزخی اور مثالی اَجسام کے ذریعے جنگ میں شرکت فرمائی' آپؑ کی جنگ دنیاوی بدن کے ذریعے نہ تھی۔

اس سوال اور شبہ کا جواب ہم اس طرح دیں گے: حضرت امام حسین علیہ السلام کی جنگ اور جہاد آپؑ کے اصلی و حقیقی اور دنیاوی جسم کے ذریعے ممکن ہوئی۔ یعنی اسی جسم کے ساتھ جس کے ساتھ آپؑ دنیا میں تشریف لائے۔ چوں کہ آپؑ کو جتنے بھی زخم لگے' نیزوں کے تھے یا تلواروں کے' پتھروں کے تھے یا تیروں کے' وہ اسی بدن پر لگے تھے اس کے علاوہ کسی بھی طرح کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ عقیدہ مذہب شیعہ وامامیہ کی ضروریات میں شمار ہوتا ہے۔

جب کہ خاندانِ بنی ہاشمؑ کے کسی بھی فرد کے متعلق نہ کسی نے دعویٰ کیا ہے' نہ کرے گا کہ (دنیاوی زندگی) میں کسی فرد نے برزخی اور مثالی جسم سے کبھی استفادہ کیا ہو۔ ہاں جو کچھ اس سے ماوراء ہے' اس پر عقیدہ رکھا جائے کہ روزِ عاشور بہتر (۷۲) گھنٹے کا ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اس نظریے کا قائل نہیں ہے تو یقیناً وہ سیدالشہداءؑ اور آپؑ کے خاندان کی شجاعت کا منکر ٹھہرے گا۔ ہم خدا سے ایسے عقائد کی بابت پناہ مانگتے ہیں۔

## گریہ کرنے والوں پر درود وسلام

گزشتہ مطالب ذکر کرنے کے بعد ہم ایک دوسرا مقدمہ ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تا کہ ہم آپؑ کی شہادت کے حالات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرسکیں اور ہر صاحبِ عقل وشعور اور اہلِ فکر وتدبر پر واضح ہو سکے کہ اخبارات وروایات میں تواتر کے ساتھ آپؑ کی قبرِ مطہر کے زائرین کے درجات اور بلند مراتب اور زیارت کی فضیلت کا تذکرہ' جو ایک حقیقت ہے نہ کہ مبالغہ آرائی' موجود ہے۔ چوں کہ زائرین اور گریہ کنندگان کا ثواب اور درجات حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے ہیں۔ ان روایات کا انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ شخص انکار کرسکتا ہے' جو باب زیارت وگریہ وبکا کا سرے سے منکر ہو۔

یہاں مفضل بن عمر کی روایت کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مفضل بن عمرؒ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! میں ان ملائکہؑ اور فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جو سید الشہداءؑ کی قبر اطہر کے زائرین کے گرد ہجوم کیے ہوئے ہیں اور انھیں گھیرنے میں لیے ہوئے ہیں۔

مفضل نے عرض کیا: کیا زائرین ملائکہؑ کو دیکھ رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! زائرین ان ملائکہؑ کو بنی آدم علیہ السلام کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہؑ اپنے ہاتھوں کو میرے اُوپر بطورِ تبرک پھیر رہے ہیں۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر صبح وشام زائرین سید الشہداءؑ کے لیے بہشتی غذا نازل فرماتا ہے اور ملائکہؑ کو زائرین کا خادم قرار دیتا ہے اور زائرین کی کوئی ایسی دینی و دنیاوی حاجت نہیں ہے' جو پوری نہ کی جاتی ہو۔

مفضل نے عرض کیا: خدا کی قسم! یہ بہت بڑی کرامت ہے' ہبہ ہے' تحفہ اور عطیہ ہے' جو زائر سید الشہداءؑ کو خدا کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے مفضل! تم چاہتے ہو کہ میں اس سے بلند مراتب اور مدارج کو بھی بیان کروں؟

مفضل نے عرض کیا: جی میرے آقا وسردارؑ۔

آپؑ نے فرمایا: میں اپنی چشم بصیرت و امامت سے دیکھ رہا ہوں کہ سید الشہداءؑ کی قبر اطہر پُرنور کا تخت لگا ہوا ہے اور آپؑ کے روزۂ اقدس کے گنبد پر سرخ یاقوت' مروارید اور جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اس تخت پر تشریف فرما ہیں' اس گنبد کے گرد نوے ہزار سبز رنگ کے قبے موجود ہیں کہ جب زائر آتے ہیں تو اس سرخ گنبد کی زیارت کرتے ہیں' اور ضریح حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرتے ہیں اور ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ پھر پروردگار انھیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اے میرے اولیاء اور دوستو! تم نے میرے راستے میں تکالیف برداشت کی ہیں۔ دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی طرف سے مظالم اور مصائب برداشت کیے ہیں۔ تم نے راہ زنوں اور چوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور کمالِ صبرو

ہمت کا مظاہرہ کیا ہے۔ جب کہ آج وہ دن ہے کہ جس دن تمھیں دین و دنیا کی کوئی حاجت درپیش نہیں رہے گی جو کچھ مانگو گے میں پوری کروں گا۔

اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: زائر حضرت امام حسین علیہ السلام کا کھانا اور پانی جنت سے آتا ہے' جب تک زائر کربلا (ہی) میں سکونت پذیر رہتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے گریہ کرنے والوں اور زائرین پر خصوصی عنایت فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: اگر تمھیں اپنے درجات کا پتا چل جائے تو تمھاری خوشی اور شادمانی تمھارے دکھوں اور مصائب سے کئی گناہ بڑھ جائے' تمھارے درجات ہم اہل بیتؑ کے درجات کے مانند ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے: جب امیر المومنین علیہ السلام' حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے تشریف لاتے ہیں تو سید الشہداءؑ اپنے بابا امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: اے بابا! میرے زائر کے لیے استغفار فرمائیں اور بارگاہِ خداوندی میں اس کے درجات اور بلند مقام کے لیے استدعا فرمائیں۔

مفضل بن عمر کی روایت کے بعد ایک نکتہ مشخص ہو جاتا ہے کہ وہ گنبد اور قبہ نور جو سرخ یاقوت اور جواہرات سے مزین ہے اور جس کے اطراف میں نوے (۹۰) ہزار سبز رنگ کے نورانی مراتب اور مدارج موجود ہیں اس کے سائے میں روزِ شہادت سید الشہداءؑ سے لے کر زائر کی حاجات مستجاب ہوتی ہیں۔

بل کہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؑ کی شہادت سے قبل بھی پروردگار کا یہی فیصلہ تھا' جواب تک برقرار ہے۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو محترم شیخ الاسلام میرزا حسن مرحوم قزوینی نے اس خادم علومِ اہل بیتؑ (علامہ دربندی) سے دریافت فرمایا تھا جو ذیل میں پیش ہے: سید الشہداءؑ کا گنبد اور قبہ تو نادر بادشاہ کے زمانے سے مشہور ہوا ہے تو پھر خدا اور آئمہ معصومینؑ کس طرح ارشاد فرما رہے ہیں: زائر کی حاجات "قبة الحسین" کے زیرِ سایہ مستجاب ہوتی ہیں؟ اس کو نادر بادشاہ کے زمانے سے مخصوص کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں؟

ان کے اس سوال کو ڈیڑھ سال گزرا تھا کہ میرے مطالعہ سے مفضل بن عمر کی روایت گزری۔ میں نے ان کے سامنے جواب پیش کر دیا' وہ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: الحمدللہ! میری مشکل حل ہو گئی۔

نتیجہ یہ ہے کہ مفضل کی حدیث کے ذریعے سیدالشہداءؑ کے زائر کے مراتب و مدارج کی بابت استفادہ ہوتا ہے۔ اب اگر اہل ایمان و یقین اور محبانِ آلِ رسولؐ کے لیے ان مطالب کو سادہ اور مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے تو پھر اس میں غور و فکر اور تامل و تدبر ایک لازمی اَمر ٹھہرے گا۔

چوں کہ پیغمبر گرامی قدر خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ عقل اوّل' نورِ انور' قلم اعلیٰ و اعظم' صفات پروردگار کے اَشرف و افضل شاہ کار ہیں۔ اسی گریہ زاری اور نالہ فریاد کے ذریعے ہی تو "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے مقام پر فائز ہوئے ہیں اور "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" کا نورانی تاج آپؐ کے سرِ اقدس کی زینت بنا۔ چناں چہ اپنے نواسے سیدالشہداءؑ کے غم اور مصیبت میں گریہ فرماتے رہے اور ثابت کیا کہ یہ افضل ترین عبادت ہے۔ اس کی فضیلت تمام عبادتوں اور جماعتوں پر مسلم ہے۔ آپؐ کا گریہ کرنا تبلیغ رسالت بھی ہے اور اس کے ذریعے وہ مخلوق کو پروردگار کی طرف دعوت بھی دے رہے تھے۔ آپؐ نے تمام تکالیف اور اذیتوں پر صبر کیا اور ارشاد فرمایا:

ما اوذی نبی قط مثل ما اذیت

"میری طرح کسی بھی نبی کو تکلیف اور دکھ نہیں پہنچایا گیا۔"

اگر ہم حجابات کو بالائے طاق رکھ کر دیکھیں تو کہنا پڑے گا کہ عظیم ترین' بزرگ ترین' افضل عبادات و اعمال محمدؐ و آلِ محمدؐ کی اطاعت ہے جس کے ذریعے عظیم ہبہ اور عطیہ کبریٰ کی منزل یعنی مقامِ محمود تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

مقامِ محمود کی مثال دنیا میں موجود مقامات سے نہیں دی جا سکتی۔ مقامِ محمود پر فائز ہونے کا سبب' محمدؐ و آلِ محمدؐ کا امامِ مظلومؑ کی شہادت اور مصائب پر محزون' غم' گریہ' نالہ اور رونا ہے۔

اس گریہ و بکا کے مقامات صبر و شکیبائی کے درجات سے کہیں بلند ہیں۔ چوں کہ ان مقامات کی رفعت پروردگار کی رضا اور اس کے قضا و قدر کے سامنے تسلیم ہونے کا نام ہے اور خداوندِ متعال ہی رونے والے کو یہ درجات عطا کرتے ہیں۔

اس قسم کے مطالب کو سمجھنا اور ان کی حقانیت کا ادراک کرنا عوام الناس کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ ان مطالب کی حقانیت، نورانیت اور ملوکیت کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ انھیں تو اتنا ہی معلوم ہے کہ جو علما اور فضلا ان کے سامنے بیان کرتے ہیں اور وہ مطالب حقیقت سے دُور اور جہل مرکب کی کھچڑی بنے ہوئے ہیں۔

خداوندِ متعال تو شاہد بھی ہے اور عالم بھی ہے کہ سید الشہداءؑ کی زیارت ان کے مصائب میں گریہ زاری کرنے کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہے جو بڑا واضح ہے اور ہم نے پیش کر دیا ہے اور ہم نے اپنے عقیدے کو محکم دلائل اور مستحکم اُصولوں کے ذریعے ثابت کیا ہے۔

اس مطلب (کہ سید المرسلین ﷺ، امیر المومنین علیہ السلام اور سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی سب سے افضل عبادت اور عمدہ ترین عمل سید الشہداءؑ کے مصائب پر گریہ کرنا ہے) پر پیش کی جانے والی اَدِلّہ نے خیال باطل اور اس سلسلے میں کھڑے ہونے والے جہل مرکب کے راستے پر قدغن لگا دی ہے۔

## افضل عبادات اور ایک داستان

ہم نے جو مطالب بیان کیے ہیں، اُن کے متعلق ایک بڑا عجیب و لطیف قصہ موجود ہے۔ یہ داستان سید عظیم الشان عالم ربانی و فقیہ سید جواد صمدانی صاحب کتاب ''مفتاح الکرامۃ در فقہ'' اور شیخ بزرگوار، نورانی و ملکوتی زاہد و متقی شیخ حسین کے درمیان واقع ہوا۔ ایک دن شیخ صاحب نے دیکھا کہ سید صمدانی صاحب دریائے فکر و تدبر میں غوطہ زن ہیں، انھوں نے سید موصوف سے اس کی علت دریافت کی۔ سید صاحب نے جواب دیا: اکثر علمائے کرام کو نفسانی وسوسے آ گھیرتے ہیں اور ان کی قلبی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔ میرا نفسانی وسوسہ سید الشہداءؑ کی زیارت اور ان پر گریہ و بکا کے باب میں ذکر ہونے والی روایات ہیں۔

پھر انھوں نے ان روایات کا نتیجہ بھی بیان کیا۔ تمام اعمال عبادات اور اطاعات کی نسبت ان دو (سید الشہداءؑ پر گریہ اور آپؑ کی زیارت) کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جس طرح قطرے کی نسبت دریا کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا ذرّے کی نسبت آفتاب سے ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض احادیث اور روایات کے مضمون سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بالفرض دنیا میں سینکڑوں برس یا ہزاروں برس زندگی بسر کرے اور وہ خدا کے خالص بندوں میں شمار ہوتا ہو اور وہ اپنی ساری عمر عبادات' اطاعات اور حسنات بجالانے میں گزار دے' وہ بھی ایسی عبادات و حسنات وہ جو بارگاہِ ربوبیت میں قبولیت کی سند پا سکیں تو اس طویل عمر کے دوران میں اگر اسے ایک مرتبہ زیارتِ امام حسینؑ نصیب ہو یا اسے ایک مرتبہ مظلومِ کربلاؑ پر گریہ کرنا نصیب ہو تو یہ دونوں عمل اس کی زندگی بھر کے اعمال' عبادات' حسنات و اطاعات کے مقابلے میں افضل و برتر ہیں۔

شیخ کہنے لگے: کیا آپ کو اس خصوصیت کے بارے میں شک ہے اور آپ اس پر عقیدہ نہیں رکھتے؟

سید جواد صمدانی نے جواب دیا: خدا سے پناہ طلب کرتے ہوئے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں ان پر عقائد نہ رکھوں؟ چوں کہ اس باب میں اخبار و روایات کی کثیر تعداد ہے جو تواتر کی حد عبور کر چکی ہیں بل کہ ناقابلِ شمار ہیں۔ البتہ اس مقام کے اَسرار و رموز اور فلسفہ سمجھنے میں تھوڑا سا متردد ہوں۔

شیخ کہتے ہیں: ٹھیک ہے بعض ابحاث مشکل اور مبہم ہیں کہ جب تک انھیں مثال دے کر ذکر نہ کیا جائے تب تک واضح نہیں ہوتیں۔ میں بھی ایک داستان بیان کیے دیتا ہوں شاید اس سے اَسرار و رُموز بیان ہو سکیں۔

قدیم زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کے جاہ و جلال اور عزت و حشم کے چرچے ہر سُو مشہور تھے۔ وسیع و عریض سرزمین پر اس کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ عیش و نوش کا رسیا اور شکار کا شوقین تھا۔ ایک دن وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ کئی دن اس نے دارالحکومت سے دُور مختلف مقامات پر بسر کیے اور کھلی آب و ہوا کے مزے لُوٹتا رہا۔ جب بھی وہ

کسی نئی جگہ پر پہنچتا تو حکم دیتا: خیمے نصب کر دیے جائیں' قناتیں وغیرہ لگا دی جائیں۔ وہ صبح سویرے اُٹھتا اپنے خاص دوستوں کو لے کر شکار کی غرض سے نکل جاتا۔ ایک دن وہ جوں ہی شکار کے لیے نکلا' تھوڑی دیر بعد اسے ایک ہرن نظر آیا۔ اس نے شکار کی غرض سے ہرن کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ ہرن تیر کی طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بادشاہ نے اس ہرن کی تلاش میں ایک ایک پہاڑ اور ایک ایک درّہ چھان مارا۔ بادشاہ کے اندر شکار کرنے اور ہرن کو پانے کا جنون بڑھتا چلا گیا' یہاں تک کہ بادشاہ سب کچھ فراموش کر بیٹھا۔ حتیٰ کہ وہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر بھی بے حال ہوا جا رہا تھا کہ اچانک اُمید کی کرن بھی ختم ہو گئی۔ ہرن جو کبھی کبھار دکھائی دیتا تھا' اب نظر آنا بند ہو گیا۔ بادشاہ سخت مایوسی کا شکار ہوا۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ سورج غروب ہونے کو ہے۔ جب اس نے اپنی اور گھوڑے کی حالت دیکھی تو اندازہ ہوا کہ دونوں ہی قریب الموت ہیں۔ اس کے غم واندوہ میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسے کہیں بھی آبادی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے بل کہ اسے تو چرند وپرند کی حیات کے اثرات بھی معدوم نظر آ رہے تھے۔ جب اسے اپنی موت کا قوی گمان ہونے لگا تو اس نے اپنے پروردگار کے حضور استغاثہ کیا اور رو رو کر اپنے ربّ سے مدد کی درخواست کرنے لگا۔

اچانک اسے بہت دُور ایک لکڑی کا بنا ہوا گھر نظر آیا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس گھر تک جا پہنچا۔ فوراً گھوڑے سے اُترا اور اس گھر کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس نے وہاں ایک صحرا نشین جوان اور بوڑھی عورت کو موجود پایا۔ جوان فوراً اُٹھا اور اس نے گھوڑے کو باندھا۔ اتنی دیر میں بادشاہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جب اُسے ہوش آیا تو وہ شدید نقاہت اور بھوک محسوس کر رہا تھا۔

اس جوان نے اپنی ماں سے کہا: اماں اس بکری کو ذبح کر کے پکاؤ تاکہ جَو کی روٹیاں اس میں بھگو کر اپنے مہمان کی خاطر داری کی جا سکے۔ چوں کہ لگتا ہے کہ مہمان بہت ہی بھوکا ہے۔

اس کی ماں نے جواب دیا: ہمارا مہمان یقیناً اس قسم کی غذا پسند نہیں کرے گا۔ مگر ہمارے پاس جو کچھ ہے' اسے پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس مالِ دنیا میں

سے صرف یہ ایک بکری ہی تو ہے۔ ہماری غذا اور معیشت کا دار و مدار اسی بکری کے دودھ پر ہے۔ مگر انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ مہمان نوازی پر صرف کر دیں۔

بادشاہ جو بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو چکا تھا' وہ لیٹے لیٹے بے ہوشی اور ہوش کی ملی جلی حالت میں ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سنتا رہا۔ انھوں نے بکری ذبح کی' اس کی کھال اُتاری' بڑھیا نے آدھی بکری پکائی اور آدھی بکری کو کلوں پر بھون دی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ نے دونوں قسم کی غذا سے تیسرا حصّہ کھایا اور لمبی تان کر شب بھر گہری نیند سوتا رہا۔ جب بادشاہ کے لشکریوں نے دیکھا کہ بادشاہ تو غائب ہو چکا ہے تو سب غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔ ساری رات' سوار اور پیدل بادشاہ کی تلاش میں لگے رہے۔ اگلے دن عصر کے وقت چند سوار اس مکان تک پہنچ گئے' جہاں بادشاہ سکونت اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہ بادشاہ کے حضور بادشاہی آداب و رسومات بجا لائے اور پروردگار کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا: اس بڑھیا اور جوان کو بڑے شائستہ انداز سے گھوڑوں پر سوار کیا جائے اور پھر ساتھ لایا جائے۔

جب سلطان اپنے محل استقرار میں پہنچا تو غلاموں اور کنیزوں نے خوب جشن کا اہتمام کیا۔ جب بادشاہ اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹا تو اس نے تختِ شاہی پر بیٹھنے کے بعد دو یا تین دن کے اندر اندر تمام اُمرا' سفرا' وزرا اور حکومتی ارکان کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ سب حسب دعوت دربار میں حاضر ہو گئے اور بادشاہ کے حضور تعظیم و آداب بجا لائے۔

بادشاہ نے وزرا اور حکومتی ارکان کو حکم دیا: بتاؤ اس بوڑھی خاتون اور اس کے بیٹے کے ساتھ کس قدر اچھا سلوک کیا جائے؟

بادشاہ کے خواص اور نزدیکی افراد نے زبانی تعریف اور ثنا کے ساتھ دعا دینا بھی شروع کی۔ سب نے بڑی ہمت اور جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اپنی طرف سے تحائف و انعامات وغیرہ کا اعلان کیا۔ بعض افراد جو بڑی مسندوں کے مالک تھے' نے بڑی ہمت سے تجویز دی: اس جوان کو فلاں حکومتی زمین کا وسیع و عریض قطعہ عطا کیا جائے اور وہ زمین نسل در نسل

اس کی اولاد کو وراثت کے طور پر ہبہ کر دی جائے۔

جب بادشاہ نے ان چند حکومتی افراد کی گفتگو سنی تو غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: اے نامردو! اے گھٹیا فطرت کے لوگو! تم نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے' تمھاری ان آرا و تجاویز نے مجھے سخت افسردہ کیا ہے۔ مجھے سخت غصہ آ رہا ہے۔ اگر میں اپنے تحت فرمان ساری زمین اور اپنا تخت و تاج ان کے قدموں میں رکھ دوں تو شاید میری ہمت و جواں مردی اس جوان کی ہمت و جواں مردی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چوں کہ ان کی ساری زندگی کی معیشت کا دار و مدار اس بکری پر تھا' جو انھوں نے میرے سامنے پیش کر دی۔ پس ان کی ہمت کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک صورت ہے کہ میں ساری حکومت اس کے حوالے کر دوں۔

اس بادشاہ کی ایک بلند ہمت بیٹی تھی' جو اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی اس جوان سے کر کے اسے اپنا داماد اور ولی عہد بنا لیا' تا کہ بادشاہ کی وفات کے بعد سلطنت اسے منتقل ہو جائے۔

جب شیخ حسین مرحوم نے یہ داستان سید جواد صمدانی کے سامنے پیش کی تو کہا: اے میرے سید و سردار! اگر اس قصے میں خوب غور و فکر کرو گے تو آپ کے ذہن میں موجود وسوسوں کی وجہ سے جو اِشکالات عود کر آئے تھے اور جن کے سبب قلبی خطرات نے آ گھیرا تھا' ان شاء اللہ سب برطرف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ان دونوں واقعات کی تطبیق شروع کرتے ہوئے فرمایا: سید الشہداءؑ نے اس طریقے سے اپنی جان' اپنی عترت' اپنے اہل و عیال' اصحاب و جاں نثار حتیٰ کہ شیر خوار صغیر (علی اصغر علیہ السلام) کو بھی راہِ خدا میں نثار کر دیا۔

آپؑ سے متعلقہ جتنی چیزیں (جن کا ذکر ہاشمیؑ جوانوں اور آپؑ کی شہادت میں آئے گا) تھیں جن میں آپؑ کے حرمؑ کی اسیری (جس کا تذکرہ تاریخ اور روایات میں موجود ہے) بھی شامل ہے۔ کیا اس طرح کی بندگی کو راہِ خدا میں ہونے والی خدمت تصور نہیں کیا جا سکتا ہے؟ کیا خلقتِ آدم علیہ السلام سے لے کر اختتامِ عالم تک جتنے بھی انبیاءؑ' اولیاؑ' شہداء اور صدیقین گزرے ہیں ان سب کے مصائب و آلام سید الشہداءؑ کے مصائب کے مقابلے میں بہتے دریا

کے مقابلے میں قطرہ کے مانند نہیں ہیں؟ یہ تو آفتاب کے مقابلے میں ذرہ ہیں؟ اگر ہم بادشاہ کی داستان اور سیدالشہداء کربلا کی داستان پر توجہ کریں تو ہمیں چند بہترین نتائج مل سکتے ہیں۔ اگر ایک شخص کو اس کے اعمال کی جزا دوسرے شخص سے زیادہ ملتی ہے (جب بادشاہ نے صحرانشین کو بہترین جزا دی ہے) تو پروردگار والی جزا ہے جو پورے عالم میں اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین ہے۔ جس کی طاقت و قدرت بے حساب ہے۔ سیدالشہداءؑ کے زوارٗ آپؑ کے مصائب میں گریہ کرنے والے کا مقام اور آپؑ کی شہادت کے واقعات کا تذکرہ کرنے والے کا مقام باقاعدہ روایات واخبارات میں مذکور ہے۔

کیوں کہ یہ سب کچھ درحقیقت سیدالشہداءؑ کی تعظیم وتکریم اور آداب وتسلیمات بجا لانے کے مترادف ہے۔

شیخ حسین مرحوم نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: اے میرے سید وسردار جناب سید جواد صدائی! کیا راہِ خدا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی سے بڑی بھی کوئی خدمت قابل تصور ہے؟

سید جواد نے کہا: ماشاء اللہ ماشاء اللہ واللہ! اس سے بڑی خدمت اور قربانی نا قابل تصور ہے۔

شیخ نے کہا: میری گزارش کا نتیجہ یہ ہے اگر خداوند کریم کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام کو درجۂ ربوبیت پر فائز کرنا محال ہے تو کم از کم جزا وسزا کے مقام پر فائز کرنا چنداں مشکل نہیں۔

یہ الفاظ سننے کے بعد سید جواد صدائی سجدۂ شکر بجا لائے۔ سجدے سے جب سر اُٹھایا تو کہا: اے شیخ! نہ آپ نے میرے وہم وگمان اور وسوسوں کو رفع فرمایا ہے بل کہ مجھے بہت سے اَسرار سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

## پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوے (۹۰) حجوں کا ثواب

ہم بطور مقدمہ ایک ایسا واقعہ پیش کر رہے ہیں جو مؤلف کتاب (خادم العلوم آقا دربندی) اور دولت عثمانیہ کے رجسٹرار کے درمیان پیش آیا۔ جو سردار اعظم عمر پاشا کے دور میں

وقوع پذیر ہوا۔

جب والی بغداد و عربستان عمر پاشا کے ظلم و ستم حد سے بڑھنے لگے اور شمار و اعداد کی حدوں سے تجاوز کرنے لگے تو اس کے عمال، کارندوں اور حکومتی ارکان کے ستم سے زائرین سیدالشہداءؑ (جن پر لاکھوں درود و سلام ہوں) بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ یعقوب آفندی اس وقت حاکم ہندیہ تھا۔ جو اندر سے بڑا مؤدب اور با اَخلاق شخص ہونے کے ساتھ ساتھ قلبی طور پر فرقہ حقہ امامیہ کا معتقد تھا۔

ایک دن اس کی کربلا آمد ہوئی۔ اس نے آ کر لوگوں کو مطلع کیا کہ عمر پاشا ان دِنوں ہندیہ میں سکونت پذیر ہے اور وہ فرات کو بند کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم لوگوں کے لیے باعثِ زحمت نہ ہو تو ہندیہ آ جاؤ۔ شاید تمھارا نالہ فریاد عمر پاشا کا دل موم کر سکے۔ اس طرح باقی مسلمانوں اور بالخصوص زائرین مظلومِ کربلاؑ پر متوقع مظالم کا سدباب کیا جا سکے اور وہ ظلم و بربریت سے ہاتھ کھینچ لے۔ میں اسے یہ کہہ کر آیا ہوں کہ میں جلد لوٹ رہا ہوں۔ مگر چند ایسے اُمور ہیں جن کی وجہ سے میں چند دن کی تاخیر سے ہندیہ پہنچ پاؤں گا۔

یعقوب آفندی کا کہنا ہے کہ میں جب ہندیہ پہنچا تو لوگ آ گئے' انھوں نے زحمت کی مگر عمر پاشا تین روز قبل ہی بغداد جا چکا تھا۔ بتایا گیا' اس کا قائم مقام اور نائب جو دفتر دار (رجسٹرار) ہے وہ آفندی ہے' جس کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے اور کل تشریف لائے گا۔

جب رجسٹرار اپنے دفتر آیا' معمول کے تعارفات اور آدابِ وتسلیمات کے بعد میں نے کہنا شروع کیا: میں جب کربلا سے آنا چاہتا تھا تو تمھارے لیے کوئی تحفہ یا ہدیہ لانا چاہتا تھا' جس کی قیمت بہت زیادہ ہو۔

رجسٹرار نے پوچھا: بتائیں کہ وہ تحفہ اور ہدیہ کیا ہے؟

میں نے جواب دیا: اَسرار فضائل و مناقب آلِؑ محمدؐ کے دریا کا ایک چھوٹا سا قطرہ' بالخصوص فضائل امیرالمومنین علیہ السلام کے دریا کا۔

میں نے کہا: اہلِ سنت کے نزدیک صحیح ترین کتاب قرآن کے بعد کون سی ہے؟

اس نے جواب دیا: صحیح بخاری' جو امام بخاری کی تالیف ہے۔

میں نے جواب دیا: بالکل صحیح۔ اس کے ساتھ میں نے امام بخاری کے حالات زندگی بیان کرنا شروع کر دیے کہ ان کا حسب نسب' تاریخ ولادت و وفات کیا ہے؟ انھوں نے کس طرح تعلیم حاصل کی اور کب وہ تحصیل علم سے فارغ ہوئے؟ دس (۱۰) برس کی عمر میں ان کی علمی استعداد و صلاحیت پر بحث کی اور اس کے بعد کے سفر کے حالات پیش کیے جو مکہ' مدینہ' حجاز' یمن' مغرب اور شام کے شہروں میں سفر کے دوران میں پیش آئے کہ کس طرح انھوں نے بڑے بڑے شیوخ اور محدثین سے ۷۰ ہزار احادیث جمع کیں اور اس سلسلے میں انھیں کتنی زحمات برداشت کرنا پڑیں۔ یہ احادیث کی وہ تعداد ہے' جو جامع صحیحہ میں باقاعدہ ذکر ہے۔ اس کے بعد بغداد اور دوسرے شہروں میں جو انھوں نے تدریس فرمائی ہے' کے حالات ذکر کیے۔ اس کے علاوہ بھی امام بخاری کے زندگی کے دوسرے گوشوں کے متعلق بحث پیش کی۔

رجسٹرار یہ حالات سن کر تعجب کا شکار ہوا اور تفکر و تامل میں غرق ہو گیا۔ میں نے اس کے بعد صحیح بخاری سے امیر المومنین علیہ السلام کی فضیلت میں چند احادیث بھی پیش کیں۔ اس سارے دورانیہ میں رجسٹرار بڑے ادب سے بیٹھا رہا اور وہ خود کو بہت ہی چھوٹا خیال کر رہا تھا۔

میں نے کہا: رجسٹرار صاحب! آپ نے فضائل امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق چند احادیث سماعت کی ہیں۔ اگر پسند کرو تو میں آپ کو ریحانہ رسولؐ کی قبر مطہر کے زوار کے متعلق چند احادیث سناؤں؟

رجسٹرار: بسم اللہ بیان کریں۔

میں نے کہا: یہ مطلب چند مقدمات کا مرہون منت ہے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جب روز خندق امیر المومنین علیہ السلام نے عمر بن عبدود کے مقابلے کے لیے قدم بڑھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بَرَزَ الْاِسلَامُ کُلُّه اِلَی الکُفرِ کُلِّهِ

''کل کا کل اسلام کل کے کل کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے۔''

جب امیر المومنین علیہ السلام نے عمر بن عبدود کو قتل کیا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ضَربَةُ عَلِيٍّ يَومَ الخَندَقِ أفضَلُ مِن عِبَادَةِ الثَّقَلَين

"بروز خندق حضرت علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔"

میں نے کہا: کیا اہل سنت میں سے کسی شخص کو اس روایت کے صحیح ہونے میں شک اور تردد ہے؟

کہنے لگا: نہیں جی! اس کلام کا زبانِ اقدس وحی سے صدور تعیّن اور قطع کی منزل پر ہے اور تمام علما اس پر متفق ہیں۔

میں نے کہا: کیا اس حدیث کے مضمون میں عمومیت پائی جاتی ہے؟

کہنے لگے: جی! اس میں عمومیت پائی جا رہی ہے یہ کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

میں نے کہا: اسی عمومیت کا تقاضا ہے عبادتِ ثقلین انبیاءؑ، مرسلین اور اوصیا کی عبادت کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح اس میں دوسروں کی عبادات شامل ہیں اس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات شامل نہیں ہے۔ اس پر عقلی، نقلی شواہد موجود ہیں۔ حدیث میں ہے: روزِ خندق، ضربت علی علیہ السلام کی فضیلت اور درجہ خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والا درجہ ہے اور خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شرعی امر ہوتا ہے۔ البتہ اہل سنت کے بعض علما نے حدیث کے مضمون میں تبدیلی کی ہے اور اس حدیث کو اپنی کتب میں اس طرح نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

ضَربَةُ عَلِيٍّ يَومَ الخَندَقِ أفضَلُ مِن عِبَادَةِ أُمَّتِي إلَى يَومِ القِيَامَةِ

"روزِ خندق، علی علیہ السلام کی ضربت، قیامت تک کی میری اُمت کی عبادت سے افضل ہوئی ہے۔"

اس تبدیلی اور تحریف کا مقصد یہ ہے، وہ اس بات کا اقرار اور تعیّن نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کی ایک ضربت تمام جن و انس کی عبادات سے افضل ہو۔ وہ بھی خلقت سے اختتام تک چاہے انبیاءؑ کی عبادات ہو یا اوصیاء کی یا ان کے علاوہ کسی کی۔

رجسٹرار نے کہا: یہ غلط ہے، صحیح حدیث وہی ہے جو سب سے پہلے ذکر کی گئی۔

"یعنی ایک ضربتِ علیؑ ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔"

دوسرا مقدمہ یہ ہے: پیغمبر اکرم ﷺ نے جب بھی جہاں بھی جو کچھ ارشاد فرمایا وہ مبنی برحقیقت ہے۔

میں نے رجسٹرار سے استفسار کیا: آفندی صاحب! کیا ذاتِ پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف کسی جھوٹ اور فریب کی نسبت دی جا سکتی ہے؟

کہنے لگا: قطعاً نہیں جو کچھ انھوں نے ارشاد فرمایا وہ صحیح ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ جو عظیم مقام پروردگار نے انھیں عطا فرمایا ہے یہ اس کا تقاضا ہے۔ چوں کہ ارشاد ہو رہا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۂ نجم آیات ۳،۴)

میں نے کہا: تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ کیا کوئی حجت پیغمبر اکرم ﷺ سے افضل و برتر ہوتی ہے؟ یا پھر امیر المومنین علیہ السلام کی ایک ضربت جو روزِ خندق لگائی گئی؟

رجسٹرار نے سکوت اختیار کر لیا۔

میں نے کہا: جناب یہ سکوت اختیار کرنے کا مقام نہیں ہے' پیغمبر اکرمؐ کی ایک دلیل یا حجت حضرت علی علیہ السلام کی ضربت سے افضل ہے۔ (جیسا کہ مقدمہ نمبر ا میں ہم بیان کر چکے ہیں)۔ میں نے سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ جب ان مقدمات سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ایک دن سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ' حضرت عائشہ کے گھر تشریف فرما تھے' سید الشہداءؑ کے بچپنے کا دور تھا' ابھی نیا نیا چلنا شروع کیا تھا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے آپؑ کو آغوش میں لیا اور اپنے سینے سے لگایا اور بوسے دینا شروع کر دیے۔ بی بی عائشہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر نثار ہوں' یا رسول اللہ ﷺ:

مَا اَعجَابُکَ بِھٰذَا الغُلَام

"کس وجہ سے آپؐ اس بچے کے ساتھ اتنی شفقت فرما رہے ہیں؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! تمھیں نہیں معلوم کہ یہ میرے دل کا ٹکڑا' جگر گوشہ اور میری خوش بو ہے؟

پھر آپؐ نے گریہ زاری شروع کر دی۔

بی بی عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ جب کہ ابھی آپؐ اپنے جگر گوشہ پارۂ دل اور ریحانۂ نبویؐ کے ہمراہ خوش وخرم تھے۔

آپؐ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا: مجھے اس مظلومؑ کی شہادت کا وقت یاد آ رہا ہے۔ میں جس جگہ بوسے دے رہا تھا' وہاں بنی اُمیہ کے ہاتھوں تلواروں' نیزوں اور تیروں کے زخم لگنے ہیں۔

بی بی عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا حسین علیہ السلام قتل کر دیے جائیں گے؟

ہاں اسے میری اُمت کا ایک گروہ بھوکا اور پیاسا قتل کر دے گا۔ ان لوگوں کو میری شفاعت ہرگز نصیب نہیں ہو گی اور فرمایا:

یَا عَائِشَةُ طُوبٰی لِمَنْ زَارَهُ بَعْدَ شَهَادَتِهٖ

"اے عائشہ! خوش خبری ہے' خوش خبری ہے اس زائر حسینؑ کے لیے جو ان کی شہادت کے بعد زیارت سے مشرف ہو گا۔"

بی بی عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! زیارت حسین علیہ السلام کا اجر وثواب کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: زائر حسین علیہ السلام کو میرے ایک حج کا ثواب دیا جائے گا۔

بی بی عائشہ نے یہ سن کر تعجب کا اظہار کیا۔ چوں کہ انھیں معلوم تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ایک حج کا کتنا اجر وثواب ہے۔ ابتدائے خلقت سے لے کر اختتامِ عالم تک تمام جن وانس کی اطاعت وعبادت سے افضل وبرتر اجر وثواب کا حامل ہے حج پیغمبرؐ۔

بی بی عائشہ نے مزید تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپؐ کے ایک حج کا ثواب زائر حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیا جائے گا؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں! میرے دو حجوں کا ثواب دیا جائے گا۔

بی بی عائشہ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! دو حجوں کا ثواب؟

آپؐ نے فرمایا: میرے چار حجوں کا ثواب دیا جائے گا۔

یوں ہی بی بی عائشہ تعجب کا اظہار کرتی رہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ دو برابر اجر بڑھاتے چلے گئے۔ جب پینتالیس حجوں کے ثواب تک بات پہنچی اور بی بی عائشہ نے تعجب کیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے نوے (۹۰) حجوں اور عمروں کا ثواب دیا جائے گا۔

تب بی عائشہ ساکت ہوگئی۔

جب سلسلۂ حدیث یہاں تک پہنچا تو رجسٹرار کہنے لگا: اب میرے ذہن میں ایک اِشکال آ گیا ہے' جس کا برطرف کرنا ضروری ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ مقدمہ دِدّم میں آپ نے خود ہی تو کہا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کبھی جھوٹ (نعوذ باللہ) نہیں بولتے ہیں اور کوئی بھی عالم اسے جائز نہیں سمجھتا جب کہ اس حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے ایک حج کا ثواب۔ پھر بی بی عائشہ کے تعجب اور استفسار کرنے پر فرمایا: دو حجوں کا ثواب ملے گا۔

اگر زائر حضرت امام حسین علیہ السلام ایک حج کے ثواب کا مستحق ہے تو پھر بی بی عائشہ کے انکار کی صورت میں دو حجوں کے ثواب کا مستحق نہیں ٹھہرے گا؟

اسی طرح آپؐ کے کلامِ مبارک کے اختتام پر نوے (۹۰) حج کے ثواب کا تذکرہ ہے جس سے کئی شبہات جنم لیتے ہیں کہ کس طرح ایسے ممکن ہے؟

میں نے اسے مخاطب کر کے کہا: اے آفندی صاحب! اچھے طریقے سے غور وفکر کرو' خدا کی قدرت کا تصور کرو۔ تمھارے شبہ کا جواب مل جائے گا۔ اس حدیث میں رسولِ خدا ﷺ نے زائر حضرت امام حسین علیہ السلام کے مختلف درجات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپؐ کی مراد یہ ہے کہ تمام زائرین حضرت امام حسین علیہ السلام درجات کے لحاظ سے برابر نہیں ہیں۔ اس اِختلاف کا سبب زائرین کی زیارت سے مستفید ہونے اور عقائد کے لحاظ سے وابستگی کا بھی گہرا تعلق ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ زیارت کے سلسلے میں اس زائر نے کتنی مشکلات اور زحمات برداشت کی ہیں۔ وہ زائر نزدیک سے آیا ہے یا دُور سے حاضر ہوا ہے' پھر اس کی معرفت کس درجے پر فائز ہے' پھر خلوص کی کمی وزیادتی بھی اپنا ایک اثر رکھتی ہے۔

پس وہ زائر جو مشکلات اور سختیاں جھیل کر زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ مگر اس میں

خلوص اور معرفت کی کمی ہے تو پھر ایک حج کا ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص زحمت و مشکلات کے ساتھ ساتھ معرفت اور خلوص کے بھی بلند درجے پر فائز ہو کر زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام کرتا ہے تو اسے نوے (۹۰) حج کا ثواب ملے گا اور اسی طرح دوسرے تمام مراتب میں (یعنی دو سے پینتالیس حج کے ثواب) کے درمیان کے درجات ان افراد کے لیے ہیں جو ان دو مذکورہ حدود کے درمیان رہ کر زیارت سے مشرف ہو گا۔ اب جس کے جتنے مرتبے بڑھتے چلے جائیں گے اسی تناسب سے اس کے ثواب میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

یعنی دوسرے درجے والے کو دو حجوں کا تیسرے درجے والے کو آٹھ حجوں کا بقیہ اسی ترتیب سے۔

جب رجسٹرار نے یہ گفتگو سنی تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: خداوند متعال تمھیں خوش رکھے اور خیر عطا کرے۔

میں نے کہا: رجسٹرار صاحب! اب آپ کو ان تمام مقدمات کا نتیجہ معلوم ہوا ہے' اب ایک عادل اور منصف مزاج شخص کا فیصلہ کیا ہو گا؟

رجسٹرار صاحب نے کہا: حضرت علی علیہ السلام کی روزِ خندق والی ضربت ثقلین کی عبادات سے افضل تھی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ایک حج روزِ خندق والی ضربت سے بھی افضل و برتر ہے جب کہ قبر حسین علیہ السلام کے زائر کا کم سے کم ثواب اور درجہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ایک حج کا ثواب ہے (گویا آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ زائر امامؑ کی زیارت بھی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے اور تمام علما کے اجماع و اتفاق کو دیکھا جائے تو پھر زیارت سید الشہداءؑ کے درجات تک تو ضربِ امیر المومنین علیہ السلام بھی نہ پہنچ سکی قطعاً و یقیناً۔

اگر اب تک ہونے والی گفتگو میں ذرا غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ زیارتِ قبر سید الشہداء علیہ السلام' ضربتِ امیر المومنین علیہ السلام سے درجات کے لحاظ سے برتر واقع ہوتی ہے۔ اب اگر کسی بامروّت اور منصف مزاج شخص سے انصاف کا سوال کیا جائے اور خوب تامل و تفکر سے کام لیا جائے تو ایک بڑا ہی حسین اور لطیف مطلب سامنے آئے گا۔

جب بحث یہاں تک پہنچی تو رجسٹرار نے گریہ کرنا شروع کر دیا اور پھر لحہ بہ لحہ اس کے گریے میں شدت آتی چلی گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ سر پر رکھے پھر میرے ہاتھوں پر بوسے دینا شروع کر دیے۔ انھیں اپنی آنکھوں سے لگایا اور گریہ و بکا کا سلسلہ جاری رہا۔

میں نے جب رجسٹرار کی یہ حالت دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ ایک عقل مند اور منصف مزاج شخص ہے۔ میں نے فرصت کے لحات کو غنیمت جانا اور سلسلۂ گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! حساب ہوگا' خدا کی قسم! مواخذہ ہوگا' خدا کی قسم! مکافاتِ عمل کو دیکھا جائے گا۔

میں نے دیکھا اس کے رُخساروں کا رنگ متغیر ہوا' وہ شدید اِضطراب کا شکار ہوا اور کہنے لگا: کیوں؟ کیوں؟ میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کون سی غلطی کی ہے؟

میں نے کہا: تم نے صدقِ دل سے زائر سید الشہداء علیہ السلام کے مقامات اور مراتب کا اعتراف کیا ہے۔ یہی زوار جب تمھاری خاک (مٹی) پر پلٹتا ہے تو اس بے چارے کو ان گنت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے کئی قسم کے ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات تو ان کے سروں پر رہ زن اور ڈاکو منڈلاتے رہتے ہیں۔ بعض زائرین قتل بھی ہو جاتے' کئی زخمی ہوتے ہیں' بعض کو اپنے مال و اسباب سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اگر وہ اپنے حالات اور مشکلات کا تذکرہ اعلیٰ حکام سے کریں تو پھر انھیں تند و تیز غصّے اور فحش و بدزبانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے مذہب کی توہین کی جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ان کا لوٹا ہوا مال و اسباب لوٹایا جائے یا تسلی کے چند الفاظ کہے جائیں۔ اس کے برعکس جب بغداد آتے ہیں تو انھیں دارالامارہ تک میں نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ اگر نچلے طبقے کو اپنے حالات بیان بھی کریں تو ان کی شنوائی اربابِ اختیار تک نہیں ہو پاتی۔ جب یہ ساری گزارشات رجسٹرار نے سنیں تو بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا: ان شاء اللہ! اب ایسا کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔ ہم اس طرح کی قانون سازی کریں گے جس سے زائرین سید الشہداء علیہ السلام کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔

اے اہلِ ایمان بھائیو! اے آل اللہ اور اہلِ بیتؑ کے حب دارو! جب اس منصب پر بیٹھے رجسٹرار نے بغیر تعصب کے حقائق دلائل کے ساتھ سنے تو اُنھیں انصاف بھی فراہم کیا' اس

کے اندر محبت اہل بیتؑ پیدا ہو گئی۔ اس نے شدید گریہ کیا۔ البتہ جب بعض نادان ایرانی اس حدیث یا اس کی مثل کوئی حدیث سنتے ہیں تو کئی بہانے اس کے انکار کے لیے پیش کرتے ہیں:

وَاَشکُو اَبثِی وَ حُزنِی اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِالعباد

"میں حالات کی بدی اور شدتِ حزن کے سبب بارگاہِ خدا میں شکایت کروں گا چوں کہ خداوندِ متعال لوگوں کے حالات سے آگاہ ہے۔"

ان دو مقدمات کو ذکر کرتے ہوئے ہم سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت اور اس ذکر سے تھوڑے دُور ہو گئے تھے۔ مگر اس کی دو وجوہات میرے پیش نظر تھیں۔ ایک مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان و معرفت مکمل شناخت حاصل کر سکیں۔ چوں کہ یہ مقدمات انتہائی مفید تھے چوں کہ جلد اوّل میں زیارتِ امامؑ اور آپؑ کی مجلس اور اس میں ہونے والے گریہ زاری کے متعلق تحریر نہیں کر سکا ہوں۔ دوسری وجہ تھی کہ واللہ واللہ! میری اپنی یہ حالت ہو گئی تھی کہ میرے اندر کیفیتِ شہادتِ امامؑ لکھنے کی طاقت و قدرت معدوم ہوتی نظر آ رہی تھی:

آہ! آہ! آہ! یَا اَبَا عَبدِاللّٰہِ الحُسَینؑ

...... ✹ ......

## حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے کفار کی تعداد

تاریخ کی کتب میں علمائے روات نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں یا اس کے علاوہ کتب مقاتل اور مرثیہ نگاری (نظم ہو یا نثر) میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے کفار کی تعداد متفاوت لکھی ہے۔ البتہ شیعہ سنی جس بات پر متفق ہیں اور اس سے کم تعداد کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا ہے وہ اتفاقی تعداد اٹھارہ سو پچاس (۱۸۵۰) ہے' البتہ زخمی ہونے والے ان کے علاوہ ہیں۔ البتہ بعض اشعار اور ستون میں "بالوف" لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہ ہزاروں کی تعداد کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی تائید سید الشہداء علیہ السلام کی زیارات کے بعض جملوں سے بھی ہوتی ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام نے لشکر کی اکثریت کو تہ تیغ فرما دیا تھا۔

بعض کتب میں منقول ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے دو حملوں میں دس (۱۰) ہزار کفار کو قتل فرمایا۔ بعض نے تو یہ تعداد ایک حملے کی تحریر کی ہے۔ بعض نے تحریر کیا ہے: سید الشہداءؑ نے پچاس ہزار افراد کو واصل جہنم کیا اور بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ پچاس ہزار صرف ایک حملے میں واصل جہنم ہوئے۔

بعض معتبر حضرات نے اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے جیسے محدث کامل و حاذق عصر جناب ابن عصفور بحرانی نے یزیدی لشکر کی تعداد پانچ سو ہزار یعنی پانچ لاکھ لکھی ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے چار لاکھ ساٹھ ہزار تحریر کی ہے جس میں سے تین لاکھ تین ہزار حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے ہیں اور پچیس ہزار افراد حضرت عباس علیہ السلام کے ہاتھوں جب کہ دوسرے ہاشمیؑ جوانوں کے ہاتھوں بھی پچیس ہزار کفار قتل ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے تین لاکھ اسی ہزار افراد قتل ہوئے اور اسی ہزار افراد زندہ بچ گئے۔

شیخ عبدالحسین اعثم نجفی جو فقیہ بزرگوار مرحوم شیخ جعفر نجفی اور سید جلیل القدر مرحوم سید جواد عاملی کے شاگرد تھے نے ایک قصیدہ نقل فرمایا ہے۔ جس میں عمر بن سعد کے لشکر کی تعداد

پانچ لاکھ تحریر کی گئی ہے اور امامؑ نے تین لاکھ افراد کو تہ تیغ فرمایا۔ البتہ شیخ موصوف نے اصحابِ حسینؑ اور بنی ہاشمؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ذکر نہیں کی ہے۔

بعض مؤلفین اور اہل علم نے کتاب مدینۃ الحکم سے جو محدث بزرگ سید نعمت اللہ جزائری کی تالیف اور علمی آثار میں سے ہے۔ سلسلۂ حدیث وسند کو عبداللہ اسدی تک پہنچایا ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ابن سعد (لعنة الله) نے شہداء کے مقدس سروں اور اہل حرمؑ کے اسیروں کو لے کر کوفہ پلٹ جانے کا ارادہ کیا تو اس وقت ابن زیاد ملعون کا حکم پہنچا: اپنے مقتولین کو دفن کر دو جب کہ آلِ محمدؐ کے شہداء کو بغیر دفن کے رہنے دو اور کوفے لوٹ آؤ۔

ابن سعد ملعون نے اسے جواب دیا: چوں کہ لشکر کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار ہے لہٰذا ان کو دفن کرنا ممکن نہیں ہے۔

ابن زیاد نے خط لکھا: لشکر کے سرداروں کو دفن کر دو، باقی سپاہیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے مٹی ڈال دو۔ اس کے بعد سروں اور اہل بیتؑ کے اسیروں کو لے کر کوفے پہنچ جاؤ۔

اس روایت کے مضمون سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا کہ دستِ امامؑ سے جہنم رسید ہونے والوں کی تعداد کیا ہے اور باقی اصحاب وبنی ہاشمؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد کتنی ہے۔

البتہ اس نسخے میں جو شیخ شہاب الدین عاملی کی طرف منسوب ہے، اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

امامؑ نے سب سے زیادہ افراد کو تہ تیغ فرمایا تبھی تو آپؑ کے جسم اطہر پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی (۸۰) کے نزدیک زخم آئے۔ بہر حال اڑتالیس سو (۴۸۰۰) پیادہ افراد کو جہنم رسید کیا اور اسی نسخے میں طویل بحث کے بعد عندیہ دیا گیا ہے کہ امامؑ نے چند حملوں میں چوبیس ہزار افراد کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد امامؑ زخمی ہو گئے۔ البتہ چند حملوں میں بیس ہزار سوار فوجی قتل کرنے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس حملے کے بعد سید الشہداءؑ خیمے کے نزدیک آئے۔ ابھی خیمہ گاہ تک نہ پہنچے تھے کہ ایک فرشتے نے آ کر سلام کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

آپؑ نے فرشتے کو اس کے سلام کا جواب دیا۔ فرشتے نے عرض کیا: میں تمام آسمانوں سے گزرا ہوں، تمام آسمانوں میں تغیّر و انقلاب دیکھ کر آ رہا ہوں۔ سب کے سب آپؑ کے مصائب پر گریاں کناں ہیں۔ مجھے خدا نے آپؑ کے حکم کی اطاعت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اگر آپؑ چاہتے ہیں کہ فرشتے نزول کریں اور دنیا ان سے بھر جائے اور چشم زدن میں ہر چیز کو نیست و نابود کر دیں تو تمام فرشتے آپؑ کے حکم کے منتظر ہیں اور اگر آپؑ اپنے ناناؐ، باباؑ، بھائیؑ اور مادرِ گرامیؑ سے ملاقات چاہتے ہیں تو وہ آج ان شاء اللہ ہو جائے گی۔

امامؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں ان سے ملاقات چاہتا ہوں۔

اگرچہ لشکر کی تعداد اور لشکر کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد، امامؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف موجود ہے۔ لیکن دقیق اور لطیف نکتہ وہی ہے جس کی طرف بعض حضرات نے اشارہ فرمایا ہے۔

**عمودِ نور**

عالم ربانی جناب فاضل صمدانی کتاب مجلی اعنی ابن ابی جمہور لحسائی میں رقم طراز ہیں کہ روایت نقل کی گئی ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشور بعض افراد کو قتل کیا اور بعض افراد کو قتل کر سکتے تھے مگر دانستہ قتل نہ کیا۔ ان میں سے بعض امامؑ کے نزدیک تھے اور بعض دُور، اس کی عِلّت کیا ہے؟

امامؑ نے جواب دیا: جن لوگوں کو قتل نہیں کیا گیا ان کے اندر اہل ایمان کا نطفہ موجود تھا۔ انھیں اس لیے چھوڑ دیا گیا تاکہ ان سے صالح مومنین دنیا میں تشریف لا سکیں۔ جنھیں قتل کیا گیا ان میں اہل ایمان کا وجود معدوم تھا۔

یہاں بہتر تو یہ ہے کہ ہم صاحب کتاب "مجلی" اور ان کے ہم خیال بعض قابل اعتماد دوستوں کے اقوال نقل کریں جو امامؑ سے منقول روایت کے متعلق ہیں۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک کافر کو دیکھا جس نے میرے

باباؑ کے پہلو میں اپنا نیزہ مارا۔ مگر آپؑ نے اسے قتل نہ فرمایا۔ جب امامت مجھ تک منتقل ہوئی تو مجھ پر کشف ہوا کہ اس کافر کی صلب سے ایک محبِ اہل بیتؑ پیدا ہونا تھا۔

اس قسم کی تمام روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں (بحرین کے بعض علما و فضلا نے کتاب ''منہاج السالکین'' میں اس مضمون سے ملتی جلتی روایت ذکر کی ہے) کہ سیدالشہداء علیہ السلام نے روزِ عاشور نور کے واسطہ عمودی کے ذریعے جو امامؑ کے پاس موجود تھا' دشمنوں کے اصلاب پر نگاہ ڈالی۔ جس جس کی صلب میں کسی مومن کے وجود کا نطفہ تھا اسے قتل نہیں فرمایا۔ اسی لیے ایک خاطر خواہ تعداد ایسے کفار کی بن گئی جن پر امامؑ نے اس فلسفہ و راز کی بنیاد پر تیغ نہیں چلائی اور ان کفار نے مل کر امامؑ کو شہید کر دیا۔ اگر یہ راز دخیل نہ ہوتا تو بعید نہیں کہ امامؑ تمام لشکر کو تہ تیغ کر دیتے اور ان بدبختوں میں سے کوئی زندہ نہ بچتا۔ یہ راز بھی قرآن مجید میں موجود قول پروردگار کی تاویل ہے' جس میں ارشاد ہو رہا ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورۂ فتح' آیت ۲۵)

''اگر وہ (ایمان دار کفار سے) الگ ہو جاتے تو ان میں سے جو لوگ کافر تھے ہم انھیں دردناک عذاب کی ضرور سزا دیتے۔''

بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام حملہ کرنے کے بعد خیمہ گاہ میں تشریف لائے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے عرض کیا: اے بابا جانؑ! اے فرزندِ رسولؐ! میں نے متعدد بار دیکھا ہے آپؑ ایک دشمن کو قتل کرتے ہیں اور دس کو چھوڑ دیتے ہیں' اس میں کیا راز پنہاں ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اس کا راز غروبِ آفتاب کے نزدیک تم پر آشکار ہو جائے گا۔ سیدالشہداء علیہ السلام کے اس فرمان کا اصل راز غروبِ آفتاب کے وقت امام زین العابدین علیہ السلام پر آشکارا ہوا کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے پاس نور کا عمود تھا جو امامت و خلافت کی میراث میں سے ہے۔ یہ نور کا عمود جب امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس منتقل ہوا۔

یہ ایک ایسی چیز ہے' جو ایک امامؑ کے بعد دوسرے امامؑ تک منتقل ہوتی ہے۔ ایک امامؑ کا جانشین اس عمودِ نور کے ذریعے جو کچھ دیکھنا چاہے' دیکھ سکتا ہے۔ تبھی امام سجاد علیہ السلام نے اُس راز کو جب جاننا چاہا تو سب کچھ آپؑ پر عیاں ہو گیا۔

اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے' سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جب ایک امامؑ کی روح مطہر عالم قدس (عالم برزخ) میں منتقل ہوتی ہے تو پہلے والے امامؑ کے تمام علوم بعد والے امامؑ تک منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایک نکتہ انتہائی قابل دقت ہے کہ وہ مومنین کرام جن کے دلوں میں محبتِ اہل بیتؑ موجود ہے وہ قلوب اَنوارِ ملکوتی اور معارفِ حقانیہ سے منور ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے امامؑ کی جس قدر شجاعت بیان کی جائے وہ اس پر یقین رکھتے ہیں۔ چناں چہ چودہ معصومینؑ ہر جہت اور ہر لحاظ سے تمام انبیاءؑ' اوصیاء' اولیا' ملائکہؑ اور عرش و کرسی پر فضیلت و برتری رکھتے ہیں۔

سادہ الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں: اگر عدلِ ملکوتی کے ترازو کے ایک پلڑے میں چہاردہ معصومینؑ میں سے ایک معصومؑ کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اسے رکھا جائے تو معصومؑ والا پلڑا بھاری نظر آئے گا۔ جب کہ دوسری طرف سے مومنین جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جس قدرت اور شجاعت کے مالک تھے اور اس کی طرف ہم پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں (جیسا کہ روایات بھی نقل کی ہیں جن سے بالکل واضح ہو جاتا ہے)۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جتنے افراد کو واصل جہنم کیا ہے' درحقیقت ان کی تعداد اُس تعداد سے کہیں زیادہ ہے جو روایات میں مذکور ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مختلف اقوال سننے کی صورت میں کسی کا بھی انکار نہ کیجیے گا اور اسے بعید از قیاس تصور نہ کیجیے گا۔ بل کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے افراد کو واصل جہنم کرنے یعنی تین لاکھ' چار لاکھ یا پانچ لاکھ کی تعداد کو واصل جہنم کرنے کی قدرت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہے' اور شجاعت سید الشہداءؑ بھی اسی کا تقاضا کر رہی ہے۔ اس لیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں

شجاعتِ محمدیہؐ اور شجاعتِ علویہؑ کے دونوں دریاؤں کا اجتماع ہوتا ہے۔ آپؑ کی ذات تمام انبیاءؑ، اوصیا اور صدیقین کی شجاعت کی مظہر ہے بل کہ تمام شجاعانِ جہاں کی شجاعت کی مظہر ہے اور آپؑ تمام طاقت وروں سے زیادہ طاقت وقدرت رکھتے ہیں۔

اگر کوئی سوال کرے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شجاعت و بہادری کا اس لیے انکار کر دے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تو بعد از ظہر میدانِ جنگ میں تشریف لائے، اتنے محدود وقت میں تین لاکھ یا چار لاکھ یا پچاس ہزار بل کہ دس ہزار افراد کو تہ تیغ کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ چوں کہ چند گھنٹوں میں اتنا کشت وخون بہرحال کس طرح ممکن ہے؟ اور پھر انکار کی وجہ کو مزید تقویت تب ملتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ کے بعض اصحاب اور جاں نثاروں نے بعد از ظہر بھی میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ اس میں اگر وہ وقت بھی جمع کیا جائے جس میں آپؑ نے قومِ کفار پر حجت تمام کی اور انھیں وعظ ونصیحت فرماتے رہے یا جتنا وقت رجز واشعار پڑھنے پر صرف ہوا اور دورانِ جنگ میں آپؑ نے کئی مرتبہ اہلِ حرمؑ سے بھی وداع فرمایا۔

یہ ساری باتیں مدنظر رکھ کر بعد از ظہر میدان کا رُخ فرمایا تو اتنے قلیل وقت میں تین لاکھ سے پانچ لاکھ افراد کا قتل ایک معمہ سے کم نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر روزِ عاشور بھی عام دِنوں کے مانند ہے تو پھر مذکورہ اِشکال اور معمہ اپنے مقام پر باقی رہے گا اور اِشکال کرنے والے کی بات درست تسلیم کرنا پڑے گی بل کہ اگر ہم مروج الذہب کے مصنف جناب مسعودی کے قول کو بھی لے لیں جس نے شیعہ سنی تمام علما میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والوں کی تعداد سب سے کم لکھی ہے۔ پھر بھی یہ اِشکال اپنے مقام پر باقی رہے گا۔

مسعودی نے اپنی مذکورہ کتاب میں سید الشہداء علیہ السلام، آپؑ کے اصحاب، جاں نثاروں اور بنی ہاشمؑ کے ہاتھوں ہلاک شدگان کی کل تعداد آٹھ ہزار تحریر کی ہے۔ چوں کہ ایک ایسا دن جس کی ظرفیت بارہ گھنٹوں یا اس سے کم وبیش پر مشتمل ہے، میں اتنا کچھ ہی ممکن نظر آتا ہے اور اگر

ہم اس نظریہ کو لے لیں۔

جنگ کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک کر کے مقابلہ ہوتا رہا ہے اور آپؑ نے کئی مرتبہ وداع بھی فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ نصیحتوں اور ارشادات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ساتھ ساتھ رجز اور اشعار بھی پڑھے جاتے رہے۔ پھر امامؑ کی زین ذوالجناح سے زمین کربلا پر نزول کی کیفیت کو بھی مدنظر رکھا جائے جس میں آپؑ پر تین تین گھنٹے بالکل سکوت اور خاموشی کا دورانیہ بھی شامل کیا جائے یا ایک مرتبہ سکوت و خاموشی کے صرف تین گھنٹے شامل کیے جائیں تو جواب دیتے وقت کوئی راہ نہیں بچتی۔ مگر یہ کہ ہم قائل ہو جائیں کہ روز عاشور عام ایام کے مانند نہیں تھا بل کہ روز عاشور تو بہتر (۷۲) گھنٹوں پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی ہم اس جانب اشارہ کر چکے ہیں۔ اس نظریے کو قبول کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کفار کی ایک کثیر تعداد کو تہ تیغ فرمایا جن کی تعداد تین لاکھ یا ایک لاکھ یا کم از کم پچاس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ لیکن اس کے لیے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ روز عاشور بہتر (۷۲) گھنٹوں پر مشتمل تھا' اس دعوے پر بہترین دلیل پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' امیر المومنین علیہ السلام' حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا قول ہے' جس میں سب نے ارشاد فرمایا:

لَا يَوْمَ كَيَوْمِكَ يَا اَبَا عَبْدِاللهِ

"اے ابا عبداللہ! روز عاشور آج کے دن کی طرح نہ ہوگا۔"

علوم و معارف کے علما کے نزدیک اس مطلب کا اثبات بڑا شفاف اور واضح ہے۔ اُوپر والی روایات سے بہتر (۷۲) گھنٹے کا عاشور بڑی آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص دوبارہ سوال کرے اور کہے کہ اس نظریے کو پیش کرنے سے مشکل پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے۔ چوں کہ عوام الناس اور بعض مکاتب فکر کے مختلف عہدوں پر فائز افراد کے ذہن میں یہ بات نہیں بیٹھ رہی بل کہ وہ اسے بعید شمار کرتے ہیں۔

تو ہم اس کا جواب دیں گے: آہ! آہ! اور ہزاروں آہیں عوام الناس کی خصلتوں اور

عادات پر اور ان علما و فضلا پر جو جہالت میں عوام الناس کے برابر کے شریک ہیں۔

وَاَشکُو اَبثّی وَ حُزنِی اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِالعباد

''میں اپنی حالت کی خرابی اور اپنے حزن و ملال کی شکایت اپنے ربّ سے کروں گا۔ بے شک میرا ربّ اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ ہے۔''

علمائے کرام کی اکثریت علومِ ربانی اور عقائد حقہ سے تہی دامن ہوتی ہے۔ ان کے پاس فقہٗ اُصول کا علم ہوتا ہے' وہ بھی تقلیدانہ انداز میں ایک خام مال کی صورت میں۔ اگر ان علمائے کرام کے سامنے ہزاروں فحش کتابیں رکھ دی جائیں تو وہ ذرا بھی محسوس نہیں کریں گے۔ لیکن جب ان کے سامنے عقائد حقہ کا ایک لفظ بھی بیان کیا جائے تو وہ فوراً بھڑک اُٹھتے ہیں۔ یہ اپنی عمر کے پچاس یا ساٹھ سال گزار چکے ہوں گے مگر انھوں نے اُصولِ کافی کے ایک باب حجت وعلوم آئمہؑ پر ایک مرتبہ بھی نگاہ نہیں ڈالی ہو گی' ہزاروں آہ وفریاد ان علما پر۔

اب اگر کوئی دوسرا سوال پیش کریں اور کہیں کہ آئمۂ اطہارؑ نے بتکرار ارشاد فرمایا ہے: لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔ یعنی جتنی ان کی فہم اور سمجھ میں گنجایش بنتی ہے' اس کی مناسبت سے ہماری احادیث ان کے سامنے بیان کرو اور جس چیز کو تحمل کرنے کا ان کے اندر حوصلہ نہیں ہے' وہ ان کے سامنے بیان نہ کرو۔ جُہلا کو ہمارے اور اپنے درمیان جھگڑنے اور تنازع اختیار کرنے کا موقع نہ دو' اس لیے کہ ان بے چاروں کی عاقبت خراب ہو جائے گی۔ اگر وہ ہمارا انکار کر دیں گے تو یہ چیز کفر و نفاق کا موجب بن جائے گی۔ پس اس قسم کی کوئی چیز لوگوں کے سامنے پیش نہ کرو' جس کا وہ انکار کر دیں؟ کیا حجج طاہرین علیہم السلام نے بتکرار ارشاد نہیں فرمایا: ہم اہل بیتؑ کی رحمت و عصمت سے جس طرح دشمنوں اور منافقوں کو اذیت ہوتی ہے اسی طرح ہمارے دوست اور شیعہ علما کے سامنے بھی جب ہمارے اَسرار افشا کیے جائیں اور کوئی ایسی چیز بیان کی جائے جسے لوگوں کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوں تو وہ بھی اذیت کا سبب بنتی ہے؟

اس کا جواب دینے کے لیے چند مطالب ضروری ہیں:

**مطلب اوّل:**

یہ مطالب ان اُسرار کے مانند نہیں ہیں، جن تک علما کی رسائی ممنوع قرار دی گئی ہو اور وہ ان اُسرار کو عوام الناس کے سامنے بیان نہ کر سکتے ہوں۔

**مطلب دُوُم:**

اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اُسرار و ظرائف ہیں اور مصائب آلِ محمدؑ کو ذکر کیا جائے مگر سیدالشہداءؑ، شہدائے بنی ہاشمؑ اور آپؑ کے انصاروں کو دادِ شجاعت نہ دی جائے تو واللہ باللہ! خداوندِ کریم، پیغمبرِ اکرم ﷺ اور اہل بیتؑ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

چوں کہ حقیقت کو گھٹانا اللہ تعالیٰ کی عزت و توقیر میں کمی لانے اور اولیا کے حق کو چھپانے کے مترادف ہے۔ اس طرح کرنا گویا بنی اُمیہ کی فتح پر دستخط کرنے کے برابر ہوگا۔ کیا شیعیانِ حیدرِ کرارؑ اور محبانِ اہل بیتؑ قبول کر لیں گے کہ سیدالشہداءؑ، حضرت عباس علیہ السلام، حضرت علی اکبر علیہ السلام اور دوسرے جوانانِ بنی ہاشمؑ کی شجاعت پر پردہ پڑا ہے (جب کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ کرۂ ارض پر اپنی نظیر نہ رکھتے تھے)۔

غیرت مند اور صاحبِ عزت افراد ان کی سنت پر عمل پیرا نہ ہو سکیں گے۔

**مطلبِ سوم:**

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ روزِ عاشور طولانی نہیں تھا تو پھر اس سوال کرنے والے زیرک انسان کے جواب میں ہم کیا کہیں گے؟ ہم کس طرح دس یا بارہ گھنٹوں کے اندر امامؑ اور ان کے پاکیزہ خاندان، اصحاب اور جاں نثاروں کی شجاعت بھرے واقعات کو اور اس عظیم نقشہ کو درست کر سکیں گے۔

باعثِ تعجب اتنی ساری بات ہے کہ بعض نادان لوگ سوال کرتے ہیں: کیا روزِ عاشور کا طولانی ہونا، فقط زمین کربلا کے ساتھ مخصوص تھا یا سارے جہاں میں اس دن روزِ عاشور طولانی

تھا؟ اگر سارے جہاں کے لیے یہ دن طویل اور بہتر (۷۲) گھنٹوں پر محیط ہوتا تو مغرب، چین، ہندوستان اور ایران کے لوگ اس عجیب وغریب دن کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور تحریر کرتے۔ چوں کہ انگریزوں اور اہل مغرب کی عادت ہے کہ وہ عجیب وغریب حادثات و واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے رہتے ہیں۔ ان کے ادوار میں جو کچھ بھی انجام پاتا اسے ضرور تحریر کرتے تھے۔

دوسرا سورج کا زمین پر بہتر (۷۲) گھنٹے مسلسل کھڑے رہنا، ریاضی کے قوانین کے خلاف ہے۔

ہم اس کا جواب دیں گے: اے نادان اور احمق لوگو! تم حقیقت کے منکر اور خدا کی لامتناہی قدرت تامہ کے انکاری ہو، اگر ہم روزِ عاشور کے طولانی ہونے کو کربلا کے ساتھ مخصوص قرار دیں تو یہ کوئی عجیب وغریب بات ہرگز نہیں ہے۔ چوں کہ یہ ممکن ہے اور اگر ہم قائل ہو جائیں کہ یہ بہتر (۷۲) گھنٹے کا دن سارے عالم میں تھا تو پھر بھی یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اہل مغرب، انگریز، چین، روس، یورپ وغیرہ وغیرہ کا تحریر نہ کرنا اس واقعہ کے عدم وقوع پر دلیل ہرگز نہیں ہے۔ اس قسم کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں جیسے شق القمر کا معجزہ کہ قرآن اور تمام مسلمان اس کے معتقد ہیں (بل کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ایک ہے)۔ جب کہ مشرکین، کفار اور دوسرے ادیان کے کسی پیرو عیسائیوں وغیرہ نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ بل کہ وہ تو ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں: اگر یہ واقعہ رونما ہوتا تو کتبِ تاریخ میں یقیناً ضبط ہوتا۔ ہم مزید وضاحت کے لیے کہہ سکتے ہیں:

اوّل:

عیسائیوں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ معجزہ شق القمر کا تذکرہ کتبِ تاریخ میں موجود نہیں ہے، کس طرح معلوم ہوگا کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ ہو سکتا ہے شروع شروع میں اسے ذکر کیا گیا ہو اور تمام طوائف اس سے مطلع بھی ہوں۔ مگر جب عیسائی راہبوں اور یہودی علما اور مجوسیوں نے یہ سمجھا ہو کہ یہ تو پیغمبر ختمی مرتبت ﷺ کا معجزہ ہے تو پھر اسے کتبِ تاریخ سے محو اور پنہاں کر دیا

گیا ہو۔

دوم:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متواتر اور کثیر معجزات تھے۔ مگر یہودی اور مجوسی ان کا مسلسل انکار کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزاروں معجزات مسلمانوں نے ذکر کیے ہیں۔ جب کہ تمام عیسائی' یہودی اور مجوسی ان کا انکار کرتے رہے ہیں اور ان کا تذکرہ بھی انھوں نے اپنی کتب تاریخ میں نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کام دشمنی' عناد اور دنیا کی ریاست طلبی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سوم:

حیف ہے ان مسلمانوں کی عقلوں پر جو کہتے ہیں یہ تو ریاضی کے قواعد وقوانین کی خلاف ورزی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ علم ریاضی بھی فلسفہ کے مانند دوسرے یونانی علوم میں سے ہے۔ اس کا تعلق فلاسفہ یونان سے ہے۔ ان کی کتب سے مامون کے زمانے میں ترجمہ ہو کر نقل ہوئے ہیں۔

ان میں سے جو چیزیں انبیاءؑ کی شریعت سے موافقت رکھتی ہیں' وہ انبیاءؑ سے ماخوذ ہیں اور جو چیزیں شریعت کے قواعد اور قوانین کے مخالف ہیں وہ خود فلاسفہ کے فاسد اور باطل افکار ہیں' جیسے قاعدۂ قدم عالم اور جسمانی حشر کا انکار۔

کون مسلمان اس کا قائل ہے؟ چوں کہ اگر ہم ریاضی اور فلسفہ کے قواعد کو مبنی قرار دیں تو پھر اس کا لازمہ ہوگا کہ ہمیں شق القمر' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی اور سورج پلٹانے والے امیر المومنین علیہ السلام کے معجزے کا انکار کرنا پڑے گا۔ جب کہ پہلے دونوں معجزے تو بڑے اہم اور ضروریات دین میں سے ہیں اور تیسرا معجزہ بھی ضروریات دین کے نزدیک تر ہے۔

اس کے علاوہ ہم نے دنیا میں واقع ہونے والے ہزاروں واقعات کے متعلق سن رکھا ہے' ان کا اتا پتا معلوم نہیں ہے اور بہت سارے ایسے واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں' جنھیں

عام مسلمانوں نے ذکر کیا ہے۔ مگر ان کا ہزارواں حصّہ اس وقت کی جدید کتب میں موجود نہیں ہے' ان کے کوئی اثرات بھی موجود نہیں ہیں۔ پس جو شخص بھی شیخ طوسی رضی اللہ عنہ کی رجال یا نجاشی کی "رجال" یا جناب کشی رضی اللہ عنہ کی "رجال" کی فہرست پر نظر دوڑائے گا اور اس قسم کے عقائد پر نظر کرے گا اور اس کا تعلق حدیث فہم طبقے سے ہوا تو وہ ہماری بیان شدہ حقیقت کو ضرور تسلیم کرے گا کہ ہزارواں حصّہ بھی ہمارے زمانے میں موجود نہیں ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کا سورج پلٹانے کا واقعہ (جس کے متعلق ہم نے عرض کیا کہ یہ ضروریات دین کے نزدیک ہے)۔ میں نے خود بھی اس کتاب کی تحریر کے دوران میں اور اس سے قبل کتاب "أسرار الشہادۃ" کی تحریر سے پہلے دو مرتبہ سے زیادہ نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے متعلق سنا ہے۔

یہ سید الشہداء علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے جب کہ منکرین اس کا شدت سے انکار کر رہے ہیں۔ روز عاشور کا طولانی ہونا سید الشہداء علیہ السلام اور سورج کا غروب کے بعد دوبارہ پلٹایا جانا امیر المومنین علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے۔

## معجزۂ ردالشمس کے اسناد

ہم نے ردالشمس کے موارد کے متعلق جتنی بھی تحقیق کی ہے' اس واقعہ کا تذکرہ صرف دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ مگر ہم سید الشہداء علیہ السلام کے معجزے کی برکات سے سمجھتے ہیں کہ بعض اہل سنت کے فضلا نے بھی معجزہ ردالشمس کا تذکرہ کیا ہے۔ سولہ مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام کے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جیسے محدث شیخ حر عاملی نے "مناقب شہر آشوب" سے ابوبکر بن مردویہ نے کتاب "مناقب" میں ردشمس کے واقعے کی روایت کی ہے۔ اسی طرح ابواسحق ثعلبی نے اپنی کتاب تفسیر میں ابوعبداللہ بن مندہ نے کتاب معرفت' ابوعبداللہ نطیری نے کتاب خصائص میں' خطیب نے اربعین میں' فرزند احمد جرجانی نے تاریخ جرجان میں ذکر کیا ہے۔

ابوبکر وزاق نے اپنی کتاب میں اپنی سند کے طرق سے ردشمس کی روایت کی ہے۔

عبداللہ اجعل، ابوالقاسم حسکانی، ابوالحسن شاذان نے تو اس موضوع پر باقاعدہ کتب تحریر کی ہیں۔ اس کے علاوہ ابوبکر شیرازی نے معتبر سند سے یہ واقعہ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے۔

ردِ شمس کا واقعہ امیرالمومنین علیہ السلام مختلف مقامات میں نقل ہوا ہے۔ روزِ بساط، روزِ خندق، روزِ خیبر، روزِ نہروان، روزِ عاضریہ، روزِ بیعتِ رضوان، روزِ صفین، نجف میں، بنی مازن میں، وادیِ عقیق میں، جنگِ اُحد کے بعد۔

اسی طرح شیخ کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے اُصولِ کافی میں روایت کی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کے لیے ردِ شمس کا واقعہ مدینہ منورہ میں مسجد فضیخ میں رونما ہوا۔ جب کہ علما کے نزدیک مشہور رہا ہے کہ ردِ شمس کا واقعہ دو مرتبہ ہوا۔ ایک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اور دوسری مرتبہ آپؑ کی وفات کے بعد بابل کی سرزمین پر، جب آپ غزوۂ نہروان سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ تمام اسناد اور کتب جو ردِ شمس سے متعلق ہیں، وہ ہیں۔ فنونِ حدیث امام علامہ احمد بن محمد بن طحاوی وازدی مصری نے مشکلاتِ حدیث میں یہ روایت کئی طریق سے اسما بنتِ عمیسؓ سے روایت کی ہے کہ اسماؓ کہتی ہیں: وحی رسولؐ خدا پر نازل ہوئی۔ جیسا کہ نقل کیا گیا ہے آپؐ کا سرِ اقدس حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں تھا جب وحی الٰہی نازل ہو رہی تھی جس کے سبب حضرت علی علیہ السلام کی نمازِ عصر رہ گئی اور اس دوران میں سورج غروب ہو گیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آغوشِ علی علیہ السلام سے سر اُٹھایا تو ساتھ ہی ارشاد فرمایا: اے علی علیہ السلام! تم نے نمازِ عصر نہیں پڑھی؟

آپؑ نے عرض کیا: جی نہیں پڑھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: علی علیہ السلام نے تیری اطاعت اور تیرے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قضا کی ہے، لہٰذا سورج کو دوبارہ پلٹا دے، علی علیہ السلام کے لیے۔

اسماؓ کہتی ہے: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع کر آیا، پہاڑوں کے درمیان یہ قضیہ وقوع پذیر ہوا۔

اس کے بعد ابن طحاوی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی عادل اور

مورد وثوق ہیں۔

پھر کہتے ہیں: حکایت کی گئی ہے علامہ فنون واحادیث احمد بن صالح مصری اس کو ہمیشہ نقل کرتے تھے' لہٰذا اہل علم کے لیے شائستہ یہی ہے کہ وہ اس حدیث کی حفاظت کریں چوں کہ اسمؑ کی حدیث تو دلائل نبوت میں سے ہے۔

اس حدیث کو طحاوی نے علمائے حنفیہ اور قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ سبتی یحصبی سے صحیح قرار دی اور ذکر کی ہے۔ شیخ سعید الدین محمد بن مسعود کازرونی جو علمائے شافیہ میں سے تھے' نے کتاب منتقی میں اور ابن جوزی نے حق اور صدق سے چشم پوشی کی ہے اور اس حدیث کو ضعیف طبقہ احادیث میں قرار دیا ہے۔ یہ ان کا اشتباہ اور غلطی ہے۔ جُہلا اور نادانوں کا طبقہ ہی پروردگار کی قدرتِ تامہ کا منکر ہے اور فضائل اہل بیتؑ کا انکار کرتا ہے۔ میں تو ہزاروں' لاکھوں بار کہتا ہوں: اندھے ہو جائیں وہ دل' ان میں بیماری اور زخم لگیں جو ان فضائل کا انکار کرتے ہیں۔

میں پھر کہہ رہا ہوں: میرا گمان یقین کے قریب ہے کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہیں اور روزِ عاشور بہتر (۷۲) گھنٹوں پر محیط تھا۔

## واعظ کی حکایت

علامہ یوسف بن قزعلی نوہ ابن جوزی کہتے ہیں: اس باب میں عجیب وغریب حکایت موجود ہے۔ عراق کے بزرگوں اور اساتذہ نے خبر دی ہے کہ سب نے مشاہدہ کیا کہ محدث کامل واعظ شہیر جناب مظفر بن اردشیر عبادی نے حدیث ردالشمس کو مکمل بیان کے ساتھ حسین اور پُرشکوہ الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا اور اس کے بعد اس نے اہل بیتِ اطہارؑ کے فضائل پڑھنا شروع کر دیے۔ اس لمحے ایک بہت بڑے بادل کے ٹکڑے نے سورج کو ڈھانپ لیا' (گویا یہ حقیقی غروب نہ تھا) ہر سُو تاریکی چھا گئی۔ تمام اہل مجلس خیال کرنے لگے کہ شاید خورشید غروب ہو گیا ہے۔ وہ واعظ شہیر دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور آفتاب کی طرف اشارہ کر کے یہ اشعار پڑھے:

لا تغربی یا شمس حتی ینتهی

مدحی لآل المصطفٰی و لنجله

"اے سورج! غروب نہ ہونا' جب تک میں آل مصطفیٰ کی مدحت مکمل نہ کرلوں۔"

و اثنی عنانك ان اردت ثنائهم

انسیت اذ کان الوقوف لاجله

"اگر تم ان کی ثنا چاہتے ہو تو اپنی عنان بدل لو۔ تم وہ وقت بھول گئے جب علی علیہ السلام کے لیے غروب کے بعد پلٹے تھے۔"

ان کان للمولی وقوفك فلیکن

هذا الوقوف لخیله و لرجله

"اگر اس دن تم روزِ صہبا اور روزِ خیبر' امیر المومنین علیہ السلام کے لیے پلٹے تھے۔ آج حضرت علیؑ کے سوار اور پیادوں (یعنی ان کے محبوں کے لیے چاہے وہ محبت ومودّت میں کامل ہوں یا نہ ہوں) کے لیے پھر سے لوٹ آؤ۔"

علامہ یوسف نوادہ بن جوزی اپنے اسانید سے نقل کرتے ہیں:

قالوا فانجاب السحاب من الشمس و طلعت

"کہتے ہیں کہ جب واعظ نے یہ تین اشعار پڑھے اور آفتاب کی طرف اشارہ کیا تو بادل کا وہ بڑا سا ٹکڑا سورج کے آگے سے ہٹ گیا اور سورج نظر آنے لگا۔"

انصاف کیجیے اور حق وانصاف سے اس داستان میں خوب غور وفکر کیجیے۔ پوتا ابن جوزی کا تعلق اہل سنت سے ہے۔ وہ اپنے دادا کی ردِ شمس کے سلسلے میں تکذیب نہیں کر رہا ہے۔ اس کے کلام کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ردِ شمس کا واقعہ ضروریاتِ دین میں سے ہونا چاہیے۔ تبھی تو اس نے اس

واقعہ کو اہل سنت کی تمام محافل و مجالس میں تذکرہ فرمایا ہے۔ اہل سنت کے کسی بھی عالم نے اس کا انکار نہیں کیا' بل کہ وہ فخر کرتے اور اس ذکر کا استماع کرتے۔

میرا تو دل جل جاتا ہے احمقوں اور اس دور کے جاہلوں کے سبب (چاہے وہ عوام سے ہوں یا خواص سے) جو اہل بیت کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں بل کہ خود کو دوازدہ امامی شیعہ کہتے ہیں۔ مگر جب سنتے ہیں کہ روزِ عاشور بہتر (۷۲) گھنٹوں کو محیط تھا (وہ بھی تمام دلائل اور شواہد کو پانے کے بعد چوں کہ بعض زیارات کے جملوں سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں ہلاک شدگان کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی)۔ وہ اس قدر جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں' لگتا ہے انگاروں پر کوئی دُنبہ بھونا جا رہا ہو اور وہ لوگ ایسی باتیں کرنے والے کو قتل کر دیں گے۔

......*......

# فصل سوم

# سید الشہداء علیہ السلام کی میدان میں آمد اور آپؑ کا مبارزہ و مقابلہ کرنا

# جاں سوز الوداع

جب مظلوم کربلا علیہ السلام نے اولاد عبدالمطلب علیہ السلام یعنی ہاشمیؑ جوانوں اور اپنے انصار کے پاکیزہ جسموں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھے تو تشنہ ارضِ نینوا نے ایک سرد آہ کھینچی۔ آپؑ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف تشریف لے آئے اور حزن و ملال بھرے لہجے میں فرمایا:

یَا زَیْنَبُ یَا اُمَّ کُلْثُوْمَ یَا رُقَیَّۃَ وَیَا سَکِیْنَۃَ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ

بی بی سکینہؑ نے ایک فریاد کی: اے بابا جانؑ! کیا آپؑ مرنے اور شہید ہونے کے لیے تیار ہو گئے ہیں؟

امامؑ نے جواب دیا: جس کے تمام یار و انصار قتل کر دیے جائیں، کوئی مددگار و ناصر باقی نہ بچے وہ کس طرح زندہ رہ سکتا ہے؟

بی بی سکینہؑ نے عرض کیا: بابا! ہمیں نانا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں واپس پہنچا دو۔

آپؑ نے فرمایا: "ھَیْھَاتَ، ھَیْھَاتَ"۔ اگر شکاری اپنے شکار کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو یقیناً وہ مرغ آرام و استراحت کرنا پسند کریں گے۔

سید الشہداء علیہ السلام کا یہ بین سن کر سب اہل حرمؑ رونے لگے۔ آپؑ نے انھیں تسلیاں دے کر خاموش کرایا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبا طلب فرمائی اور اپنے نانا کی زرہ فاضل (یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ کا نام تھا) زیب تن فرمائی۔ کمر پر تلوار باندھی اور گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپؑ مکمل طور پر لوہے کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔

آپؑ نے اہل حرمؑ کو تسلی دی، مگر حضرت سکینہؑ کے بین جاری رہے۔ امامؑ نے اپنی قمیص کی آستین سے اپنے سینے کے تعویذ سے آنکھوں سے آنسو صاف کیے۔ پھر تین اشعار بھی پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"میرے قتل کے بعد تیرا رونا بہت بڑھ جائے گا۔ میری لختِ جگر اب اپنے

گریہ اور آنسوؤں سے میرا جگر مت جلاؤ۔"

پھر اپنی بہن ؑ سے ارشاد فرمایا: اے میری بہن ؑ! مجھے اتنا بوسیدہ اور کہنہ لباس دو کہ کسی لالچی کی نگاہِ طمع اس پر نہ پڑے تاکہ میرے قتل کے بعد کوئی ملعون میرا لباس نہ لوٹ سکے۔

حضرت زینب کبریٰ ؑ نے ایک شلوار (تبان) جو تنگ قسم کی ہوتی ہے' پیش کی۔ آپ ؑ نے فرمایا: یہ ذلیل لوگوں کا لباس ہے اور اسے زیب تن نہ فرمایا۔ بی بی ؑ نے ذرا کھلا لباس پیش کیا تو اسے زیب تن فرمایا۔ اہل حرم ؑ کا گریہ بلند ہوتا جا رہا تھا' آپ ؑ نے قمیص منگوا کر پہنی۔ مگر اس میں جگہ جگہ سوراخ کر دیے تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ ٹھہرے ورنہ شہادت کے بعد وہ اسے لوٹ لیں گے۔ اسی وقت حضرت زینبِ کبریٰ ؑ نے عمر بن سعد (حرام زادے) کو مخاطب کر کے فرمایا: تم نے اپنی ساری فوج اُسے قتل کرنے کے لیے جمع کر رکھی ہے' جو یادگارِ نبوت اور عترت و رسالت کی نشانی ہے جو جوانانِ جنت کا سردار ہے؟

مزید فرمایا: اے اہل کوفہ! تمھارے لیے دنیا و آخرت کی ذلت و رُسوائی ہے۔ تم نے ہمیں کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ تم نے بیعت توڑی ہے اور عہد و پیمان کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔ تم طاغوت اور گم راہوں کے پیرو بن گئے ہو۔ تم نے قرآن کو ایک طرف رکھ کر اس پر عمل نہیں کیا۔ اب ہاتھ میں تلواریں لیے (بظاہر اہل اسلام بنے نظر آ رہے ہو اور) ہمیں قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"۔

اس کے بعد سید الشہداء علیہ السلام نے رجز پڑھا' جس میں اہل بیت ؑ کے فضائل و مناقب اور دشمنانِ اہل بیت ؑ کے کفر و الحاد کا تذکرہ تھا۔ آپ ؑ برہنہ شمشیر لے کر عازمِ شہادت ہوئے اور دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہو کر یہ رجز پڑھا:

انا بن علی الطھر من آلِ ھاشم

کفانی بھذا مفخرا حین افخر

"میں ہر رجس سے پاک علی علیہ السلام کا لختِ جگر ہوں' جس کا تعلق خاندانِ ہاشم ؑ سے ہے۔ یہی افتخار میرے لیے کافی ہے۔ میں جب چاہوں اس پر

فخر کر سکتا ہوں۔"

ایک دوسرے بیت میں فرمایا:

فطوبی لمن زارنا بعد موتنا

بجنة عدن صفوها لا یکدر

"جو میری شہادت کے بعد میری زیارت کرے گا اسے جنت کی بشارت نصیب ہو۔ جنت ابدی و سرمدی ہے۔ اس کی نعمتیں بھی جاوداں ہوتی ہیں۔"

بعض روایات میں اس طرح ذکر ہوا ہے کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ اصحاب و انصار اور تمام بنی ہاشمؑ جام شہادت نوش کر چکے ہیں تو ذوالجناح پر سوار ہوئے اور رُخ اَنور سپاہِ کفر کی طرف کر کے فرمایا: اے لوگو! کیا تم میرے حسب نسب کو نہیں پہچانتے ہو؟ اگر تھوڑا غور و فکر کرو گے تو یقیناً خود کو ملامت کرو گے۔ کیا تمھارے لیے میرا خون بہانا حلال ہے؟ کیا میری حرمت پامال کرنا جائز ہے؟ کیا میں نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا تم نے میرے نانا کی وہ وصیت بھلا دی ہے جو ہم دو بھائیوں کے بارے میں تھی:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

"حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔"

کیا یہ حدیثِ رسولؐ میرے قتل سے منع کرنے اور میرا خون بہانے سے روکنے کے لیے کافی نہیں۔ لیکن کفار نے جواب دیا: ہمیں سمجھ میں نہیں آ رہا آپؑ کیا کہہ رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اصحابِ رسولؐ جیسے زید بن ثابت' براء بن عازب اور انس بن مالک جیسے حضرات سے سوال کرو کہ رسولِ خدا ﷺ نے میرے حق میں کیا ارشاد فرمایا؟ کیا تمھیں میرے لختِ جگرِ دخترِ رسول ﷺ ہونے میں شک ہے؟

خدا کی قسم! مغرب سے مشرق تک نگاہ دوڑا کر دیکھو تو بھی میرے علاوہ پیغمبرؐ خدا کا کوئی فرزند نہیں ملے گا۔ میں رسولؐ زادہؑ اور امام زادہؑ ہوں۔ مجھے بتاؤ کیا میں نے تمھارا کوئی قتل کیا ہے؟ جس کا قصاص مانگنے آ گئے ہو؟ کیا میں نے تمھارے مال پر قبضہ کر رکھا ہے؟ کیا پیغمبرؐ کی

سنن (سنت) تبدیل ہو چکی ہیں؟ کیا شریعت کے احکام تبدیل ہو چکے ہیں؟

سید الشہداءؑ کے ارشادات کے بعد سپاہِ کفر نے شرمندگی سے سر جھکا لیے اور کوئی جواب نہ دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ جواب دیا کہ ہم تمھیں تمھارے باپ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چوں کہ اس نے بدر و حنین میں ہمارے بزرگوں اور اجداد کو قتل کیا تھا۔

آپؑ نے عمر بن سعد کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھے چھوڑ دو تا کہ میں حرمِ رسولؐ کو مدینہ لوٹا سکوں یا پھر کسی ایسے محاذ پر پہنچ جاؤں جہاں اپنی تلوار سے ان کی حمایت اور دفاع کر سکوں۔

اس ملعون نے جواب دیا: ایسا ممکن نہیں ہے۔

آپؑ نے اتمامِ حجت کی غرض سے فرمایا: اگر تمھیں یہ قبول نہیں ہے تو ایک گھونٹ پانی دے دو میرا جگر پیاس سے جل رہا ہے۔

اس نے جواب دیا: یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

آپؑ نے فرمایا: جب تم نے میرے قتل کا اِرادہ کر ہی لیا ہے تو ایک ایک کر کے مقابلے کے لیے آ جاؤ۔ ساتھ ہی آپؑ نے چند اشعار بھی ارشاد فرمائے:

فان تکن الدنیا تعد نفیسة
فان ثواب الله اعلی وانبل
وان یکن الارزاق قسمًا مقدرًا
فقلة سعی المرء فی الکسب اجمل
وان تکن الاموال للترک جمعها
فما بال متروک به المرء یبخل

"اگر دنیا کوئی اچھی نہیں شمار کی جاتی ہے تو خدا کا اجر و ثواب اس سے کہیں افضل ہے۔ جب رزق معین اور گنا چُنا ہے تو پھر انسان کو دولت کی خاطر اِدھر اُدھر ہاتھ نہیں مارنے چاہئیں۔ اگر دنیا کا مال چھوڑ جانے کے لیے

ہوتا ہے (مرنے کے بعد) تو جو چیز چھوڑ کر جانی ہے اس کا لوگ لالچ کیوں کرتے ہیں؟"

جنگ کا آغاز ہو گیا۔ سپاہِ کفر کے بہادر، پہلوان اور شجاع مقابلے کے لیے آنا شروع ہوئے۔ امام علیہ السلام کی تلوار نے انھیں کاٹنا شروع کر دیا۔ آپؑ نے ایک جم غفیر کو تہ تیغ کرنے کے بعد فرمایا: "لَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِی العَظِیمِ" اور فرمایا: میں فرزندِ رسولؐ ہوں (اے اباعبداللہ ساری جانیں آپؑ پر نثار ہوں اے سیدالشہداءؑ از طرف مصنف!)۔

آپؑ دورانِ جنگ و مبارزہ کبھی کبھار یہ شعر بھی پڑھتے رہے:

اَلقَتلُ اَولٰی مِن رُکُوبِ العَارِ
وَالعَارُ اَولٰی مِن دُخُولِ النَّارِ

"راہِ خدا میں قتل ہونا رُسوائی و ذلت سے بہتر ہے اور رُسوائی و ذلت جہنم میں جانے سے بہتر ہے۔"

بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے: جب سپاہِ کفر نے جواب دیا: آپؑ کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہیں کہ آپؑ کے والد نے بدر و حنین میں ہمارے بزرگوں کو قتل کیا تھا، تو آپؑ نے ان پر حملہ کیا، اس حملے میں پانچ سو سوار اور پیادہ واصل جہنم ہوئے۔

بعض کتبِ مقاتل میں ذکر ہے: ابتدا میں چوں کہ تن بہ تن جنگ ہوئی۔ ابن سعد نے دستِ امامت سے جہنم رسید ہونے والوں کو جب شمار کیا تو وہ سات سو اسی (۷۸۰) لعین تھے۔ جس میں بڑے بڑے دلیر اور شجاع قسم کے افراد بھی شامل تھے۔ ان میں سے بعض افراد جو روزِ عاشور کے بعد بھی زندہ رہے ہیں وہ اپنی محفلوں اور مجالس میں سیدالشہداء علیہ السلام کی شجاعت، قوتِ قلبی اور ایمانی استحکام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان کی مثل دنیا میں موجود نہیں ہے۔

میدانِ جنگ میں آپؑ کے گرد تیس (۳۰) ہزار فوجی جمع تھے۔ مگر جب آپؑ نے حملہ کیا تو سب کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اِدھر اُدھر بھاگ کر جاہ پناہ تلاش کرنے لگے حالاں آپؑ کا دل تو مجروح، محزون اور شکستہ ہو چکا تھا۔ جب آپؑ میدان کے وسط میں پہنچے تو فرماتے:

أَنَا ابْنُ رَسُولِ اللّٰهِ وَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

## فاطمہؑ بنت حسینؑ کا خط

ایک اور چیز جو شیعیانِ حسین علیہ السلام کے دلوں کی رنجیدگی کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جب امامؑ نے مدینہ کو الوداع کیا تو آپؑ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام فاطمہؑ تھا۔ وہ سخت بیمار تھی۔ آپؑ نے جاتے وقت اسے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا۔

حضرت فاطمہؑ نے جب دیکھا کہ بابا کا فراق طویل ہوتا جا رہا ہے اور ان کی کوئی خیر خبر بھی نہیں موصول ہو رہی تو ان کی پریشانی اور غم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جس کے سبب سے وہ ہر وقت گریہ زاری میں مصروف رہتی تھیں۔ روزانہ صبح اُٹھ کر گھر کے دروازے کے پیچھے آ کر بیٹھ جاتیں اور سارا دن کسی خبر کا انتظار کرتے گزار دیتیں۔ ایک دن اپنے بابا کو خط لکھا تاکہ اپنے حالات سے مطلع کر سکیں۔ مگر ساتھ ہی ایک بین کیا: اب کون بچا ہے جو میرا خط میرے بابا تک پہنچائے گا؟ اس وقت ایک عربی کا گزر اسی کوچے سے ہوا۔ اس نے جب معصومہؑ کے رونے کی آواز سنی تو سمجھ گیا دُخترِ امامؑ ہے اپنے بابا کے فراق میں محوِ گریہ ہے۔

وہ عربی وہیں بیٹھ کر دُخترِ امامؑ کی غربت پر گریہ کرنے لگا۔ پھر اُٹھا اور دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ مَعْدِنِ الرِّسَالَۃِ

"اے اہلِ بیتِ نبوتؐ اور معدنِ رسالتؐ! تم پر میرا سلام ہو۔"

میں بادیہ نشین عربی کربلا جانا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی کام ہے تو بتائیں؟

حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا: سلام علیکم! اور اپنے حالات بیان کیے اور فرمایا: مجھے اپنے بابا اور خاندان سے دُوری کا صدمہ کھائے جا رہا ہے۔ میں نے ایک خط لکھا ہے اسے میرے بابا تک پہنچا دو۔

اس عربی نے جواب دیا: ان شاء اللہ ضرور پہنچاؤں گا۔ وہ خط لے کر عازمِ کربلا ہوا۔ جب کربلا پہنچا تو امامؑ جنگ و مبارزہ میں مشغول تھے۔ اُس نے سید الشہداءؑ کے حضور وہ خط

پیش کیا۔ امامؑ نے وہ خط پڑھا اور شدید گریہ فرمایا۔ وہ خط اُٹھائے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف لوٹ آئے اور اہل حرمؑ کو وہ خط پڑھنے کے لیے دیا۔ اہل حرمؑ کا گریہ بھی شدت اختیار کر گیا۔ اے شیعو! روزِ عاشور مصائبِ اہل بیتؑ کا مرکز تھا۔ اس دن اہل بیتؑ پر جتنی مصیبتیں آ سکتی تھیں وہ نازل ہوئیں۔ ہر قسم کے مصائب نے اہل بیتؑ کو آ گھیرا۔ آہ! آہ! لاکھوں آہیں! اے دل! پانی میں تبدیل ہو کر آنکھوں کے ذریعے باہر آ جا۔

## ایک دوسرا حملہ:

سید الشہداء علیہ السلام خیمہ گاہ سے میدانِ کربلا میں تشریف لائے اور مبارزہ طلبی فرمائی۔ مگر کسی کے اندر مقابلے کی طاقت اور حوصلہ نہ تھا، کافی دیر گزرنے کے بعد شام کے رؤسا میں سے ایک شخص تمیم بن قحطبہ میدان میں آیا اور کہنے لگا: اے فرزندِ علیؑ! کب تک اور کہاں تک اس لاتعداد لشکر سے لڑتے رہو گے اور کب تک شمشیر زنی کے جوہر دکھا کر اس قوم کے عظیم شجاعوں اور بہادروں کو تہ تیغ کرتے رہو گے۔ جب اب تو تمہارا کوئی نہیں بچا، سب قتل کر دیے گئے ہیں۔ ان کے اجسام پارہ پارہ ہو چکے ہیں پھر بھی تمہارے دل میں جنگ کا شوق موجود ہے؟

امامؑ نے فرمایا: میں تم سے جنگ کرنے آیا ہوں یا تم میرے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہو؟ میں نے تمہارا راستا روکا ہے یا تم نے میرا راستا؟ تم تو مجھے حرمِ رسولؐ کو مرکزِ اسلامی (مکہ) تک پہنچانے کی مہلت بھی دینے کو تیار نہیں ہو۔ تم خود تسلیم کر چکے ہو کہ تم نے میرے اصحاب و عزا و اقربا اور جان نثاروں کو قتل کیا ہے۔ اب میرے اور تمہارے درمیان ایک تلوار ہی تو بچی ہے۔

اس ملعون نے کہا: اے حسین علیہ السلام! گفتگو کا سلسلہ روکو اب آگے بڑھو۔ میں بھی دیکھوں تم کتنے بڑے بہادر اور صاحبِ فن ہو؟

حجتِ خدا کے ہاتھوں میں بجلی کی سی سرعت آئی۔ آپؑ نے ذوالفقار اس کے سر پر دے ماری۔ اس کافر کا سر پچاس گز دُور جا گرا۔ جس سے لشکریوں پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ سب وحشت زدہ دکھائی دینے لگے۔ ان میں حرکت کی طاقت بھی نہ رہی۔ اتنی دیر میں

یزید ابطحی جو شجاعت و دلاوری میں بہت مشہور تھا' اس نے سارے لشکر کو مخاطب کر کے نعرہ لگایا: او بزدلو! تم میں غیرت نام کی کوئی چیز نہیں ہے کہ تم فرد واحد سے ڈر کر بھاگ رہے ہو؟ یزید ابطحی (لعنتی) میدانِ جنگ میں آیا اور امامؑ کے ساتھ تنہا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اہل لشکر اس وقت بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے طبل اور ڈھول بجائے۔ جب کہ اہل حرمؑ نے گریہ کیا اور فریاد بلند کی۔ یہ آوازیں سن کر امامِ سجاد علیہ السلام میدان کی طرف نکل آئے اور اہل حرمؑ کو اس مقابلے سے لحہ بہ لحہ آگاہ فرماتے رہے۔

وہ کافر ملعون امامؑ کے نزدیک ہوا' امامؑ نے بلند آواز میں ایک نعرہ لگایا: اے بدفطرت اور بدطینت شخص! کیا تم مجھ جیسے سے نہیں ڈر رہے ہو اور میرے مدِمقابل کھڑے ہو گئے ہو؟

یزید ابطحی خاموش رہا' وہ پہل کرنا چاہتا تھا وہ آپؑ کی ران پر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ اتنی دیر میں خلیفہ عظمیٰؑ اور حجتِ کبریٰؑ اور شیعیانِ جہانؑ کی روح نے بڑی سرعت سے تلوار اس کی کمر میں ماری۔ جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سارے لشکر پر وحشت طاری ہو گئی۔ سارے سہم کر تتر بتر ہونے لگے۔

میں جب ان واقعات کے متعلق سوچتا ہوں تو میری قلبی کیفیت بدل جاتی ہے۔ کبھی غم تو کبھی خوشی' کبھی انبساط اور کبھی انقباض...... سبحان اللہ!

جب یزید ابطحی قتل ہوا اور خاک و خون میں غلطاں ہو کر پڑا ہوا تھا' سپاہِ کفر کی شکست کی وجہ سے میرے دل پر نشاط و سرور کی کیفیت طاری تھی کہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ مقابلہ کر کے امامِ مظلومؑ کے محاسن مبارک زخموں کی کثرت اور خون بہنے کی وجہ سے رنگین ہو چکے تھے۔ لگتا تھا آپؑ نے خون کا خضاب لگا رکھا ہے اور جو زرہ آپؑ نے زیب تن کر رکھی تھی وہ آپؑ کے خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ آپؑ کے جسم اطہر پر صرف خون ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

مخفی نہ رہے کہ یہ صرف میری حالت نہیں ہے بل کہ سارے ملائکہؑ' تمام انبیاءؑ کی ارواح' ارواحِ مومنین' اہل بہشت و دوزخ جو اس مقابلے کے عینی شاہد تھے اور یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے' کی بھی یہی کیفیت تھی۔ کبھی وہ خوش ہو جاتے اور کبھی غم گین۔ اب تک اس دنیا

کے جتنے بھی بہادر، شجاع اور جری افراد موت کے بعد عالم برزخ میں موجود تھے اور حیرت و حسرت کی تصویر بنے انگشت شہادت منھ میں ڈالے کہہ رہے تھے: شجاعت اسے کہتے ہیں، جلالت و بزرگی اسے کہتے ہیں۔ وہ سب فریاد کر رہے تھے اور گریہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

باہرواحنا و آبائنا و امہاتنا یا ابا عبداللہ یا سلطان سلاطین اہل الحمیة والغیرة والشجاعة والفتوت

"ہماری جانیں اور ہمارے ماں، باپ کی جانیں آپؑ پر فدا ہوں۔ اے ابا عبداللہؑ! اے بادشاہوں کے بادشاہ! اے اہل حمیت! غیرت و شجاعت و مردانگی کی نشاۃِ ثانیہ!"

ان سب نے یہ آرزو کی کہ کاش ہم دنیا میں ہوتے تو اپنی جانیں آپؑ کی راہ میں نثار کرتے، جس میدان میں تم محو مبارزہ ہو اس میں جاروب کشی کرتے۔ انصاف کرتے ہوئے ہم سب اعتراف کرتے۔ اے حسین علیہ السلام! یہ بات صدفی صد سے بھی زیادہ سچ ہے کہ ہم تو اس میدان کے وہ سوار ہیں جن کا کوئی نام ہے نہ ہم لذت حاصل کر سکے ہیں۔ ہم تو وہ تخت نشین ہیں جو اس دریائے ہنر و فن میں کسی رسم سے آگاہ نہیں ہیں۔ آہ! آہ! سینکڑوں آہ مظلومِ کربلا کی پیاس پر، آفتاب کی حرارت پر اور اِن اَن گنت زخموں پر جو اس مظلوم کے جسم پر لگے۔ جس کے حملوں سے دس ہزار یا پچاس ہزار کافر واصل جہنم ہوئے (جیسا کہ کتبِ مقاتل میں موجود ہے) اس کے باوجود آپؑ نے اس بات کا خصوصی خیال رکھا کہ جس کی نسلوں میں کسی مومن کی آمد (چاہے ستر پشتوں کے بعد ہی صحیح) متوقع تھی اسے چھوڑ گئے تھے جیسا کہ ہم اس سے قبل بھی اشارہ کر چکے ہیں۔

اس ساری جنگ و جدال کے باوجود آپؑ آلِ رسولؐ کے خِیام کی مسلسل نگرانی فرماتے رہے۔ بعض کفار نے خِیام کی طرف کا رُخ کیا، مگر آپؑ نے انھیں للکارا:

يَا شِيعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ! إِن لَّمْ يَكُن لَكُم دِينٌ وَكُنتُم لَاتَخَافُونَ المَعَادَ فَكُونُوا أَحرَاراً وَفِي دُنيَاكُم فَارجِعُوا إِلَى

أَحْسَابِكُم إِنْ كُنْتُمْ عَرَبًا

"اے آلِ ابوسفیان کے پیروؤ! اگر تم بے دین ہو اور قیامت کا خوف تمہارے اندر نہیں ہے اور تم خود کو دنیا کا آزاد مرد کہتے ہو تو اپنی اصلوں کا لحاظ کرتے ہوئے واپس لوٹ آؤ' اگر تم عرب ہو۔"

اپنے ان لٹیروں اور رہزنوں کو واپس بلا لو۔ جب تک میں زندہ ہوں' کوئی حرمِ رسولؐ کی طرف قدم بھی نہ بڑھائے۔

شمر لعین نے اس گروہ سے کہا: اس شخص کے خیام کی طرف نہ جاؤ بلکہ سب مل کر اس پر حملہ کرو' خدا کی قسم! یہ شخص بڑا کریم اور بے نظیر بادشاہ ہے۔

## سیدالشہداء علیہ السلام کی فرات پر آمد

جنگ و جدال اور قتل و غارت کے سبب سے آپؑ پر اور ذوالجناح پر پیاس کی شدت بڑھنے لگی۔ آپؑ فرات کی طرف بڑھنے لگے۔ آپؑ نے فرات کی حفاظت پر مامور چار یا پانچ ہزار سپاہیوں اور لشکر کے رؤسا کی صفیں اُلٹ دیں اور فرات میں داخل ہو گئے۔

آپؑ نے اپنے ذوالجناح کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے ذوالجناح! تم بھی پیاسے ہو اور میں بھی اس وقت پانی نہیں پیوں گا' جب تک تم نہیں پی لیتے۔

اسحٰق بن حیوہ' جو فرات پر موجود کمانڈروں میں سے ایک تھا اور اس سارے واقعہ کا چشم دید گواہ تھا' وہ اپنے آپ سے کہنے لگا:

أَنْتَ ضِلْعٌ مِنْ أَضْلَاعِ النُّبُوَّةِ

"یہ کیسا جواں مرد ہے جو اپنے گھوڑے سے پہلے پانی نہیں پی رہا؟"

ذوالجناح نے امامؑ کی گفتگو سنی اور سمجھ بھی۔ مگر پانی نہیں پیا' وہ آپؑ کے پانی پینے کا انتظار کرنے لگا۔ آپؑ نے فرمایا: اے ذوالجناح! تم بھی پانی پیو میں بھی پانی پیتا ہوں۔ آپؑ نے اپنا دستِ مبارک دراز کیا اور اس میں پانی بھرا کہ اچانک ایک لعین نے آواز دی: اے حسین علیہ السلام! پانی پی رہے ہو اور پانی کی ٹھنڈک سے مستفید ہو رہے ہو جب کہ کفار نے خیام پر

حملہ کر دیا ہے۔

بعض کتب میں تحریر کیا گیا ہے: امامؑ کو یہ آواز اسحٰق بن حیوۃ (لعنتی) نے دی تھی۔ آپؑ نے اپنے دستِ مبارک میں بھرا ہوا پانی واپس فرات میں انڈیل دیا اور فرات سے باہر نکل آئے۔ لشکر کو ہٹا کر خیمہ گاہ تک پہنچے۔ دیکھا کہ خیام تو صحیح و سالم ہیں۔ آپؑ سمجھ گئے کہ اس لعنتی کی گفتگو محض مکر و فریب تھا۔

علما اور سیرت نگاروں کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امامؑ حقیقتِ امر سے مطلع تھے۔ ایک حجتِ کبریٰؑ اور ولی خداؑ کی شان میں گستاخی باعثِ تعجب ہے۔ چوں کہ امامؑ اور ولی مطلق خدا اگر مغرب میں موجود ہو تو مشرق میں کوئی چوہا اگر اپنے بل میں بھی حرکت کرے تو اس کا بھی اسے علم ہوتا ہے۔ یہ تو صرف مثال تھی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر قابلِ دید و شنید چیز اور بات کا علم امامؑ کو ہوتا ہے۔ آپؑ دیکھ اور سن رہے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپؑ نے بکرار اسنا ہو گا کہ تمام اوّلین و آخرین کے علوم انبیاءؑ ملائکہؑ کے علوم آلِ محمدؐ کے علوم کے مقابلے میں ایسے ہی ہیں جس طرح دریا کے مقابلے میں قطرہ۔

## سید الشہداء علیہ السلام کے پانی نہ پینے کی وجوہات

فرات میں داخل ہو جانے کے باوجود سید الشہداء علیہ السلام کے پانی نہ پینے کی چند وجوہات علمائے کرام نے تحریر کی ہیں۔

### رازِ اوّل:

بد فطرت اور گھٹیا سپاہِ کفر جانتی تھی کہ حسینؑ ابن علی علیہ السلام، معدنِ خلافتِ عظمیٰ، ولایتِ مطلقہ، صاحبِ مروّت و فتوت اور جود و کرم کا سرچشمہ تھے۔ اس کلام کے ذریعے گویا اشارہ کیا جا رہا تھا کہ اس کثیر لشکر کے اندر سید الشہداء علیہ السلام کا مقابلہ اور مبارزہ کرنے کی طاقت و توانائی اور ہمت نہ تھی۔ اب ایک ہی راستا تھا کہ پیاس کی شدت ہی شاید انھیں قریب الموت کر دے۔ اگر اب امامؑ پانی پی لیتے ہیں اور آپؑ کی پیاس کو سکون مل جاتا ہے تو آپؑ کے اندر مقابلہ کرنے اور مقاومت کی ہمت برابر ہو جائے گی۔ مگر چوں کہ سید الشہداء علیہ السلام کا تعلق اہلِ بیتؑ نبوتؐ اور

معدنِ جود و کرم سے ہے' لہٰذا سائل کو خالی لوٹانا ان کی شان کے خلاف تھا۔

بِأَبِي أَنتَ وَ أُمِّي يَا أَبَا عَبدِ اللّٰه

''میری جان اور شیعیانِ جہاں کی جان آپؑ پر فدا ہو۔''

رازِ دوّم:

جب سلطانِ کربلا نے کفار و منافقین کی نجس زبان پر خیام اور اہلِ حرمؑ جیسے پاکیزہ الفاظ سنے' بھرے ہاتھوں سے پانی گرا دیا۔ چوں کہ آپؑ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کل کلاں کو مورخ یہ الفاظ لکھ دے: حسین علیہ السلام نے اہلِ حرمؑ کی ہتک پر مبنی الفاظ سنے' مگر خود پانی پیتے رہے۔

یہ الفاظ دیگر حسینؑ ابن علی علیہ السلام اہل بیتؑ رحمتِ دو عالمؐ اور آل اللہ تھے۔ آپؑ کے فیض نے قیامت تک جاری و ساری رہنا ہے۔ تبھی آپؑ نے اس نازک صورتِ حال میں بھی اپنے اَخلاقِ کریمہ اور پاکیزہ نفسوں کے لیے ایک ہدایت کی مشعل روشن فرما دی کہ سنتِ حسین علیہ السلام یہ ہے کہ اپنی ناموس کا دفاع ہر حال میں ضروری اور واجب ہے' لہٰذا سب کچھ چھوڑ کر پہلے ناموس کا دفاع کرو۔

رازِ سوّم:

آپؑ کی شہادت عطش و پیاس کی صورت میں صحیفۂ ذر (عالمِ اَرواح) کی سطور میں مسطور تھی اور جو کچھ ان سطور میں بیان ہوا ہے اس میں آپؑ کو رُخصت عطا کی گئی ہے نہ کہ تکلیف۔ مثلاً اگر آپؑ پانی نوش فرما لیتے تو کوئی مضایقہ نہیں تھا۔ یہ بھی تو حسنات اِبرار میں سے ایک حسنہ شمار ہو سکتی تھی۔ جب کہ اس قسم کے حسنہ کے ارتکاب کے باوجود بزرگان اور سادات بارگاہِ خداوندی میں درجۂ قرب پر فائز رہتے ہیں اور طواف کر رہے ہوتے ہیں۔

رازِ چہارم:

صحیفۂ ذر میں پانی نوش فرمانا ایک طرح کی عزیمت تھی۔ چوں کہ پانی پینے سے انسانی طاقت و توانائی بڑھتی ہے۔ جب کہ آپؑ کا جہاد تو بارگاہِ ربوبیت میں اشرف قرب اور عظیم اطاعت تھی۔ چوں کہ آپؑ کی ہر ضرب اور آپؑ کو لگنے والے ہر زخم کا وہی مقام تھا جو صدر

اسلام کی جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی ضربوں اور حملوں کا ثواب تھا۔

آپؑ نے اس باب میں خداوند کریم سے محو و اثبات کا سوال کیا (اس بات کو محو کر دیا کہ کھانے پینے سے انسانی توانائی میں اضافہ ہوتا ہے) مگر بچوں اور اہل حرمؑ کی تشنگی، اصحابِ جان نثاروں اور اولاد کی شہادت کے یاد آنے کے بعد آپ تشنہ لب ہی دریا سے لوٹ آئے۔ بالخصوص علی اصغر علیہ السلام کی شہادت، جس کی وجہ سے سید الشہداءؑ کا جگر جل کر کباب ہو گیا تھا اور آپؑ کی پیاس میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

ان مطالب کا دقیق اور رقیق ہونا دلیل ہے کہ ان کا تعلق کربلا کی روحانی اور ملکوتی پہلو سے ہے۔ تبھی تو اس بابت خود غور و فکر کی ضرورت ہے۔

چوتھے راز کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

ایک بار پھر امامؑ فرات میں داخل ہوئے۔ اپنے ہاتھ کو پانی سے بھرا اور نوش فرمانا چاہ رہے تھے، ناگہانی آپؑ کو بچوں، مستورات اور اہل حرمؑ کی تشنگی یاد آ گئی۔ آپؑ نے اپنے ہاتھ میں بھرا ہوا پانی انڈیل دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک کافر نے تیر مارا جس سے آپؑ کا دہن اقدس دو حصوں میں بٹ گیا۔ آپؑ نے فرمایا: خدا تجھے کبھی سیراب نہ کرے۔ اسی وقت اس کمینے پر پیاس کا غلبہ ہو گیا۔ اس نے خود کو فرات میں گرا دیا اور اتنا پانی پیا کہ بالآخر واصل جہنم ہو گیا (لعنۃ اللہ)۔

رازِ پنجم:

خداوند متعال کی محبت کا سب سے اعلیٰ و ارفع درجہ تشنگی اور بھوک کی صورت میں محقق ہوتا ہے۔ دوسرا مصائب اور دکھوں کی معراج کے دوران میں آپؑ کی پیاس (آپؑ کے دکھوں کی یاد دلاتی رہے گی) کے باعث شیعیان اور محبان آپؑ پر گریہ زاری کرتے رہیں گے۔

رازِ ششم:

آپؑ فرات میں اس لیے داخل ہوئے تھے کہ ذوالجناح پانی پی لے۔ چوں کہ یہ وفادار حیوان میدانِ جنگ میں مسلسل بھاگ دوڑ اور سورج کی گرمی کے سبب سے نڈھال ہونے کو تھا۔

آپؑ نے فرات میں داخل ہوتے ہی فرمایا: اے ذوالجناح! تم پیاس سے نڈھال ہو پانی پی لو۔

جب ذوالجناح نے آپؑ سے پہلے پانی پینے سے اجتناب کیا تو آپؑ نے اپنے ہاتھوں میں تھوڑا سا پانی لیا کہ ہوسکتا ہے ذوالجناح پانی پی لے۔ مگر ہوا وہی جو مقدر میں تحریر تھا۔

امامؑ جب فرات سے باہر تشریف لائے' آپؑ نے چار سو افراد کو تیغ کیا اور خیام تک پہنچے۔ بعض کتبِ مقاتل نے ایسے ہی تحریر کیا ہے۔ جب کہ بعض نے دوسرے انداز میں تحریر کیا ہے: آپؑ نے فرات کے کنارے سے خیام کے دروازے تک کے سفر میں بیس (۲۰) ہزار افراد کو جہنم واصل کیا۔ آپؑ نے اہل حرمؑ کو الوداع فرمایا۔ انھیں صبر و شکیبائی کی سفارش فرمائی اور ان سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

آہ! آہ! انھیں چادریں اوڑھنے کا حکم دیا تا کہ آنے والے وقت کے لیے تیار ہوسکیں اور ارشاد فرمایا: جان لو! خدا تمھارا حامی و محافظ ہے۔ وہی تمھیں شرِ اعداء سے نجات دلائے گا اور ان (لعینوں) کو دنیا و آخرت کے عذابوں کا شکار کرے گا۔ خداوند متعال ان مصائب کے عوض تمھیں بہترین اجر و ثواب عطا کرے گا۔ پس تمھاری زبانوں پر حرفِ شکایت نہیں آنا چاہیے' ورنہ تمھارے درجات کم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

عَلَیکُم سلام اللّٰہ یا آلِ احمدَ فانی أراني عنکم سوف ارحلی

البتہ بعض کتبِ مقاتل میں ذرا دوسرے انداز میں روایت نقل کی گئی ہے۔ البتہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے' اس سے ہرگز منافات نہیں رکھتی ہیں۔

وہ کافر مرضِ تشنگی کا شکار رہا۔ جتنے بھی مشکیزوں میں پانی بھرا ہوا تھا اسے پلا دیا گیا مگر وہ سیراب نہ ہوسکا۔ چوں کہ اس کافر نے امامؑ کی حالت کو دیکھا تھا۔

قد أهوی الی فیه بماء وهو یشرب فرماه بسهم فقالَ: لا
ارواك اللّٰه من الماء لا فی دنیاك ولا فی اخرتك

حالاں کہ آپؑ نے اپنے دہنِ مبارک سے پانی کی طرف اشارہ کیا۔ دشمن تو پانی پی رہے تھے مگر ان ظالموں نے امامؑ کی طرف ایک تیر چلایا۔ آپؑ نے فرمایا: خدا تجھے دنیا و

آخرت میں کبھی سیراب نہ کرے۔

مقتل کی ایک دوسری کتاب میں اس طرح نقل ہوا ہے:

وَجَعَلَ الحُسَينُ يَطلُبُ المَاء وَالشِمرُ(لعنة الله) يَقُولُ وَاللهِ تَرَاهُ اَو تَرُدُّ النَّارَ

"امامؑ نے پانی طلب فرمایا تو شمر (لعنتی) کہنے لگا کہ (نعوذباللہ) پانی تک پہنچ جاؤ گے یا جہنم تک؟"

ایک دوسری روایت میں ہے:

فاشتد العطش بالحسين فمنعوه من الماء ثم حصل له شربة ماء فلما هوى لأن يشرب الماء رماه حصين بن نمير بسهم من حنكه فصارت السماء دما فرفع يده الى الماء فقال: اللهم احصهم عددا واقت لهم بددا ولا تذر على الارض منهم احدا

"امام حسین علیہ السلام پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ مگر آپؑ پر پانی بند کر دیا گیا۔ جب آپؑ کے لیے پانی پینا ممکن ہوا اور آپؑ پانی نوش فرمانے لگے تو حصین بن نمیر (لعنة الله) نے آپؑ کے حلق اطہر پر تیر مارا۔ آسمان رنگین ہو گیا۔ آپؑ نے پانی کی طرف ہاتھ بڑھا کر فرمایا: اے پروردگار! ان کو پراگندہ فرما اور انھیں ایک ایک کر کے واصل جہنم فرما۔ ان میں سے کوئی بھی زمین پر باقی نہ بچنا چاہیے۔"

ایک دوسرے مقام پر یوں نقل ہوا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللهم انا اهل بيت نبيك فاحتصم من ظلمنا و غضبنا حقنا انك سميع قريب

"اے میرے پروردگار! ہم تیرے نبیؐ کے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ پس جس نے بھی ہم پر ظلم کو جائز جانا ہے اور ہمارے حق کو تلف کیا ہے ناحق

اس ملعون کی جڑیں اُکھیڑ دے۔ تم سننے والے اور نزدیک ترین ہو۔"

محمد بن اشعث (لعنۃ اللہ) کہتا ہے: اے حسین علیہ السلام! تمھارے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کون سا رشتہ ہے؟

امام علیہ السلام نے آیت "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا" تلاوت فرمائی کہ اے اللہ! بہت جلد اس شخص کو ذلت وخواری سے دوچار فرما۔

کہتے ہیں کہ محمد بن اشعث رفع حاجت کرنے کے لیے گیا تو رفع حاجت کے بعد بچھو نے اُسے کاٹ لیا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور اپنی ہی نجاست میں غلطاں ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے:

ان زرعۃ (لعنۃ اللہ علیہ) رمی الحسین (علیہ السلام) بسھم فاصاب حنکہ فجعل یلتقی الدم ویری بہ نحو الماء لان الحسین لمادعی بماء یشرب رماہ الملعون و حال بینہ و بین الماء

"بہ تحقیق زرعہ (لعنۃ اللہ) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک طرف تیر مارا جو آپؑ کے گلوئے مبارک پر لگا۔ جس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اس لیے کہ زرعہ نے دیکھا تھا کہ امامؑ پانی کی طرف جا رہے تھے قبل اس کے کہ امامؑ پانی طلب فرماتے اس ملعون نے آپؑ کو تیر دے مارا تا کہ پانی اور آپؑ کے درمیان پانی کا فاصلہ ختم کیا جا سکے۔"

ان روایات کی توضیح وتشریح میں ہم کہیں گے کہ پہلی روایت میں مشخص نہیں ہے کہ امامؑ فرات میں داخل ہوئے تھے یا نہیں۔ جب کہ دوسری روایت میں اس جملہ "وجعل الحسین یطلب الماء والشمر" میں دو احتمال پائے جا رہے ہیں: امامؑ نے فرات سے باہر کھڑے ہو کر پانی طلب فرمایا اور دوسرا یہ کہ آپؑ فرات میں داخل ہونا چاہ رہے تھے۔

تیسری روایت کا یہ جملہ "ثم حصل لہ شربۃ من الماء" کے ظاہر سے معلوم پڑتا ہے کہ پانی فرات سے باہر مانگا گیا تھا۔

زرعہ ملعون کے جہنم رسید ہونے کی داستان میں جہاں امامؑ نے فرمایا: "اَللّٰھُم اظمأہ" اور آنِ واحد میں اس ملعون پر شکم کی گرمی اور پشت کی سردی کا مرض لاحق ہوا۔ وہ ہر کسی کے سامنے بلند آواز سے بار بار ریح خارج کرتا اور سب کہتے کہ اس کی پشت جہنم کا حصّہ بن چکی ہے۔

وہ کافر کہتا: پیاس نے مجھے مار دیا ہے۔ ایک برتن میں دودھ اور پانی ڈالا گیا۔ یہ اتنا بڑا برتن دودھ کا تھا کہ اگر پانچ پیاسے شخص بھی جی بھر کر پینا چاہتے تو سیراب ہو سکتے تھے مگر اس برتن کو زرعہ اکیلا ہی خالی کر گیا اور پھر بھی فریاد کر رہا تھا کہ میں پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ اس کے بعد بھی اسے اسی ترتیب سے پانی اور دودھ ملا کر دیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ اس ملعون کا شکم اُونٹ کے شکم کی طرح پھٹ گیا اور وہ لعنتی واصلِ جہنم ہو گیا۔

چوتھی روایت میں سے ذرا زیادہ استنباط ہوتا ہے کہ آپؑ فرات سے باہر تشریف فرما تھے۔ البتہ ان تمام مذکورہ روایات کے درمیان کسی بھی قسم کی منافات نہیں ہے۔ ہاں جو چیز مشہور تھی اور تفصیل سے بیان ہوئی ہے وہ یہ تھی کہ امامؑ فرات میں داخل ہوئے۔ ہم ان روایات میں پائے جانے والے تضاد اور شبہات کو دُور کرنے کے لیے کہہ سکتے ہیں۔

امامؑ جب فرات میں داخل ہوئے وہ ایک علیحدہ وقت تھا اور روایت کا جو مضمون ہے اس میں ایک دوسرے وقت کی نشان دہی کی گئی ہے۔

یہاں ایک دوسرا سوال بھی سامنے آتا ہے۔ امامؑ اس وقت کس سے پانی طلب فرما رہے تھے؟ اور اس وقت آپؑ کے لیے پانی کون لایا؟

جب کہ ہم جانتے ہیں کہ حرمؑ رسولؐ کے خیام میں پانی کا قطرہ تک موجود نہیں تھا اور اس وقت ظالم و کافر لشکر سے پانی طلب کرنا اور پھر یہ اُمید رکھنا کہ کوئی ان میں سے امامؑ کے لیے پانی لائے گا' بہت ہی بعید از عقل لگتا ہے۔

اس اِشکال کو حل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم قائل ہو جائیں کہ کسی ملک و مقرب یا پھر کسی جن نے آپؑ کی خدمتِ اَقدس میں پانی پیش کیا ہو یا پھر ہم قائل ہو جائیں کہ پانی لانے والا انسان تھا مگر اس کا تعلق لشکر یزید سے نہیں تھا۔ جب سیدالشہداء علیہ السلام خیمہ گاہ سے

میدان کی طرف پلٹے تو شیر کے مانند غضب ناک تھے۔ آپؑ نے لشکر کے میمنہ و میسرہ کی صفیں پلٹ کر رکھ دیں۔

جو بھی آپؑ کے سامنے آتا اسے شمشیر اپنے جسم کے پاس بلند ہوتی نظر آئی اور وہ قتل ہو جاتا۔ مگر چاروں طرف سے مظلوم کربلا علیہ السلام پر تیر برسائے جا رہے تھے۔ آپؑ نے ان تیروں کے سامنے اپنا حلق مطہر اور سینہ مبارک تان کر فرمایا:

یا امۃ اسوء بئسما خلفتم محمدًا فی عترتہ

''اے بدترین اُمت! تم محمد مصطفیٰ ؐ کی عترت سے اتنا گھٹیا سلوک کر رہے ہو؟''

آپؑ نے فرمایا: میرے قتل اور عباداللہ مومنین کے قتل کے بعد تمھارے لیے بڑی آسانی ہو جائے گی۔ تم ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم! میرا پروردگار تو مجھے درجہ شہادت عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد وہ تم سے انتقام لے گا' جس سے تم غافل ہو۔

حصین بن مالک السکونی کہتا ہے: اے حسین علیہ السلام! ہم سے تمھارا انتقام کس طرح لیا جائے گا؟

آپؑ نے فرمایا: تمھارے اندر اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ پھر پروردگار تمھارا خون بہائے گا اور تمھیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔

## صِفّین سے طف تک

اس حصے میں چند تاریخی واقعات جو ہمارے موضوع سے خاص نسبت رکھتے ہیں' کی طرف اشارہ ضروری سمجھتا ہوں تا کہ امامؑ کے مخلص شیعوں اور محبانِ اہل بیتؑ کے یقین' تفکر اور تدبر میں اضافہ ہو سکے۔ ان کے جگر اور قلب سے پانی جاری ہو سکے اور عزاداری سید الشہداء علیہ السلام پر ان کی اشکوں سے سیل رواں جاری ہو سکے۔

علمائے تاریخ و اخبار نے اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے: امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ صفین میں ''لیلۃ الہریر'' میں منافقین کی کثیر تعداد کو اپنے دستِ مبارک سے دوزخ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپؑ جب بھی کسی منافق پر تلوار چلاتے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگاتے۔ تمام علما نے تحریر کیا

ہے کہ آپؑ نے اس رات پانچ سو تیئس (۵۲۳) منافقوں کو قتل کیا جن کی کثیر تعداد تاریکی شب میں قتل ہوئی۔

تمام علمائے آثار و اخبار نے اور تمام فضلائے عالم نے اس بات پر اتفاق اور اجماع کیا ہے کہ آغاز خلقت سے لے کر اب تک کوئی رئیس، سلطان اور بادشاہ دنیا میں نہیں گزرا جس نے ایک رات میں حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ قتل کیے ہوں۔

اس صورت حال میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ علما و فضلا کے کلام کو ملوک اور سلاطین اور بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص شمار کیا جائے۔ جن کے پاس لشکر، اسلحہ، فوج اور دیگر سہولیات موجود تھیں، وہ مکمل سکون و آرام سے جنگ لڑ رہے تھے۔ جب کہ سوار کربلاؑ پر تو کربلا میں عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ اس کے باوجود آپؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ تحریر کی گئی ہے۔

وا ویلا، صد وا ویلا، جس نے محبانِ سید الشہداء علیہ السلام کے دل اور جگر کو خون کر دیا ہے۔ آنکھوں سے اشک جاری کر دیے ہیں۔ اس لیے کہ مقابلے اور مبارزے کی کثرت سے آپؑ کا اس قدر خون جاری ہوا کہ آپؑ کا جسم اطہر پوشیدہ و پنہاں ہوگیا اور تیروں کی کثرت (جن کے پھل جسم کے اندر رہ گئے) جیسے پرندوں کے جسموں میں پر پیوست ہوتے ہیں۔ آپؑ کے جسم اطہر پر چار ہزار زخم تیروں کے اور ایک سو اسی (۱۸۰) زخم نیزوں کے لگے ہوئے تھے۔ نیز یہ سب کچھ اس حالت میں ہوا کہ آپؑ پیاسے، بھوکے اور اضطراب کا شکار بھی تھے۔ چوں کہ آپؑ کو اہل حرمؑ اور بچوں کی فکر ستائے ہوئے تھی۔

یاد رہے کہ جنگ صفین کے ستائیسویں دن حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

هل من معين؟

بارہ ہزار لشکریوں نے جواب دیا: لبیک یا امیر المومنین! ہم آپؑ کی راہ میں فدا ہونے کے لیے آمادہ ہیں اور سب نے تلواریں نیاموں سے نکال کر فضا میں لہرائیں۔

آپؑ نے اس دن اپنے دستِ مبارک سے عربوں کے بہادروں، شجاع اور پہلوانوں

کو تہ تیغ فرمایا اور جب آپؑ پر خستگی طاری ہوئی تو آپؑ نے اپنے فرزند حضرت محمد حنفیہؒ سے فرمایا: آؤ اور میری جگہ میدانِ جنگ میں جاؤ۔ ان خون کے طلب گاروں کا مقابلہ کرو۔ امیرالمومنین علیہ السلام اپنی جگہ سے ہٹ آئے اور آپؑ کی جگہ آپؑ کے فرزند محمد حنفیہؒ نے لے لی اور آٹھ ہزار بہادروں' پہلوانوں کو قتل کیا۔

روایت میں ہے: امیرالمومنین علیہ السلام نے اس دن لشکر کے میمنہ پر حملہ کیا۔ جہاں دس ہزار سپاہی مقابلے کے لیے موجود تھے اور میسرہ پر مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا۔ اکثریت قتل ہو گئی اور بقیہ افراد نے راہِ فرار اختیار کی۔

جنگ کے انتیسویں (۲۹) دن امیرالمومنین علیہ السلام لباس بدل کر میدانِ جنگ میں آئے۔ اس بھیس میں آپؑ کو کسی نے نہ دیکھا تھا (آپؑ نے اپنے چچازاد بھائی عباس بن حارث بن عبدالمطلبؒ) والا حلیہ اپنا رکھا تھا۔ چوں کہ ان کا شمار بھی بہادروں اور لشکر کے سالاروں میں ہوتا تھا۔ معاویہ کے اندر آپؑ کا تن بہ تن مقابلہ کرنے کی جرأت اور ہمت نہ تھی۔ اس دن ۳۳ (تینتیس) مانے ہوئے شجاعانِ عرب واصلِ جہنم ہوئے۔ ان میں ایک حمزہ نامی شخص بھی تھا' جسے معاویہ اپنے بختی و مصیبت کے دنوں کا ذخیرہ شمار کرتا تھا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے ایک ضرب لگائی' اس کے کاندھے دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ اس ضرب سے معاویہ کے بڑے بڑے سورما سہم کر رہ گئے۔ ان کے دلوں پر عباس بن حارث کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ چوں کہ سب یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ لباس اور گھوڑا تو عباس ابن حارث کا ہے۔

اس کے بعد جو دوسرا پہلوانِ عمر بن غس اللخمی تھا' اس کی شجاعت بھی کافی مشہور تھی۔ آپؑ نے اسے بھی ایک ضرب لگائی تو اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ زین سے زمین پر آ گرا۔

تب عمر بن عاص نے چیخ کر کہا: یہ تو امیرالمومنین علیہ السلام کی ضرب ہے۔

معاویہ نے کہا: ارے نہیں یہ تو عباس بن حارث ہے۔

عمر بن عاص کہنے لگا: حکم دو تا کہ سارا لشکر حملہ کر دے۔ اگر امیرالمومنین علیہ السلام ہوئے تو

اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے اور اگر عباس بن حارث ہوئے تو حرکت کریں گے۔

سارے لشکر نے یک بارگی حملہ کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنی جگہ پر ڈٹے رہے اور لشکر تتر بتر ہوتا چلا گیا۔ مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المومنین علیہ السلام! آج آپؑ نے خود کو بڑی مشقت اور سختیوں میں ڈال رکھا ہے' میں قربان جاؤں تھوڑی دیر ستا لیجیے اور کچھ وقت کے لیے جنگ و جدال سے ہاتھ روک لیجیے۔ میں ہوں نا! آپؑ کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے مالک رضی اللہ عنہ! خدا کے نزدیک صاحب عزت و شرف وہ شخص ہے' جو جنگ و مبارزہ کرتا ہے اور اُحد' بدر' حنین اور خیبر میں جس نے بنفس نفیس شرکت کی ہو اور فرمایا: کاش! معاویہ اور عمرو بن عاص خود میرا مقابلہ کریں۔ میں اپنے شیعوں کو ان دونوں کی شر سے نجات دلا سکوں۔

مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کی قسم دی کہ اب میدانِ جنگ سے ہاتھ روک لیں' میدانِ جنگ کی باگ ڈور مالک رضی اللہ عنہ کو تھما دیں تو آپؑ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ مالک رضی اللہ عنہ نے میدان میں قدم رکھا اور رجز پڑھنا شروع کر دیے۔

مالک رضی اللہ عنہ کے رجز کے دو شعر:

بقيت و فری وانحرفت عن العلی
ولقیت اضیافی بوجه عبوس
ان لم اشن علی ابن هنده غارة
لم تخل یوما من ذهاب نفوس

"میں ان کے درمیان تھا اور پھر میں نے میدان کو عبور کیا۔ میں نیچے آیا اور ملاقات کروں گا۔ میں ناخواندہ قسم کا مہمان ہوں۔ مگر دشمنوں کے ساتھ خشم و غضب رکھتا ہوں۔ میں اگر معاویہ کے لشکر کو پراگندہ نہ کر سکا تو اُس کے لشکری سب کچھ ویران کر دیں گے اور سب کو قتل کر دیں گے۔"

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد میں مخلص اور محب وطن شیعوں سے کہہ سکتا ہوں: اے بادہ

عرفان کے مستانو! اے صبح یقین کے مدہوشو! اے میدانِ جنگ میں مقابلہ و مبارزہ کے آرزو مندو! اے بزمِ شہود کے ہم نشینو! اے محافلِ تجرید کی شمعو! اے مسائلِ توحید کی چشمو! اے آتشِ ریاضت کے ایندھنو! اے لحاتِ تجلی کے آموزگارو! اگر ان واقعات کے متعلق خوب فکر و تامل سے کام لو گے تو پھر اپنے سینوں خود ہاتھوں سے نہیں بل کہ پتھروں سے مجروح کرنے کو دل چاہے گا اور ایک ہی آواز ہر سُو سنائی دے گی:

واحسیناہ وا اماماہ وا غریباہ وا وحیداہ وا فریداہ وا عطشاناہ وا مظلوما

اب تو چشموں سے خون کا سیل رواں جاری ہونے کو ہے۔ اب تو کھانے پینے، سونے سمیت تمام دنیاوی لذائذ ہم پر حرام ہیں۔ اب تو "وَاحُسَيْنَاهُ" کی صدائیں آسمانوں تک پہنچیں گی۔

آپ کہہ سکتے ہیں: اے میرے آقا، اے مولا حسین علیہ السلام! اے سلطانِ دین! اے شہبازِ اوجِ یقین! اے شبستانِ ولایت و امامت کے چراغ! اے بوستانِ شجاعت کے سرو! اے جواں مردی کی نشاۃ ثانیہ! اگر امیر المومنین علیہ السلام جنگوں کے دوران تھک جاتے ہیں اور کمزوری ان کے جسمِ اطہر سے عیاں ہو سکتی ہے اور آپؑ اپنے بیٹے محمد حنفیہؒ کو اپنی جگہ سنبھالنے کا حکم دیتے ہیں تا کہ وہ خون کے طلب گاروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے تا کہ مولاؑ کچھ دیر آرام کر سکیں۔

اکثر اوقات تو مالک اشتر رضی اللہ عنہ عرض کرتے رہے بل کہ قسمیں اور واسطے بھی دیتے رہے کہ جنگ کو ترک کر کے تھوڑی دیر استراحت کر لیجیے، مالک اشتر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب و انصار جنگ کرنے اور میدانِ جنگ سنبھالنے کے لیے تیار ہیں۔ مولاؑ آپؑ نے سنا جب امیر المومنین علیہ السلام نے "ھل من معین" کی آواز بلند کی تو کئی ہزار افراد نے کہا: لبیک یا امیر المومنین علیہ السلام! اور تلواریں نیاموں سے نکال لیں۔ مگر ہائے حسین علیہ السلام! اگر میدانِ جنگ سے واپس پلٹ کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنا بھی چاہیں بل کہ اگر ایک دقیقہ بھی استراحت کرنا چاہیں تو سپاہِ کفر آرام کرنے نہیں دیتی۔ چاروں طرف سے تیز پتھر اور مختلف چیزوں کو آگ لگا کر مارنا شروع کر دیتے ہیں۔

اے کاش! جب سید الشہداء علیہ السلام کے میدانِ جنگ میں قتال و جدال کا سلسلہ اپنے عروج

پر پہنچے اور آپؑ کے جسم اطہر پر خستگی و تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہونے لگیں تو اصحاب و انصار، قاسم علیہ السلام، عباس علیہ السلام، اکبر علیہ السلام موجود ہوتے تلواریں سونت لیں۔ اے کاش!......

اس وقت شاید امیر المومنین علیہ السلام، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، حضرت حمزہ علیہ السلام، حضرت جعفر علیہ السلام، حارث بن عباس اور جوانانِ بنی ہاشمؑ اور ان کے پیرو سب کے سب اپنی نگاہیں نورِ دیدۂ فاطمہؑ کی راہ میں بچھائے ہوتے۔

آہ! آہ! مگر تب انبیاءؑ و اوصیاء کہاں جو اپنے مولا و سید و سردار کی حالت کو دیکھتے، یقیناً وہ پہلے پتھروں سے اپنا سر پھوڑتے، پھر سینہ پارہ پارہ کرتے۔ پھر اپنی اَرواح کو ولی مطلق پروردگار پر فدا کرتے۔ چوں کہ سب نے ولایت و امامتِ مطلقہ سے عہد و پیمان باندھ رکھا تھا۔

اس طرح کیوں کر نہ ہوتا؟ انبیاءؑ، رسل اور ان کے اوصیا کے درمیان جو فضیلت کے اعتبار سے درجہ بندی اور تفاوت نظر آتا ہے۔ اس کی عِلّت یہ ہے کہ جس نے جتنے خلوص سے ولایتِ مطلقہ سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے، اتنے ہی اس کے درجات بلند ہوتے گئے ہیں۔ گویا یہ سب محبتِ حسین علیہ السلام، مادرِ حسین علیہ السلام، پدرِ حسین علیہ السلام اور جدِ حسین علیہ السلام کا کرشمہ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انبیاءؑ و اوصیا میں سے جس کی محبت کامل ترین اور جامع ترین ہوئی وہ دوسروں کی نسبت افضل و برتر ہو جائے گا۔ یہی حال تمام انبیاءؑ و اوصیا کا ہے۔ بل کہ یہی قانونِ فضیلت، فرشتوں اور کروبیوں کے درمیان بھی جاری ہے۔ جی ہاں! چوں کہ شیعیانِ جہاں کا یہ عقیدہ ہے۔ آپ متعدد بار گوش گزار کر چکے ہوں گے:

ان موسی الکلیم ألبس حلة الأصطفاء لما شاهد و امنه الوفاء
و جبریل فی جنان الصاغورة ذاق عن حدائقهم الباکورة

"حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام نے خداوند کریم کی طرف سے برگزیدہ لباس پہنا، اس لیے کہ انھوں نے مشاہدہ کیا اور اس پر ایمان لائے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام انھیں ساتھ لے گئے جہاں انھوں نے بالکل نئے نویلے باغوں سے کھایا۔ جو میوہ جات سے بھرے ہوئے تھے، ہنوز ان باغوں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔"

## امیرالمومنین علیہ السلام کی بصرہ آمد

من جملہ وہ موارد جن کا تذکرہ یہاں صاحبانِ افکار سلیم و مستقیم کے لیے ضروری ہے وہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی بصرہ آمد۔ آپ بصرہ شہر میں ناکثین اور بی بی کے حامیوں کے ساتھ جنگ کے لیے تشریف لائے تھے۔ اس جنگ کو "جنگ جمل" کا نام دیا گیا۔

مُنذر بن جارود کہتے ہیں: امیرالمومنینؑ کے لشکر کا جاہ و جلال دیکھنے کے لیے بصرے شہر سے باہر نکل آیا۔ سارا لشکر ہزاروں سواروں پر مشتمل تھا۔ سب سے آگے آگے رئیس لشکر سفید لباس پہنے' کمر کے گرد شمشیر حمائل کیے' ہاتھوں میں پرچم تھامے' قیادت کرتے آرہے تھے۔

سواروں کے عمامے سفید اور زرد رنگ کے تھے اور سب کے سب مسلح تھے۔

میں نے پوچھا: ان کا رئیس اور سالار کون ہے؟

جواب ملا: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ' ان کے سوار انصار اور غیر انصار دونوں میں سے تھے۔

ان کے بعد دوسرا گروہ سامنے آیا جنھوں نے زرد عمامے پہن رکھے تھے مگر ان کے لباس سفید رنگ کے تھے۔ وہ تلوار باندھے' گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کا علم ان کے رئیس و سردار کے پاس تھا۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: خذیمہ ذوالشہادتین۔

اس کے بعد ایک تیسرا گروہ سامنے آیا جو گھوڑوں پر سوار تھے' تلواریں حمائل کیے ہوئے۔ انھوں نے بھی زرد عمامے پہن رکھے تھے۔ مگر ان عماموں کے اندر سفید ٹوپی تھی۔ ان کی قبائیں سفید تھیں۔ ہزاروں افراد کے بعد ایک شخص کے ہاتھ میں علم تھا۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: یہ ابوقتادہ ہیں۔

پھر ایک چوتھا گروہ سامنے آیا جو سفید گھوڑوں پر سوار تھے' سیاہ عمامے باندھے۔ اکثر کے رنگ تو گہرے گندمی تھے' جو بڑے سکون و متانت کے ساتھ چل رہے تھے اور بلند آواز سے

قرآنِ مجید کی تلاوت میں مشغول تھے۔ انھوں نے تلواریں اپنی کمروں کے گرد حمائل کر رکھی تھیں۔ سفید پرچم تھامے ہوئے تھے۔ ان کے آگے ایک کثیر تعداد میں لوگ چل رہے تھے جنھوں نے مختلف عمامے پہن رکھے تھے۔ ان کے جوان اور بوڑھے اردگرد تھے۔ ان سے خوفِ خدا بڑا واضح انداز میں عیاں تھا۔ وہ تو قیامت کے پڑاؤ میں ٹھہرنے والے انداز میں ٹھہرے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں سے ہُویدا تھے۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کا لشکر۔

ان کے ہم راہ مہاجرین و انصار کے سوار ہیں اور دوسرے اصحابِ رسولؐ اور مہاجرین و انصار کے بیٹے بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد ایک اور لشکر سامنے آیا جنھوں نے سفید ٹوپیوں پر سفید عمامے باندھ رکھے تھے۔ ان کی بلند قامتی دیدنی تھی' پاؤں (رکابوں سے) زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔

انھوں نے زرد علم اُٹھا رکھا تھا۔ ان کے اردگرد ہزاروں افراد زرد لباس پہنے موجود تھے۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: یہ حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ ان کے لشکر میں انصار اور ان کی اولادیں شامل ہیں۔

اس کے بعد ایک دوسرا لشکر سامنے آیا جو انتہائی خوب صورت' سفید لباس پہنے اور سیاہ عمامے زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ عمامے کے اطراف نے چہرے کو یوں گھیر رکھا تھا' جس طرح بادل کبھی کبھار چاند کو گھیر لیتے ہیں۔

میں نے عرض کیا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: یہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی معیت میں اصحابِ رسولؐ کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ان کے بعد شیبہ ابن عباس تشریف لائے۔

میں نے پھر استفسار کیا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: یہ قثم بن عباس ہیں۔ اس کے بعد تمام علم اور پرچم نزدیک آ گئے۔ نیزہ

برداروں کی ایک فوج اور ایک کثیر تعداد جو دیکھی ہوئی لگتی تھی' سب کے سب فولادی اسلحے میں غرق تھے۔ سب کے آگے علم بردار تھا۔ جس کے ہاتھ میں بہت بڑا پرچم تھا۔ جسے مضبوط' توانا ہاتھوں نے اُٹھا رکھا تھا۔ حامل پرچم کی نگاہیں گڑی ہوئی تھیں' اس کے دائیں بائیں دو جوان تھے۔ آپؑ سے آگے بھی ایک جوان انھیں خصوصیات کا حامل چل رہا تھا۔

میں نے عرض کیا: یہ کون ہیں؟

جواب ملا: امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔ ان کے دائیں بائیں' امامِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور امامِ حسین علیہ السلام ہیں اور آگے آگے محمد حنفیہ علیہ السلام ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی پشت پر عبداللہؓ بن جعفر علیہ السلام' اولادِ عقیل علیہ السلام اور دوسرے بنی ہاشمؑ اور جنگِ بدر کے بزرگ اصحاب اور مہاجرین و انصار کی ایک کثیر تعداد تھی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے حکم دیا: تمام سردارانِ لشکر ایک کونے میں جمع ہو جائیں۔

## سیدالشہداء علیہ السلام کا باطنی لشکر

سیدالشہداء علیہ السلام کا یہ ادنیٰ خادم آپؑ کے مخلص محبوں اور شیعوں کی خدمت میں اتنی گزارش کرنا چاہتا ہے کہ غور و فکر کر کے ایک ظریف اور لطیف راہ نکال سکتے ہو۔ جان لو کہ سلطانِ دین و دنیا امیرالمومنین علیہ السلام ایک پُرشکوہ لشکر کے ہم راہ بصرہ میں داخل ہوئے تھے۔ آج تک شاید ہی کسی نبی اور کسی وصی نے جہاد کی خاطر' اتنی بڑی لشکر کشی کی ہو۔ آج تک اتنے بڑے لشکر کی بابت سنا ہے نہ سنیں گے۔ جو امیرالمومنین علیہ السلام لے کر بصرہ میں داخل ہوئے تھے۔ اے مومنو! اپنی قوتِ تجزیہ تحلیل سے استفادہ کیجیے۔ تھوڑا سا فکر و تدبر کرو' ذرا دیر کے لیے اَسرارِ آلِ محمدؐ کے دریا میں غوطہ زن ہو جاؤ۔

اس ماجرے کے باطن اور چھپی ہوئی حقیقت کا ادراک کرنے کی کوشش کرو۔ وہ یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ کی لشکر کشی اس کی شان و شوکت اور پُرشکوہ جاہ و جلال کی درحقیقت حضرت امام حسینؑ کا لشکر اس کے باطن کی تجلی تھی۔ یہ دراصل اس کی حقیقی تصویر تھی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں معنوی' باطنی' عشقی اور ملکوتی جاہ و جلال تھا۔ ہائے! اے خون سے رنگین آنسو! تم

میں میرے جگر کا کوئی پارہ موجود نہیں؟ اے دلِ داغ دار! تم اب تک پانی کیوں نہیں ہوئے؟

مظلومؑ کے لشکر کی عظمت و شکوہ ایک طرف' ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اَجسام ایک طرف' عباس علم دار علیہ السلام کے کٹے ہوئے بازو ایک طرف' حضرت علی اکبر علیہ السلام کا زخم دریدہ پیکر اطہر اور کہیں خاک و خون میں غلطاں اَجسام موجود ہیں' جو اصحابِ باوفا کے ہیں۔ کہیں دُرِ یتیم علی اصغر شہید علیہ السلام کا جسم اطہر' تو کہیں حیران و پریشان کھڑی ہیں' زہراؑ کی بیٹیاں اور رسولؐ زادیاں' کہیں بچوں کی مضطربانہ چیخیں اور سب سے بڑھ کر مظلوم کربلاؑ کا جسم اطہر میں ان گنت تیر لگے ہوئے ہیں۔ تلواروں اور تیروں کے زخموں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

شان و شوکت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر طرف دشمنوں کے لاشے پڑے ہیں۔ اس کے باوجود سپاہِ کفر کی طرف سے پتھر' تیر' نیزے کے حملے جاری ہیں۔ آپ میدانِ جنگ کے وسط میں تشریف لائے۔ ایک لمحہ آرام کرنا چاہتے تھے' آپؑ اپنی ذوالفقار کو صاف کرنا چاہتے تھے۔

جوں ہی سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے لشکر کی شان و شوکت کا مشاہدہ کیا۔ اگرچہ غموں اور مصیبتوں کا دریا نظر آ رہا تھا۔ اہل حرمؑ اور بچوں کی چیخ و فریاد سنائی دے رہی تھی۔ آپؑ نے اپنے چہرۂ اقدس کو بارگاہِ ملکوتی پروردگار میں زمین پر رکھ کر خلعتِ بقا زیب تن فرمائی۔

فنا اور بقا کے ادراک کی صلاحیت صرف عقلِ کامل میں ہوتی ہے۔ بل کہ وہ بھی مکمل طور پر نہیں۔ عقلِ کامل بھی تو بقا و فنا محض جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ بل کہ اپنی عاجزی و ناتوانی کو تسلیم کر لیتی ہے۔ بل کہ وہ تو اسی حالت میں دریائے بہجت و سرور میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

اس گفتگو کو سن کر تعجب کا اظہار مت کرو۔ چوں کہ یہ صفت تو اصحابِ ولایتِ مطلقہ کی صفات میں سے ایک ہے اور ساداتِ ملکوت کے فضائل میں سے ایک خصلت ہے۔

خدا کی قسم! اس حالت میں بھی مظلومِ کربلا علیہ السلام عالمِ اِمکان کے ہزاروں محتاجوں کی مشکل کشائی اور ان تک فیضِ الٰہی پہنچانے کا وسیلہ بنے رہے۔ یہ بھی تو آپؑ کی شان و شوکت کی ایک مثال ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام کے حب داروں' عزاداروں اور مخلص عشاق کی خدمت میں اتنا عرض

کرتا ہے: ٹھہرو! سید الشہداء علیہ السلام کے حالات اور ان کی شان و شوکت کے متعلق خوب غور و فکر کرو۔ اپنے دلوں کے اندر جذبۂ "عشق حسینؑ" پیدا کرو تا کہ اس جذبہ کی گرمی سے تمھارے دنیا سے تمام تعلقات منقطع ہو جائیں۔ ورنہ تم کبھی مخلص محبّ کامل شیعہ اور حقیقی عاشق حسین علیہ السلام نہیں بن پاؤ گے۔

جی آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص علم و فضل میں مشہور و معروف ہو اس کے اندر مکمل طور پر عرفانِ حقیقی بھی موجود ہو اور وہ ایمان کے دقیق اور ظریف معاملات سے بھی آشنا ہو۔ مگر مقامِ اخلاص میں آ کر اس شخص کا دل جذبۂ "حسینیؑ" (جو عمل میں ثقلین کے برابر ہے) سے خالی ہو تو اس کے متعلق جو کچھ بھی مشہور اور معروف ہے وہ کھوکھلا ہے' دکھلاوا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ بالفرض اگر ایسا شخص خداوند متعال کے بتائے ہوئے کسی بلند مقام پر بھی فائز ہونے کا دعویٰ کرے۔ پھر بھی وہ اپنے دعوے میں ہرگز سچا نہیں ہے۔ اس لیے کہ محبت حسین علیہ السلام ایک ایسا باب ہے' جس سے جذبۂ الٰہیہ کا ادراک ہوتا ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

"گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔"

یہیں سے پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں چھپے ہوئے راز بھی عیاں ہوتے ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے:

اِنَّ لِلْحُسَيْنِ لَمَحَبَّةً مَكْنُوْنَةً فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ

"مومنین کے دلوں میں حسین علیہ السلام کی محبت نہفتہ ہوتی ہے۔"

بالکل واضح ہے اس راستے سے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقام و مدارج بیان ہو رہے ہیں وہ صرف اس مقام سے مخصوص نہیں ہیں بل کہ سابقہ علما و فضلا کی سنت تو یہ رہی ہے کہ شیخ شمس الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ جب شاہ اسماعیل صفوی نے شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی تو استفسار کیا: آپ نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کی خاطر۔

شاہ نے جواب دیا: عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام تو محرم میں ہوتی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لوگوں کو یہی تو اشتباہ ہے، عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام تا طلوع صبح قیامت جاری رہے گی۔

## اُونٹ کا کینہ

اس فصل میں جن دوسرے واقعات کا تذکرہ ضروری ہے وہ ہے جنگ جمل میں بی بی کی داستان۔ اس جنگ کے ایک دن (ظہر سے مغرب تک) جب بی بی نے بیس ہزار افراد کا قتل کرایا جن میں سے تیرہ (۱۳) ہزار کا تعلق خود ان کے اپنے لشکر سے تھا اور پانچ ہزار کا تعلق امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر سے تھا۔ جنگ کے دوران بعض لشکری یہ گفتگو کر رہے تھے: اے بی بی! طلحہ و زبیر قتل ہو چکے ہیں اب امیر المومنین علیہ السلام سے صلح کر لو۔

بی بی نے جواب دیا: **هیهات کبر عمر عن الطوق وجل امرعن العتاب۔**

اس لیے کہ ابھی تک سو (۱۰۰) کے قریب سرداروں نے ان کے اُونٹ کی مہار تھامی ہوئی تھی۔ جو ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچے۔ اس کے باوجود بی بی لوگوں کو جنگ و قتال پر اُکساتی رہیں۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہی تھیں:

**ایها الناس علیکم بالصبر فانما بصیرالاحرار**

"اے لوگو! صبر کرو اس لیے کہ آزاد بندے ہی صابر ہوتے ہیں۔"

بی بی نے خود زرہ بھی پہن رکھی تھی اور ان کی اُونٹنی کے کجاوہ پر بھی زرہ اور آہنی چادر سی لگی ہوئی تھی۔ اس دن منافقوں کی ایک بڑی تعداد امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئی۔ دوسری طرف اکابرین صحابہ کرام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت حمق خزاعی رضی اللہ عنہ، حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں بنفس نفیس شرکت فرمائی۔

محمد بن حنفیہ علیہ السلام نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کر کے فنونِ حرب اور آثار علیؑ کو ظاہر کیا۔ بالآخر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد حنفیہ علیہ السلام! میرا نیزہ لے کر جاؤ اور بی بی کے اُونٹ کو قتل کر دو۔

آپؑ نے نیزہ لیا اور گھوڑا دوڑا کر بی بی کے اُونٹ تک پہنچنا چاہتے تھے مگر ساری کوششیں بے سود رہیں چوں کہ قبیلے بنی ضبہ کے افراد نے اُونٹ کے گرد حفاظتی حصار بنا رکھا تھا۔ محمد بن حنفیہ علیہ السلام واپس لوٹ آئے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ علیہ السلام سے وہی نیزہ لیا۔ قبیلہ بنی ضبہ کے حصار کو توڑ کر بی بی کے اُونٹ تک پہنچ گئے اور اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ پھر اسی طرح خون آلود نیزہ تھامے واپس آئے۔

یہ حالت دیکھ کر محمد بن حنفیہ علیہ السلام نے تھوڑی سبکی محسوس کی اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

لا تأنف فانه ابن النبي و انت ابنِ عليٍّ

''سبکی محسوس نہ کرو، یہ نبیؐ زادے ہیں اور تم میرے بیٹے ہو۔''

تم کیا، تمھیں ملا کر اگر تمام شجاعانِ عالم کا مقابلہ شجاعتِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے کرایا جائے پھر بھی حسن علیہ السلام کی شجاعت زیادہ ہے۔

جب عسکر (جو شیاطین کا ایک گروہ تھا) بی بی کے اُونٹ کا کجاوہ زمین پر گرانا چاہتے تھے۔ آپؑ نے محمدؓ بن ابی بکر کو حکم دیا: فوراً بہن کے پاس پہنچ جاؤ۔

محمدؓ بن ابی بکر نے جا کر پوچھا: امیر المومنین علیہ السلام پوچھ رہے ہیں، تمھیں کوئی تیر تو نہیں لگا۔ بی بی نے جواب دیا: لگا تو ہے مگر زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔

بی بی نے مزید کہا: اے میرے بھائی! عبداللہ بن زبیر کو زندہ یا مردہ لے آؤ۔ محمدؓ بن ابی بکرؓ عبداللہ بن زبیر کو تلاش کر کے لے آئے اور کہا:

قم يا مشوم اهل بيته

''اُٹھو اے گھٹیا خاندان والے!''

بی بی نے کہا: اے بھائی! امیر المومنین علیہ السلام سے اس کے لیے امان طلب کرو۔ محمدؓ بن ابی بکر نے بی بی کی خواہش امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچائی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: اسے بھی اور جو جو بی بی کے ساتھ ہے' اسے بھی امان دی جائے۔ پھر امیرالمومنین علیہ السلام نزدیک تشریف لائے اور فرمایا: اے بی بی!

اھکذا امرک رسولُ اللّٰہ ان تفعلی؟

''کیا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم کے مطابق کام کیا؟''

بی بی نے کہا:

یا ابالحسن ظفرت فاحسن و ملکت فاسمح

''اے ابوالحسن علیہ السلام! آپؑ جیت گئے ہیں' لہٰذا نیکی کریں۔ مالک بن گئے ہیں' لہٰذا معاف کر دیں۔''

آپ نے اس داستان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا بی بی سے حُسنِ سلوک کے متعلق پڑھا ہے۔ آؤ گریہ کرتے ہوئے کہو: وَامُحَمَّدا' وَاعَلِیّا۔

اور کہو: بنی اُمیہ کے مظالم پر ہزاروں فریادیں' بنی اُمیہ تو ضربِ شیطان تھے اور خلفائے خدا کے دشمن تھے۔ ان ظالموں نے تو نورِ زہرا' قلبِ پیغمبرؐ یعنی بدنِ سیدالشہداء علیہ السلام پر ہزاروں تیروں' تلواروں اور نیزوں سے زخم لگائے۔ اگرچہ آپؑ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتے تھے مگر پتھروں' تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ بل کہ آپؑ پر آگ ڈالی گئی۔

اس پر اکتفا نہیں کیا گیا بل کہ اسی دوران میں سب نے خیام کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہ چاہتے تھے کہ سیدالشہداء علیہ السلام کی زندگی میں خیام لُوٹ لیے جائیں' تا کہ سیدالشہداء علیہ السلام کو شدید پریشانی اور اِضطراب کا سامنا کرنا پڑے اور ان کے اندر جنگ کرنے کی طاقت بہت جلد ختم ہو جائے۔ مگر امامؑ نے اُن لعینوں کو للکارا: خبردار! کوئی خیام کی طرف مت جائے۔

یہی تو امامؑ کی معنوی اور باطنی شان و شوکت تھی۔ یہی وہ حقیقی مقام تھا' جس پر آپؑ فائز تھے۔

# فصل چہارم

# کیفیت

# شہادتِ حضرت سید الشہداء علیہ السلام

# محبت و عشقِ حسینؑ

اے مدہوشانِ شرابِ یقین! اے سرمستانِ بادۂ دین! کیا تم عطرِ اشراقی انوارِ غیب اور ارادتِ قلبی لاھوتی کا ماتم کر رہے ہو؟ کیا تم لوگ کاروانِ ملکوت کی گرد پا کا مشاہدہ کر رہے ہو؟ جب کہ عشقِ حسین علیہ السلام تو طالبانِ طریق اور راہِ حقیقت کے مانند سر پر زخم کھائے اور سینے میں خنجر کی انی کو محسوس کر رہا ہے:

عشق آمد و دل ز دست ما برد

تدبیر ز عقل جلا برد

برسوں سے محبتِ حسین علیہ السلام ماہِ تاباں ہے۔ روزِ اوّل ہی سے موجودات کو عشقِ حسین علیہ السلام کی جانب متوجہ کیا گیا۔ عزاداریِ سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ پر مرثیہ خوانی کرتے وقت نفسانی لذائذ کو ترک کر دو تا کہ تمھیں ایمان اور یقین کے عالی ترین مراتب پر مشرف کیا جائے۔ ذرا آتشِ عشقِ حسینؑ میں جلنے اور آپؑ پر گریہ کرنے کا مزہ تو چکھو، تم خود کو ابرِ بہاراں پر سوار محسوس کرو گے:

عجبت نیران الھوی ان جمرھا

توھج من ماء المدامع واضطرم

"مجھے آتشِ ہوا اور اس کے باطن پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ آتش تو درحقیقت پانی سے جل رہی ہوتی ہے۔"

جی ہاں! باطن میں سرمستی ہو تو عشقِ حسینؑ تحقق پاتا ہے اور تب حدیثِ رسولؐ کا مصداق واقعی بنتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ شرابًا لاولیائه اذ شربوا سکروا

و اذا سکروا طربوا و اذا طربوا طلبوا اذا طلبوا وجدوا

"بہ تحقیق خداوند متعال کے ہاں ایک شراب ہے، جو صرف دوستوں کے

لیے مخصوص ہے۔ جب وہ پیتے ہیں تو مدہوش ہو جاتے ہیں۔ جب وہ مدہوش ہو جاتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ جب وہ از حد مسرور ہوتے ہیں تو پھر طلب کرتے ہیں اور جب طلب کرتے ہیں تو پا لیتے ہیں۔"

چند برس قبل شب عاشور میں فکر و تامل کے اس مقام پر تھا۔ حالات و واقعات میرے سامنے اور میرے حق میں تھے۔ میں خداوند متعال سے ان حالات کے دوام کی دعا کرتا تھا۔ میری زوجہ صالحہ مرحومہ کہا کرتی تھی: یہ کیا حالت ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی آپ کے اشک کھانے میں جا گرتے ہیں؟

میں نے کہا: اے صالحہ! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ کل کون سا دن ہے؟

پھر میں اس مناسبت سے عربی کے یہ دو شعر پڑھتا:

وقائلة قابان دمعك اسودا
وقد كان محمرا و انت بخيل
فقلت لها ان الدموع تصرمت
وهذا سواد العين فهو يسيل

"بسا اوقات تو کہنے والے کہتے تیری دو آنکھیں سالم تو ہیں نا! یہ سرخ تو ہو جاتی ہیں مگر اشک ریزی کے معاملے میں بخل سے کام لیتی ہیں۔ میں ان سے کہتا: اگرچہ میری آنکھیں سالم ہیں لیکن آنکھوں کے اشک تمام ہو گئے ہیں۔ پس آنکھ کو محو گریہ رہنا چاہیے۔"

میں پھر بھی کہوں گا:

با یاد روی او نفس آتشین خوش است
ہر کس کہ لاف مہر زند این چنین خوش است
عشقی کہ رفتہ رفتہ جنون آورد چہ سود
دیوانہ گشتن از نگہ اولین نوش است

چند سال قبل جب میں کتاب "اکسیر العبادات فی أسرار الشہادات" پر کام کر رہا تھا تب میری کیفیت یہ ہوئی کہ مجھ پر اشک واندوہ کی شدت چھا گئی۔ اس طرح کہ میرے اندر ضبط تحریر کی توانائی معدوم ہوتی چلی گئی۔ اکثر اوقات تو قلم میرے ہاتھ سے گر جاتا' میں کچھ بھی لکھنے سے قاصر ہو جاتا۔ مبہوت و متحیر اور مضطرب سا رہتا۔ مجھے اپنی روح میں کسی قسم کی طاقت و توانائی کا احساس نہ ہوتا۔ ان دنوں یہ شعر میرے حالات کا عکاس تھا:

ستم کشان محبت دل از فغان بستند
گرہ از جبہہ گشادند بر زبان بستند

میں کبھی قلم اُٹھاتا کہ کچھ تحریر کروں تو لکھنے کے بعد پتا چلتا کہ جو کچھ لکھا ہے' اس کا میری بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تو نامربوط جملے تحریر کیے ہیں۔ اگر آپ میری کیفیت سے مکمل آگاہی چاہتے ہیں تو "اکسیر العبادات فی أسرار الشہادت" کی طرف رجوع کیجیے گا۔ آپ کو بہ خوبی علم ہو جائے گا۔ کبھی کبھی تو خوف کا یہ عالم ہوتا کہ مجھے گمان ہونے لگتا کہ اگر یہ سب کچھ میں نے تحریر کیا تو قلم سے میری اُنگلیاں جل جائیں گی۔

## حکایت ملا محمد آفندی

ملک محمد آفندی استنبولی عالم کامل اور فاضل قسم کے انسان تھے۔ جو تقریباً ایک صدی قبل استنبول میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے سید الشہداء علیہ السلام کے مصائب پر ایک منظوم کتاب تحریر کی۔ انھوں نے اخبار اور روایات کا ترکی زبان میں اشعار کی صورت میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ شیوخ اور بزرگان نے اپنے والدین سے نقل کیا ہے۔ اہل سنت کے متعصب علما نے ان پر کافی اعتراض کیے اس ضمن میں انھیں خطوط بھی لکھے اور مقالے بھی تحریر کیے' جن کا مضمون یہ تھا:

"اے ملک محمد! تم مچھلی فروشوں کے محلے میں سکونت پذیر ہو جس کی بدبو سے تمھارا دماغ پراگندہ اور خراب ہو گیا ہے۔ یہ تم نے کون سی فیکٹری لگا رکھی ہے جسے تم خود ہی چلاتے ہو۔ سنا ہے تم نے شہادت حسین علیہ السلام کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ گریہ زاری اور سینہ کوبی پر اشعار بھی لکھے ہیں اور خود

بھی یہ عمل کرتے ہو۔ حسین علیہ السلام کے مصائب پر اشعار کہتے ہو۔ لگتا ہے تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے۔''

اس عالم ربانی نے ایسے متعصب اور پروردگار سے دُور افراد کو اس طرح جواب دیا ہے:

''ویل اور صد ویل ہو تم پر اور تمہاری ماؤں پر! اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تم اپنے باپ کی اولاد ہی نہیں ہو۔ کیا اگر کوئی بندہ اہل سنت ہو جائے تو اس پر نواسۂ رسولؐ، جگر گوشہ بتولؑ کا غم اور عزاداری و گریہ ممنوع ہو جاتا ہے؟ یا اس غم پر گریہ کرنے والوں کی توبیخ ضروری ہے؟''

قوربی آفندی نے نقل کیا ہے وہ عالم بابصیرت فرماتے ہیں: جب میں کتاب تالیف کر رہا تھا تو اکثر اوقات میں اپنے دل میں موجود آتش التہاب سے ڈر جاتا تھا کہ کہیں میری انگلیاں میرا دل جلا کر راکھ نہ کر دیں۔ جیسا کہ بعض بزرگان کا کہنا ہے کہ ایسا ہو جاتا ہے (ان کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا ہے)۔

کتاب مکمل کرنے کے بعد ملا محمد آفندی مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انھوں نے اپنی کتاب قبر مطہر رسول ﷺ پر رکھی اور شدید گریہ زاری کی۔ خدا اور رسول خدا ﷺ کی خدمت میں درخواست کی: اگر اس میں کوئی مطلب حقیقت سے ہٹ کر یا بے بنیاد ہے تو قلم غیب سے اس کی اصلاح کر دیجیے یا اسے مٹا دیجیے۔

چند دنوں بعد انھوں نے اپنی کتاب اُٹھائی' دیکھا کہ چند مطالب پر خط کھنچا ہوا ہے۔ تب سے لے کر آج تک اس عالم بابصیرت کے محلے کے لوگ روز عاشورا اپنے محلے کی مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کتاب کے مطالب کو پڑھتے ہیں اور گریہ زاری کرتے ہیں۔

یہ اس داستان کا نچوڑ تھا جو قوربی آفندی نے نقل کی ہے۔ اگرچہ وہ اہل سنت مذہب کے پیرو تھے مگر ہر قسم کا تعصب بھی رکھتے تھے۔ البتہ یہ داستان جہاں تک حقائق سے تعلق رکھتی ہے اس کو قبول کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔

سبحان اللہ! اس زمانے کے جہلا پر جو خود کو شیعوں اور محبوں میں شمار کرتے ہیں۔ مگر جوں

ہی اس قسم کی حکایات اور داستانیں سنتے ہیں فوراً ان کے حالات درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس کے چہروں سے مایوسی سی جھلکتی ہے۔ معلوم نہیں یہ قدرتِ خدا کے منکر ہیں یا مقام و منزلت سیدالشہداء علیہ السلام کے منکر ہیں کہ آپؑ کا خدا کے نزدیک گویا کوئی مقام نہیں ہے۔

میرا خیال ہے اس عالم بزرگ وار کی اُنگلیاں تب جلی ہوں گی' جب وہ سیدالشہداء علیہ السلام کی پشتِ ذوالجناح سے زمین کربلا پر آمد کی کیفیت کو تحریر کر رہے ہوں گے: ہائے صد افسوس! اس بیان سے قبل کاش! میری توانائیاں سلب کر لی جائیں۔ چار پانچ دن ہو گئے ہیں' میں اس فصل پر رکا ہوا ہوں۔ میں خود کو پریشان اور بیمار سا محسوس کر رہا ہوں۔ بارہا میں نے قلم اُٹھایا مگر وہ گر جاتا ہے۔ میں اب بھی پروردگار سے طاقت و توانائی کا طلب گار ہوں۔

## پشتِ ذوالجناح سے زمین کربلا تک کا سفر

اس سلسلے میں اربابِ مقاتل سے منقول روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ میں اس باب میں ان شاء اللہ ان سب کے درمیان موجود قدرِ مشترک کو پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے آخری حملے اور مقابلہ کرنے کی کیفیت دیکھ کر شمر (لعنۃ اللہ) نے عمر بن سعد کو مخاطب کر کے کہا: اے امیر! لگتا یہ ہے کہ یہ شخص سارے لشکر کو بہت جلد تباہ اور فنا کر دے گا۔

ابن سعد نے کہا: پھر کیا سلوک کریں؟

شمر (لعنۃ اللہ) نے رائے دی: سارے لوگوں کو حکم دیا جائے' چاہے سوار ہیں یا پیدل وہ اہل جنگ ہیں یا دوسرے افراد (بازاری اور مصنوعات بیچنے والے) کہ سب مل کر حملہ کریں اور تین دستوں میں تقسیم ہو جائیں۔ جو جنگ جُو حضرات ہیں' وہ تلواروں اور نیزوں سے حملے کریں اور جو تیرانداز ہیں' وہ تیر برسائیں اور جو بازاری اور تاجر قسم کے لوگ ہیں' وہ آگ میں جلتی لکڑیاں لے کر پھینکیں۔ شاید یہ چال کامیاب ہو جائے اور یہ شخص گھوڑے کی زین سے زمین پر آ جائے۔ ابن سعد (لعنۃ اللہ) نے فوراً اس منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے حکم جاری کیا۔ اسی ترتیب سے کفار نے جنگ شروع کی۔ مگر حجتِ کبریٰؑ' ولی مطلقؑ خدا نے جیسا کہ ہم بیان کر

بچے ہیں' سارے لشکر کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرنا شروع کیا۔ ان کی کثیر تعداد کو جہنم کا راستا دکھلایا۔ باقی بچ جانے والوں کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ سید الشہداء علیہ السلام چند لمحے آرام کرنا چاہتے تھے کہ ایک بہت بڑا پتھر آپؑ کی پیشانی پر آ کر لگا' جس سے پیشانی میں زخم ہوا اور خون بہنے لگا۔ آپؑ نے اپنی قمیص کے کنارے سے جب خون صاف کرنا چاہا تو ایک تین شعبہ تیر' جو مسموم بھی تھا' آ کر آپؑ کے سینۂ اقدس پر لگا۔

آپؑ نے فرمایا: بِسمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰہِ

پھر آپؑ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا: اے میرے پروردگار! تُو جانتا ہے یہ قوم اس مرد کے قتل کے درپے ہے جس کے علاوہ کوئی فرزندِ رسولؐ نہیں ہے۔

آپؑ نے ہاتھ بڑھا کر اس تیر کو پشتِ مبارک کی طرف سے کھینچ کر نکالا۔ خون فوارے کے مانند نکلنا شروع ہو گیا۔ آپؑ نے زخم پر اپنا دستِ مبارک رکھا جو خون سے بھر گیا۔ آپؑ نے وہ خون لے کر آسمان کی طرف پھینکا' جس کا ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ اسی وقت آسمان پر سرخی چھا گئی۔ آپؑ نے پھر خون اپنی مٹھی میں بھرا جس سے اپنے سر اور نورانی محاسن کو خضاب کیا اور فرمایا: میں اس حالت میں اپنے نانا رسولِؐ خدا سے ملاقات کروں گا کہ میں اپنے ہی خون سے خضاب کیے ہوئے ہوں گا۔ اس طرح میں اپنے اُوپر ہونے والے مظالم کی خبر دوں گا۔

اس دوران میں آپؑ پر شدید ضعف طاری ہوا۔ آپؑ نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آپؑ ایک منٹ آرام کرنا چاہ رہے تھے کہ اچانک مالک بن نُسیر لعین آیا جس نے آپؑ کو نازیبا کلمات کہے اور آپؑ کے سرِ اقدس پر تلوار ماری۔ اس وقت آپؑ کے سرِ اقدس پر "بُرنُس" تھی (ایک خاص قسم کی ٹوپی تھی جو صدرِ اسلام میں پہنی جاتی تھی) جو خون سے رنگین ہو گئی۔

آپؑ نے فرمایا: اے ظالم! تم اس ہاتھ سے کھا سکو گے نہ پی سکو گے۔ خدا تمھیں کافروں اور ظالموں کے ساتھ محشور کرے گا۔ آپؑ نے "بُرنُس" اُتاری اور "قلنسوہ" پہن لی اور اس پر عمامہ باندھ لیا۔ اس دوران میں ضعف غلبہ پا رہا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ "بُرنُس" خون سے پُر ہو چکی تھی' اسے زمین پر پھینک کر آپؑ نے ذوالجناح کو خیام کی طرف جانے کا حکم دیا اور اہل حرمؑ سے ایک کپڑا طلب کیا اور سر کے زخم پر باندھا۔ پھر اس پر "قلنسوہ" پہن کر عمامہ باندھا اور فرمایا:

یا زینبؑ! یا اُمِّ کلثومؑ! یا سکینہؑ! یا رقیہؑ! یا فاطمہؑ! علیکن منی السلام

بی بی زینبؑ بھاگ کر تشریف لائیں اور عرض کیا: آپؑ کو موت کا یقین ہو گیا ہے اور قتل ہونے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: کیوں کر مجھے اپنے قتل اور موت کا یقین نہ ہو جب کہ میرا کوئی بھی یار و مددگار نہیں بچا۔

بی بی زینبؑ نے گریہ فرمایا اور عرض کیا: اے بھائی! ہمیں ناناؐ کے روضہ پر پہنچا دو۔

آپؑ نے فرمایا: اگر ممکن ہوتا تو تمھیں کبھی اس عالم میں نہ چھوڑتا۔

بی بی زینبؑ کی مقدس آنکھوں سے آنسو بارش کے مانند جھڑنے لگے۔

آپؑ نے اپنے بال کھولے اور منھ پر پیٹنا شروع کیا اور فرمایا:

وا وحدتاہ وا قلۃ ناصراہ وا سو منقلباہ وا شوم صاحباہ

"ہائے تنہائی' ہائے کوئی مددگار نہیں' افسوس ہے اس بُرے حادثے پر' افسوس ہے اس دشمن کے بُرے لشکر پر۔"

سیدالشہداء علیہ السلام نے فرمایا: اے دخترِ مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؑ! صبر کرو' تمھارے رونے کے لیے طویل مدت پڑی ہے۔

امامؑ اُٹھے تاکہ خیمے سے باہر آ سکیں' مگر بی بی زینبؑ نے آپؑ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا: اے بھائی! صبر کرو تاکہ آپؑ سے توشہ لے سکوں' صبر کرو تاکہ نورانی جمال کا دیدار کر سکوں۔ آپؑ وہ وداع کر رہے ہیں جس کے بعد پھر ملاقات اور دیدار ممکن نہیں۔

دخترِ علیؑ نے اپنے بھائی کے پاؤں اور ہاتھوں کے بوسے لیے۔ اس دوران میں ساری

بیبیاںؑ اور بچے مظلوم کربلا علیہ السلام کے گرد اکٹھے ہو گئے اور چاروں طرف سے صدائے گریہ بلند ہونے لگی' فریاد اور بین ہونے لگے' سب سید الشہداء علیہ السلام کے قدموں اور ہاتھوں پر بوسے دینے لگے۔

## شہادتِ حضرت عبداللہؑ بن حسن علیہ السلام

جب سید الشہداء علیہ السلام خیمے سے باہر تشریف لائے' حضرت عبداللہؑ بن حسن علیہ السلام جو بچے تھے' وہ سید الشہداء علیہ السلام کی طرف دوڑے۔ مگر سیدہ زینبؑ نے آگے بڑھ کر انھیں پکڑ لیا اور انھیں خیمے میں واپس لے جانا چاہتی تھیں مگر عبداللہ علیہ السلام نے گریہ کیا اور کہا: میں اپنے چچا بزرگ سے ہرگز علیحدہ نہیں ہو سکتا' انھیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ خود کو بی بی زینبؑ کی گرفت سے آزاد کرا لیا اور امامؑ کے پاس جا پہنچے۔ بحر بن کعب اور بعض کے بقول حرملہ بن کاہل تلوار کھینچ کر رہا تھا کہ وہ امامؑ پر حملہ کر سکے۔ اس معصوم بچے نے فریاد کی: اے ولد الزنا! تم میرے چچا کو قتل کرنا چاہ رہے ہو؟

عبداللہ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ تلوار کو امامؑ تک پہنچنے سے روکے' جس کے نتیجے میں عبداللہ علیہ السلام کے ہاتھ کٹ کر چمڑے سے لٹکنے لگے۔ فوراً پکار اُٹھے: چچا جان!

سید الشہداء علیہ السلام نے انھیں اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا:

یا بن أخی اصبر علٰی مانزل بك واحتسب فی ذلك الخیر
فان اللہ یلحقك بابائك الصالحین

"اے میرے بھتیجے! جو تم پر مصائب نازل ہوئے ہیں ان پر صبر کرو انھیں خیر اور نیکی سمجھو' خداوندِ کریم تمھیں تمھارے نیک اور صالح آباواجداد سے ملانے والا ہے۔"

اسی دوران میں حرملہ بن کاہل (لعنۃ اللہ) نے تیر مارا تو وہ بچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی آغوش میں ہی ذبح ہو گیا۔ سبحان اللہ! واویلاہ! مصیبتاہ!

اسی لمحے شمر (لعنۃ اللہ) نے خیام پر حملہ کر دیا اور ایک خیمے میں نیزہ مارا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: جاؤ آگ لے کر آؤ' تاکہ ان خیام کو اور جو کچھ ان میں ہے جلا کر راکھ کر دیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ذی الجوشن کے بیٹے! تم میرے خاندان کو جلانا چاہتے ہو؟ خدا تمھیں دنیا و آخرت کی آگ میں جلائے۔

اس دوران میں شبث بن ربعی نے آ کر شمر کو ملامت کی؛ جس کی وجہ سے شمر نے خیام جلانے کا اِرادہ ترک کر دیا۔

اس بات پر توجہ رہے کہ عبداللہؑ بن الحسن علیہ السلام کی شہادت اُس وقت ہوئی؛ جب امامؑ ذوالجناح پر سوار تھے اور ابھی پشت ذوالجناح کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے البتہ جو مرثیہ خوان حضرات کہتے ہیں کہ امامؑ کے پشتِ ذوالجناح سے گرنے کے بعد بھی عبداللہؑ بن حسن علیہ السلام زین ذوالجناح پر موجود رہے؛ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

## زین ذوالجناح سے گرنا

جب مظلومِ کربلا علیہ السلام میدانِ جنگ کے وسط میں پہنچے تو (اسی ضعف اور ناتوانی کے عالم میں) جنگ و قتال کا سلسلہ جاری رکھا۔ کفار نے بھی چاروں طرف سے تلواروں؛ پتھروں اور نیزوں سے حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نیز آگ برسائی جا رہی تھی۔ اچانک صالح بن وھب (لعنۃ اللہ) نے آپؑ کے پہلوئے مبارک پر نیزہ مارا۔ اسی وقت خولی بن یزید (لعنتی) نے تیر مارا جو آپؑ کے سینۂ اقدس کے ایک طرف لگا۔ عین اسی جگہ زرعہ بن شریک (لعنتی) نے تلوار ماری۔

اے عزادارانِ سیدالشہداء علیہ السلام! اے مخلص محبین! یہ وہی مقام ہے؛ جسے تحریر کرنے سے میں قاصر تھا؛ نہ معلوم میرا قلم اور اُنگلیاں جل کیوں نہیں گئیں؟ میرا دل کیوں خون نہیں ہوا اور آنکھوں کے ذریعے باہر کیوں نہیں آیا؟ اس وقت آسمان کے ٹکڑے کیوں نہیں ہوئے؟ اور زمین پھٹ کیوں نہیں گئی؟ عالم اِمکان میں ایک بھونچال سا کیوں نہیں آیا؟

اگر یہ حالات سننے کی طاقت و توانائی ہے تو سنیے: آپؑ کے بدنِ اطہر پر لگنے والی تلواروں؛ تیروں اور نیزوں کے زخم سبب بنے کہ حجتِ کبریٰؑ اور ولی مطلق خداؑ پشت ذوالجناح پر توازن کھو بیٹھے اور سجدۂ تعفیری (جس میں ایک رُخسار خاک پر ہوتا ہے) کے انداز میں خاک

کربلا پر آ گئے اور فرمایا:

بِسمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ علٰی مِلّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

بی بی زینبؑ نے جب یہ حالت دیکھی تو خیمے سے باہر تشریف لائیں اور فرمایا:

وَا اَخَاهُ. وَا سَیِّدَاهُ وَ اَهلُ بَیتَاهُ. لَیتَ السماء طبقت علی الارض. و لیت الجبال تدکدکت علی السماء

"اے میرے بھائی! اے میرے سردار! اے خاندانِ پیغمبرؐ! کاش آسمان زمین پر گر جاتا! اے کاش! پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیتے اور آسمان تقسیم ہو جاتا۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سجدۂ تعفیری سے سر اُٹھایا۔ شمر (لعنتی) نے اپنے لشکریوں کو آواز دی اور کہا: اب کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ حملہ کیوں نہیں کرتے ہو؟

سب نے مل کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ زرعہ بن شریک (لعنتی) نے آپؑ کے دائیں کاندھے پر ضرب لگائی۔ آپؑ نے بھی زرعہ کو ضرب لگا کر واصل جہنم کیا۔ ایک دوسرا ملعون آگے بڑھا۔ اس نے دوسرے کاندھے پر حملہ کیا۔ آپؑ منہ کے بل زمین پر گر گئے۔ شدید ضعف غالب آ گیا۔ کبھی اُٹھتے' کبھی گرتے۔ عین اسی وقت سنان بن انس (لعنتی) نے آپؑ کے حلق مبارک کے پاس نیزہ مارا اور باہر کھینچا پھر یہی نیزہ سینہ اقدس پر مارا۔ اس کے بعد ایک تیر مارا جو حلق سے پار ہو گیا۔ اس وقت آپؑ کھڑے تھے۔ آپ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور گلے میں پھنسے ہوئے تیر کو نکالنے لگے۔ آپؑ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گلے کے خون سے بھر لیا' جس سے اپنے سر اور محاسن کو خضاب کیا اور فرمایا: میں اسی طرح اپنے ربّ سے ملاقات کروں گا اور اپنے ربّ کے حضور عرض کروں گا کہ میرا حق غصب کیا گیا اور مجھے اس عالم غربت میں شہید کیا گیا۔

سید الشہداء علیہ السلام چہرے کے بل زمین پر گرے۔ آپؑ پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب غش سے افاقہ ہوا اور اُٹھنا چاہا اور قتل و جدال کرنا چاہا مگر اُٹھ نہ سکے۔ آپؑ نے بلند آواز سے گریہ اور مناجات شروع کیں:

وَاجَدَّاهُ! وَا مُحَمَّدَاهُ! وَا اَبَا الْقَاسِمَاهُ! وَا اَبَتَاهُ وَا عَلِيَّاهُ! وَا حَسَنَاهُ! وَا جَعْفَرَاهُ! وَا حَمْزَتَاهُ! وَا عَقِيلَاهُ! وَا عَبَّاسَاهُ! وَا غُرْبَتَاهُ! وَا قِلَّةَ نَاصِرَاهُ

میں مظلوم قتل کیا جاؤں گا درحالاں کہ میں نواسۂ رسولؐ ہوں۔ میں تشنہ قتل کیا جاؤں گا درحالاں کہ میں فرزند مرتضیٰ علیہ السلام ہوں۔ میرے خیام لوٹے جائیں گے اور میرے اہل وعیال اسیر کر لیے جائیں گے درحالاں کہ میری ماں فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

ایک بار پھر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپؑ خاکِ کربلا پر ساکت وجامد لیٹ گئے۔ تین گھنٹے کفار حیرت و اِضطراب کے بت بنے کھڑے رہے، کسی کو بھی آپؑ کے نزدیک آنے اور قتل کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

جب ہوش میں آئے تو قبیلہ کندہ کے ایک ملعون نے آپؑ کے سرِ اقدس پر تلوار سے ضرب لگائی۔ آپؑ کے سر میں شگاف ہو گیا۔ آپؑ کے محاسن پر خون بہنے لگا۔ آپؑ نے اپنی ٹوپی اُتار کر پھینکی تو اس ملعون نے اُٹھالی۔

آپؑ نے فرمایا: خدا کرے تم اس ہاتھ سے کھا اور پی نہ سکو۔ تم کو خدا ظالموں اور کافروں کے ساتھ محشور کرے۔

میرا گمان یہ ہے کہ آپؑ پر دوبارہ غشی کی کیفیت طاری ہوئی کہ ہر ایک کی مدت تین تین گھنٹے بنتی ہے۔ دونوں کی مدت چھ گھنٹے بنتی ہے۔ یہ چیز اس دعویٰ پر دلیل ہے کہ روزِ عاشور عام دنوں کے مانند نہ تھا۔ اس دن بہتر (۷۲) گھنٹے سورج زمین پر موقوف رہا۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ اتنے طویل دورانیے کے غشی کے عالم میں کوئی کافر آپؑ کے نزدیک کیوں نہیں گیا؟ اور آپؑ کو شہید کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی تفصیل ہم بحثِ اَسرار میں پیش کریں گے۔

## امیر المومنین علیہ السلام کا کعبہ کی چھت سے نیچے آنا

ان فرصت کے لمحات میں امیر المومنین علیہ السلام کے مناقب کی ایک حدیث جو اس بحث سے مناسبت رکھتی ہے، پیش کردوں۔ اس حدیث کو صاحبِ مفتاح النجاۃ نے محدثین اہل سنت سے

نقل کیا ہے اور انھوں نے خود حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں:
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ بیت اللہ الحرام میں موجود بتوں کو توڑا جائے۔ میں بیٹھ گیا۔ آپؐ میرے کاندھوں پر سوار ہوئے میں نے جب اٹھنا چاہا تو کمزوری غالب آ گئی' مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کاندھوں سے نیچے تشریف لے آئے اور فرمایا: اے علی علیہ السلام! تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں آپؐ کے حکم کے احترام میں آپؐ کے مہر نبوت والے کاندھوں پر سوار ہوا۔ جب آپؐ کھڑے ہو گئے تو میرے لیے منکشف ہوا: اگر میں چاہوں تو آسمانوں تک جا سکتا ہوں۔ میں خانہ خدا کی چھت پر گیا۔ وہاں جتنے بھی بت موجود تھے' انھیں چھت سے نیچے پھینکا۔ حتیٰ کہ سب ٹوٹ گئے۔ جیسے کسی شیشے کو جب زمین پر پھینکا جائے تو وہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ میں جب چھت سے نیچے اترا اور اپنے قدم زمین پر رکھے تو میری ہنسی نکل گئی۔

پیغمبر گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہنسی کا سبب دریافت فرمایا؟

میں نے عرض کیا: میں نے خانہ خدا کی چھت سے چھلانگ لگائی ہے تو مجھے کوئی درد محسوس ہوا ہے نہ تکلیف ہوئی ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمھیں درد اور تکلیف کیسے محسوس ہو سکتی تھی؟ تمھیں چھت پر پہنچانے والا میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چھت سے نیچے اتارنے والا جبرئیل علیہ السلام تھا۔

**وا مصیبتاہ!**

اے برادران ایمان و خلوص! اگر ہمیں ہزاروں سال کی عمریں عطا کی جائیں اور ہم ہر روز سر اور سینے پر ماتم کریں اور ہماری آنکھوں سے ساون کے بادلوں کے مانند آنسو برسنے لگیں تو ہم سید الشہداء علیہ السلام کی عزا کا حق ادا نہیں کر سکتے ہیں۔

آپؑ نے امیرالمومنین علیہ السلام کا کعبہ کی چھت سے اترنے کے متعلق سنا۔ مگر نورِ چشم مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ و زہراؑ زین ذوالجناح سے زمین کربلا تک کیسے پہنچے غور و فکر کرو؟ آپؑ کی مددگار تو چند پاک دامن خواتین تھیں۔ کسی نے رکاب پکڑی' کوئی امامؑ کے ذوالجناح سے لپٹ

گئی؛ کسی نے گھوڑے کی لگام تھامی کہ آپؑ کو سوار کرا سکے۔ مگر آپؑ نے ذوالجناح سے اُترنا بھی سنا ہے!؟

آپؑ کے دائیں اور بائیں صرف کربلا کی گرم ریت تھی۔ اگر تھوڑی سی دائیں حرکت فرماتے تو بدن میں پیوست تیر مزید گہرائی میں اُتر جاتے اور زخموں سے چشموں کی مثل خون اُبلنے لگتا اور اگر بائیں جانب کروٹ بدلتے تو پھر بھی ایسے ہی ہوتا۔ آپؑ کبھی اپنے سامنے خاک اور ریت جمع کرتے۔ اس پر اپنا سر مبارک ٹیک لیتے۔ اس وقت سر اور بدن کے دوسرے حصوں میں موجود تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے درد و الم کی ٹیسیں اور لہریں اُٹھنا شروع ہو جاتیں۔ چوں کہ جسم کے ہر جگہ پر زخموں کے اندر کئی زخم لگے ہوئے تھے تبھی تو جلدی اپنے رب کی طرف سفر شروع کر دیا۔

## زیارتِ ناحیہ کے چند جملے

اب ہم ایک ایسی بات ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں؛ جو شیعیانِ علی علیہ السلام اور عزادارانِ سید الشہداء علیہ السلام نے بہت کم سن رکھی ہو گی۔ جب حجتِ کبریٰؑ اور ولی مطلقؑ خاک و خون میں غلطاں ہو گئے اور زمین کربلا پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے تو ابن سعد ملعون نے حکم دیا: سارا لشکر اپنے گھوڑوں کے سموں سے آپؑ کے بدنِ اقدس کو پامال کرے اور آپؑ کے جسم اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

ہائے مصیبت! وائے!

ان کافروں نے ایسے ہی کیا۔ یعنی حیاتِ امامؑ ہی میں سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو جولان دی اور ایک سمت سے دوسری سمت کو گھوڑے دوڑانے لگے۔

مجھے نہیں معلوم مومنین کے اندر اگلا جملہ سننے کی طاقت و توانائی ہے یا نہیں!

چوں کہ یہ واقعہ (آپؑ کی حیات میں آپؑ پر گھوڑے دوڑانے کا) ایک یقینی امر ہے۔ چوں کہ امام زمان علیہ السلام نے زیارتِ حضرت امام حسین علیہ السلام (زیارتِ ناحیہ مقدسہ) میں اسے بیان کیا۔

ہم یہاں زیارتِ ناحیہ مقدسہ کے چند جملے ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

فَلَمَّا رَاَوكَ ثَابِتَ الجَاشِ غَيرَ خَائِفٍ وَّلاخَاشٍ نَصَبُوالَكَ غَوَآئِلَ مَكرِهِم وَ قَاتَلُوكَ بِكَيدِهِم وَ شَرِّهِمO وَ اَمرَاللَّعِينُ جُنُودَهُ فَمَنَعُوكَ المَآءَ وَ وُرُودَهُ وَ نَاجَزُوكَ القِتَالَ وَعَاجَلُوكَ النِّزَالَ وَرَشَقُوكَ بِالسِّهَامِ وَالنِّبَالِ وَ بَسَطُوٓا اِلَيكَ اَكُفَّ الاصطِلَامِ وَلَم يَرعَو اَلَكَ ذِمَامًاO وَلَا رَاقَبُوافِيكَ اٰثَامَهُم فِي قَتلِهِم اَولِيَآئَكَ وَنَهبِهِم رِحَالَكَO وَاَنتَ مُقَدَّمٌ فِي الهَبَوَاتِ وَ مُحتَمِل لِّلَا ذِيَّاتِ قَد عَجِبَت مِن صَبرِكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاوَاتِO

فَاَحدَ قُوابِكَ مِن كُلِّ الجِهَاتِ وَاَثخَنُوكَ بِالجِرَاحِ وَ حَالُوا بَينَكَ وَ بَينَ الرَّوَاحِ وَ لَم يَبقَ لَكَ نَاصِرٌ وَ اَنتَ صَابِرٌ مُّحتَسِبٌ تَذُبُّ عَن نِسوَتِكَ وَاَولَادِكَ حَتّٰى نَكَسُوكَ عَن جَوَادِكَ فَهَوَيتَ اِلَى الاَرضِ جَرِيحًا تَطَاءُ كَ الخُيُولُ بِحَوَا فِرِهَا وَ تَعلُوكَ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَاO

قَد رَشَحَ لِلمَوتِ جَبِينُكَ وَ اختَلَفَت بِالاِنقِبَاضِ وَالاِنبِسَاطِ شِمَالُكَ وَ يَمِينُكَ تُدِيرُ طَرفًا خَفِيًّا اِلٰى رَحلِكَ وَ بَيتِكَ وَقَد شُغِلتَ بِنَفسِكَ عَن وُلدِكَ وَاَهَا لِيكَO

وَاَسرَعَ فَرَسُكَ شَارِداً اِلٰى خِيَامِكَ قَاصِدًا مُحَمحِمًا بَاكِيًاO فَلَمَّا رَاَينَ النِّسَآءُ جَوَادَكَ مَخزِيًّا وَ نَظَرن سَرجَكَ عَلَيهِ مَلوِيًّا بَرَزنَ مِنَ الخُدُورِ نَاشِرَاتِ الشُّعُورِ عَلَى الخُدُودِ لَاطِمَاتٍ عَنِ الوُجُوهِ سَافِرَاتٍ وَّبِالعَوِيلِ دَاعِيَاتٍ بَعدَالعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ وَّاِلٰى مَصرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ وَالشِّمرُ جَالِسٌ عَلٰى صَدرِكَO

وَ مُولِغٌ سَيفَهُ عَلٰى نَحرِكَ قَابِضٌ عَلٰى شَيبَتِكَ بِيَدِهٖ ذَابِحٌ لَّكَ بِمُهَنَّدِهٖO قَد سَكَنَت حَوَآسُّكَ وَ خَفِيَت اَنفَاسُكَ وَرُفِعَ عَلٰى

الْقَنَاةِ رَأْسَكَ وَ سُبِيَ اَهْلُكَ كَالْعَبِيدِ

''آپؑ نے کتنوں کو ہلاک کیا اور گرد و غبار میں آتے ہوئے ذوالفقار لے کر میدانِ جہاد میں قدم رنجہ فرمایا۔ گو آپؑ خدا کے منتخب شدہ علی مرتضیٰ علیہ السلام دکھائی دے رہے تھے۔ جب دشمنوں نے آپؑ کو ثابت قدم پایا اور آپؑ کی شجاعت دیکھی' خوف و ہراس کہ آپؑ سے کوسوں دُور تھا تو انھوں نے آپؑ کو اپنے مکر و فریب کے دام میں پھنسانا چاہا۔ انھوں نے مکر و فریب کے ذریعے جنگی چالوں کا آغاز کیا۔ اس ملعون شخص (عمر سعد) نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ حملہ کرو۔ انھوں نے پانی بھی بند کر رکھا تھا۔

اس حالت میں آپؑ مقابلہ کر رہے تھے۔ اس وقت آپؑ پر تیروں' نیزوں' تلواروں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔

ظالموں کے ظلم والے ہاتھ آپؑ کی طرف بڑھے۔ انھوں نے آپؑ کے حق اور مقام کی قطعاً رعایت نہ کی۔ انھوں نے آپؑ کے عزیزوں کا خون بہایا اور آپؑ کی تحریر کو پس پشت ڈال دیا۔ آپؑ کو مصائب برداشت کرنا پڑے' تکلیفیں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا پڑا۔

آسمان کے ملائکہؑ آپؑ کے صبر کی وجہ سے خوش ہوئے۔ آپؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور گہرے زخم لگائے گئے۔ جن کے سبب سے آپؑ کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ کوئی حامی و ناصر بھی تو آپؑ کا نہیں بچا تھا۔ آپؑ ہی اپنا حساب کرنے والے اور صبر کرنے والے تھے۔

آپؑ نے اپنی اولاد اور خواتین کا دفاع کیا۔ حتیٰ کہ آپؑ کو ذوالجناح کی زین سے زمین کربلا پر آنا پڑا۔ آپؑ جب زمین کربلا پر زخمی پڑے ہوئے تھے تو آپؑ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔ ظالموں نے آپؑ پر

شمشیر زنی کی مشق کی۔ اس طرح کہ آپؑ کی جبین اقدس پر موت کے پسینے آنے لگے۔ آپؑ دائیں بائیں حرکت کرنے کے بجائے مسلسل ٹکٹکی باندھے خیام کی جانب دیکھ رہے تھے۔

آپؑ کے اہل بیتؑ اور بچے آپؑ کو اپنی طرف متوجہ کیے ہوئے تھی۔

آپؑ کا ذوالجناح غم و حزن کی تصویر بنا' خیام کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا۔ جب اہل حرمؑ نے ذوالجناح کو شرم سار سا دیکھا اور اس کی ڈھلکی ہوئی زین کی طرف دیکھا تو اہل حرمؑ نے اپنے پریشان بال کھولے' نالہ فریاد کرتے ہوئے خیام سے باہر آئے۔ حالاں کہ عزت و توقیر کے بعد یہ رُسوائی تھی اور اہل حرمؑ مقتل گاہ کی طرف دوڑنے لگے۔ جا کر دیکھا تو شمر ملعون آپؑ کے سینۂ اقدس پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں آپؑ کے محاسن پکڑے ہوئے تھے اور گلے پر تلوار تان رکھی تھی اور پھر اس ظالم نے اپنی تلوار سے آپؑ کا سر کاٹا۔ اس عالم ہی میں حواس جاتے رہے۔ آپؑ آرام میں تھے اور آپؑ کا نفس......"

ان مقدس فقرات سے بہت سارے مطالب کا استنباط اور استخراج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کفار و منافقین کی ایک کثیر فوج تھی' جو سید الشہداء علیہ السلام کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گئی (حالاں کہ سید الشہداء علیہ السلام کا جسم اقدس زخموں سے چُور تھا) تو مکر و فریب پر اُتر آئی۔ اس طرح کہ انھوں نے سید الشہداء علیہ السلام کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ تیروں' پتھروں' آگ لگی ہوئی رسیوں کے ذریعے آپؑ پر حملہ کرنے لگے تاکہ نیزہ برداروں اور شمشیر زن سپاہیوں کو آپؑ کے قتل کا موقع مل سکے۔ یہ بات بقیہ تمام روایات میں بھی موجود ہے۔ ہم اسے تفصیلی انداز میں پیش کریں گے۔ اس زیارت مقدسہ کے جملوں سے یہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ خدا کے اِذن سے برزخی اَرواح کو حجتِ کبریٰؑ اور ولی مطلقؑ کے جہاد اور صبر کا دیدار نصیب ہوا۔ نیز ملائکہؑ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس اَرواح بھی دیدار کی اس نعمت سے مستفید ہوئیں۔

ایک دوسرا مطلب جو اس مقدس زیارت سے ہمیں ملتا ہے' وہ یہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کی حیات میں ہی چاروں طرف سے گھوڑے دوڑا کر آپؑ کے جسم اطہر کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپؑ خاک شفا پر محو خواب تھے (آپؑ کا بدن زخموں کی کثرت اور خون بہنے کی وجہ سے ضعف و ناتوانی کا شکار ہو چکا تھا)۔

اس زیارت نامے کے دوسرے مطالب کی طرح ہم عطش سید الشہداء علیہ السلام پر بھی تفصیل سے بحث پیش کریں گے۔

## آخری لمحات

اب میں وہ مطالب ضبط تحریر میں لانے کی ہمت کر رہا ہوں' جن کے سبب سے میرے تمام اعضا' قلب و جگر اور مغز کے مانند آگ پکڑ لیں گے۔

ہائے مصیبت! ہائے!

کاش میرا قلم اور اُنگلیاں جل جاتیں جس طرح عالم بالعزت (ملا محمد آفندی استنبولی) کی اُنگلیاں جل اُٹھی تھیں۔

روایت کا مضمون یہ ہے: چالیس نامی گرامی کفار اپنی چمک دار تلواریں لیے خنجروں اور دوسرے اسلحہ سے لیس ہو کر شہادتِ مظلوم کربلا علیہ السلام کے لیے میدان میں سامنے آئے۔ یہ چالیس افراد باری باری ثوابِ کربلا علیہ السلام کے مقدس و مطہر سینے پر سوار ہوئے جو علومِ ربانی کا گنجینہ' حکمتوں کا مرکز تھا اور ہر ملعون کا مقصد آپؑ کے خون میں ہاتھ رنگین کرنا تھے۔ مگر اس پر خوف' رعشہ اور لرزش سی طاری ہوتی اور وہ گھبرا کر سینے سے اُتر جاتا۔ اسے عذابِ آخرت کا خوف ہلا کر رکھ دیتا۔ وہ آپؑ کے سینے سے اُتر کر اپنی تلوار اور خنجر کو دُور پھینک کر راہِ فرار اختیار کرتا۔ اس کیفیت کی جانب حضرت ولی عصر علیہ السلام نے کس طرح اشارہ فرمایا ہے:

تَعلُوكَ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَا قَدْ رَشَحَ لِلْمَوتِ جَبِينُكَ وَ اخْتَلَفَتْ بِالانْقِبَاضِ وَالانْبِسَاطِ شِمَالُكَ وَ يَمِينُكَ

"ان کفار نے آپؑ کے سینۂ اقدس پر اپنے نجس قدم رکھے۔ جب کہ

آپؑ حالتِ احتضار میں تھے اور آپؑ کی پیشانی پر موت کے پسینے موجود تھے۔ مگر آپؑ کے ہاتھ پاؤں ہل رہے تھے۔ آپؑ اپنے مبارک ہاتھوں کو دائیں بائیں حرکت دے رہے تھے۔"

تُدِيرُ طَرْفًا خَفِيًّا اِلٰى رَحلِكَ وَبَيتِكَ

"آپؑ کی نگاہیں برابر خیام پر طرف لگی ہوئی تھیں' جو مستورات اور بچوں کی جستجو میں تھیں اور انھیں دیکھ رہی تھیں۔"

وَقَدْ شُغِلتَ بِنَفسِكَ عَن وُلدِكَ وَ اَهَالِيكَ

"اس ضعف و ناتوانی کے عالم میں آپ دو وجوہات سے ایسے دیکھ رہے تھے: ایک تو ضعف و ناتوانی کے سبب صحیح طور پر دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ دوسرا اس لیے کہ یہ جان دینے کے لمحات تھے تبھی تو مکمل یک سوئی سے خیمہ گاہ اور اہل و عیال کی طرف دیکھ رہے تھے۔"

ان چالیس ملعونوں میں سے ایک شبث بن ربعی (لعنتی) تھا' جس نے عرشِ الٰہی یعنی سینۂ اَنور پر نجس قدم رکھنے کی جسارت کی۔ اس ملعون نے تلوار ہاتھ میں لی اور سینۂ اَنور پر سوار ہو گیا۔ اس نے ابھی آپؑ کے قتل کا اِرادہ ہی کیا تھا کہ آپؑ نے اپنی کم زور اور نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ ملعون آپؑ کے سینے سے اُترا' تلوار پھینک دی اور روتے ہوئے کہتا جا رہا تھا: اے ابن سعد! لعنت ہو تم پر خود تو مظلومِ کربلاؑ کے قتل سے دامن بچاتے پھر رہے ہو اور ہمیں اس مقدس خون میں ہاتھ رنگین کرنے کا کہہ رہے ہو۔ خدا کی پناہ' میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے خدا بچائے میں خونِ حسینؑ سے ہاتھ رنگین کیے اپنے رب سے ملاقات کروں۔

ان چالیس ملعونوں میں سے دوسرا شخص سنان بن انس نخعی تھا۔ یہ ملعون کریہہ صورت' چھوٹے اور بے ترتیب دانتوں والا' کوتاہ قد کاٹھ کا مالک تھا' جس کو برص کا مرض لاحق تھا۔ اس نے شبث بن ربعی کو آواز دی: تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیرا قبیلہ تجھے قتل شدہ دیکھے۔ تم نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا اور واپس آ گئے ہو؟

شبث بن ربعی کہتا ہے: میں تو قتل کرنا چاہتا تھا مگر مظلوم علیہ السلام کی آنکھیں کھلیں تو اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھیں تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں جیسی تھیں۔ میں نے حیا کی اور شبیہ رسولؐ کو قتل کرنے سے باز رہا۔

سنان کہتا ہے: تلوار مجھے دو' میں اس کے قتل کے لیے موزوں ترین شخص ہوں۔ سنان ملعون نے تلوار لی اور سینۂ اَنور پر سوار ہو گیا۔ آپؑ نے سنان کی طرف دیکھا۔ وہ ملعون بھی مضطرب ہو گیا۔ اس پر کپکپی اور رعشہ طاری ہو گیا۔ خوف کے سبب اس کے ہاتھوں سے تلوار چھوٹ گئی۔ وہ سینۂ اَنور سے اُتر کر فرار ہو گیا۔

شمر ملعون نے سنان سے کہا: او کمینے! تمھاری ماں تمھارے سوگ میں بیٹھے کیوں قتل حسین علیہ السلام سے رُک گئے ہو؟

سنان نے جواب دیا: اے ملعون! تم پر لعنت ہو' میں تو اسے قتل کرنا چاہتا تھا مگر جوں ہی اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا مجھے علی علیہ السلام کی شجاعت یاد آ گئی اور میری طاقت جواب دے گئی۔

شمر ملعون کہتا ہے: تم میدانِ جنگ کے بزدل ہو۔ تلوار مجھے دو' مجھ سے بہتر قاتل کوئی نہیں ہو سکتا؟ خدا کی قسم! میں اسے ضرور قتل کروں چاہے یہ شبیہِ مصطفیٰؐ ہے یا شبیہِ مرتضیٰؑ۔

ہائے اے دل' اے جگر جل جاؤ! میں اس بحث کو کس طرح مکمل کروں۔ شمر (لعنتی) نے سنان کے ہاتھ سے تلوار لی اور عرشِ اعظم یعنی سینۂ اَنور پر سوار ہو گیا۔ جو سینہ علومِ ربانی کا خزینہ اور اَسرارِ ملکوتی کا مخزن تھا۔

## ذوالجناح کا لوٹنا

اس دوران میں پہلی مرتبہ ذوالجناح خیام میں واپس آیا تا کہ رسولؐ زادیوںؑ کو مطلع کر سکے۔ جیسا کہ امام زمانہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا زیارتِ ناحیہ میں:

وَأَسرَعَ فَرَسُكَ شَارِدًا إِلَى خِيَامِكَ قَاصِدًا مُحَمحِمًا بَاكِيًا

"اے جد بزرگ وار! جب آپؑ کا ذوالجناح میدانِ جنگ سے خیمہ گاہ کی

طرف آیا تا کہ آپؑ کے اہل بیتؑ کو مطلع کر سکے تو وہ اپنی زبان میں فریاد کر رہا تھا' اپنے سم زمین پر رگڑ رہا تھا اور رو رہا تھا۔"

فَلَمَّا رَأَيْنَ النِّسَاءُ جَوَادَكَ مَخْزِيًّا وَ نَظَرْنَ سَرْجَكَ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا

"جب دخترانِ فاطمہؑ و رسولؐ نے آپؑ کے ذوالجناح کو محزون حالت میں دیکھا کہ لگام ٹوٹی ہوئی اور زین ایک طرف ڈھلکی ہوئی ہے۔"

بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُورِ نَاشِرَاتِ الشُّعُورِ عَلَى الْخُدُودِ لَاطِمَاتٍ عَنِ الْوُجُوهِ سَافِرَاتٍ

"وہ خیام سے باہر آئیں۔ انھوں نے اپنے بال کھول رکھے تھے' جو ان کے چہروں پر پڑے ہوئے تھے اور وہ اپنے منہ پر پیٹ رہی تھی۔"

وَ بِالْعَوِيلِ دَاعِيَاتٍ وَ بَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ

"وہ نالہ فریاد اور بین کر رہی تھیں۔ ایسا کیوں نہ کرتیں؟ چوں کہ یہ پاک دامن اور طاہر بیبیاںؑ تھیں۔ دخترانِ فاطمہؑ اور ناموس پنج تن پاکؑ تھیں۔ جو اس زمین و آسمان کے سردار تھے۔ آج انھیں رُسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔"

وَ إِلَى مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ وَالشِّمْرُ جَالِسٌ عَلَى صَدْرِكَ وَ مُولِغٌ سَيْفَهُ عَلَى نَحْرِكَ قَابِضٌ عَلَى شَيْبَتِكَ بِيَدِهِ ذَابِحٌ لَكَ بِمُهَنَّدِهِ قَدْ سَكَنَتْ حَوَاسُّكَ وَ خَفِيَتْ أَنْفَاسُكَ

"اہل حرمؑ' دخترانِ فاطمہؑ یتیم بچے سب میدان کی طرف نکلے۔ جب امامِ مظلوم کربلاؑ تک پہنچے تو دیکھا کہ شمر ملعون آپؑ کے مقدس سینے پر سوار ہے۔ جو سینہ عرشِ اعظم الٰہی ہے۔ علوم و اَسرار کا گنجینہ اور حکمت ربانی کا خزینہ ہے اور اس نے اپنے نجس ہاتھوں میں آپؑ کے مقدس محاسن پکڑ رکھے ہیں۔"

جب وہ ملعون آپؑ کا سرتن سے جدا کرنا چاہتا تھا تو آپؑ نے حرکت کرنا چھوڑ دی اور آپؑ کے سانس لینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

آہ! وا مصیبتاہ!

مجھے نہیں معلوم حرمِ رسولؐ نے جب یہ حالت دیکھی ہو گی تو ان پر کیا گزری ہو گی؟ خدا کی قسم! اہل ملکوت، اہل بہشت وجہنم سب کو اس منظر نے رُلا دیا، سب نالہ فریاد کرنے لگے۔

ایک بات طے ہے کہ زیارات ناحیہ مقدسہ کے ان جملوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بانوانِ عصمت و طہارت ساری کی ساری شہادتِ امامؑ کے وقت امامؑ کے پاس میدان میں موجود تھیں جب کہ بعض کتب سے استفادہ ہوتا ہے کہ وقت شہادت صرف حضرت زینبؑ بنت علی علیہ السلام اور حضرت اُم کلثومؑ موجود تھیں۔ جو کچھ نگاہوں سے گزرا ہے، وہ یہ ہے کہ ذوالجناح اہل حرمؑ کو اِطلاع دینے کے لیے دو مرتبہ خیام میں آیا۔

پہلی مرتبہ ساری مستورات میدانِ جنگ کی طرف گئیں اور انھوں نے جا کر امامؑ کی حالت کا مشاہدہ کیا۔ ذوالجناح انھیں میدان تک لایا۔ اس وقت سیدالشہداءؑ نے انھیں اشارے کے ذریعے حکم دیا کہ خیام کی طرف لوٹ جاؤ۔ سب نے امامؑ کے امر کی اطاعت کی، چوں کہ ہنوز شہادت نہیں ہوئی تھی۔

دوسری مرتبہ جب سیدالشہداء علیہ السلام شہید ہو چکے تھے تو اس وقت تو چند خلافِ عقل و عادت اُمور بھی دیکھنے کو ملے۔ اب دوسری مرتبہ صرف اور صرف بی بی زینبؑ امامِ مظلومؑ کے جسد اطہر پر پہنچیں۔ باقی بیبیاںؑ باہر نہیں آئیں۔

## لحظاتِ شہادت سیدالشہداء علیہ السلام

اس کے علاوہ بھی دو احتمال موجود ہیں۔ ہم ان کی طرف بعد میں اشارہ کریں گے۔ اب پھر پلٹتے ہیں شہادتِ مظلومِ کربلا علیہ السلام کی جانب کہ جب شمر ملعون عرشِ عظیم الٰہی یعنی سینۂ انور و مطہر پر بیٹھا تو حجتِ کبریٰؑ نے اس لعین کی طرف دیکھا۔ شمر نے جواباً کہا: اے حسین علیہ السلام! میں ان سے نہیں ہوں، جو پلٹ گئے تھے۔ اے حسینؑ! میں تمھارے قتل سے باز نہیں آؤں گا۔

آپؑ نے فرمایا: تم کون ہوتے ہو جو اس اعلیٰ و ارفع مقام پر آ کھڑے ہوئے ہو؟ میرا یہ سینہ میرے نانا کی بوسہ گاہ ہے۔

اس نے جواب دیا: میں شمر ضبابی ہوں۔

مظلوم کربلا علیہ السلام نے فرمایا: اے شمر! کیا مجھے نہیں پہچانتے ہو؟

شمر نے جواب دیا: میں تمہیں پہچانتا ہوں تم حسینؑ ابن علی علیہ السلام ہو فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے لخت جگر ہو تمہارے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نانی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: لعنت ہو تم پر مجھے پہچاننے کے باوجود قتل کر رہے ہو؟

اس بے رحم انسان نے جواب دیا: میں تمہارے قتل کی بابت یزید (لعنتی) سے انعام لوں گا۔

آپؑ نے فرمایا: کیا میرے نانا کی شفاعت اچھی ہے یا یزید کا انعام؟

شمر (لعنتی) نے کہا: میرے لیے تمہارے نانا کی شفاعت سے بہتر یزید کا انعام ہے۔

اس حجت کبریٰ اور ولی مطلق خداؑ نے فرمایا: اے شمر! اب جب کہ تم میرے قتل سے ہاتھ نہیں کھینچ رہے ہو اور ہر حال میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو ایک گھونٹ پانی ہی دے دو میرا جگر پیاس سے جل رہا ہے۔

اس ملعون نے جواب دیا: اے حسین علیہ السلام! خدا کی قسم! اب پانی پینے کے بجائے تم شربت مرگ نوش کرو گے۔

وہ ملعون کہتا ہے: اے فرزند ابوترابؑ! تمہارا تو یہ عقیدہ نہیں ہے کہ تمہارے باباؑ ساقی حوض کوثر ہیں وہ اپنے محبوں اور شیعوں کو کوثر سے سیراب کریں گے۔ لہٰذا صبر کرو اور اپنے باباؑ کے ہاتھوں کوثر پینا۔

آپؑ نے فرمایا: اے شمر! تجھے خدا کی قسم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

شمر (لعنتی) نے چہرے سے نقاب ہٹائی تو آپؑ نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر برص کے داغ ہیں آنکھیں ٹیڑھی پستان کتے کے پستانوں کے مانند اور اس کے بال سؤر کے بالوں

کی طرح کے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میرے ناناؐ نے سچ فرمایا تھا۔

اس ملعون نے پوچھا: حسین علیہ السلام! تیرے ناناؐ نے کیا فرمایا تھا؟

سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا: میرے ناناؐ نے میرے بابا امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا اور میں نے بھی سنا تھا: اے علی علیہ السلام! تیرے بیٹے کا قاتل وہ شخص ہوگا جو "اَبرَص، اَعوَر" ہوگا اس کے پستان کتے کے مانند اور دانت اور بال سُور کی طرح کے ہوں گے۔

سید الشہداء علیہ السلام نے جنگ شروع ہونے سے قبل ہی یہ فرمانِ رسولؐ دُہرایا تھا۔ جیسا کہ روایات میں بھی ملتا ہے۔

راوی کہتا ہے: میں سید الشہداء علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا۔

آپؑ نے نہر کربلا کی سمت نظر دوڑائی اور شمر (لعنتی) کو دیکھا وہ ملعون ابرص تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰہُ اَکبَر، اَللّٰہُ اَکبَر صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُولُہٗ

"میرے ناناؐ بزرگوار نے ارشاد فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ ابقع و ابرص کتا میرے اہل بیتؑ کا خون پینے پر حریص ہے۔"

جب شمر (لعنتی) نے سید الشہداء علیہ السلام سے یہ گفتگو سنی تو شدید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: اے حسین علیہ السلام! تم نے اور تمہارے ناناؐ نے مجھے کتے اور سُور سے تشبیہ دی ہے۔ میں تجھے اس طرح قتل کروں گا کہ مکافات اور جزا کو اس سے تشبیہ دی جائے گی۔

ہائے مصیبت! ہائے مظلوم!

میں شہادت کی کیفیت کس طرح لکھوں؟!

## جہنم کی خلقت کا راز

اس لمحے مجھے ایک حدیث یاد آ رہی ہے۔ اگرچہ ہماری بحث سے ہٹ کر ہے مگر بعد والی ابحاث سے مناسبت رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے اَسرارِ الٰہی میں سے ایک عظیم سِرّ اور راز

سے نقاب کشائی ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ میرے دل پر اس حدیث کا انعام خداوند قدوس کے غیبی انعامات میں سے ہے۔ اس حدیث کا مضمون اور ماحصل یہ ہے۔

ایک دن پیغمبر اکرمؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک خاتون اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے سلام کیا آپؐ نے اسے جواب دیا۔

اس عورت نے عرض کیا: میں آپؐ کی خدمتِ اقدس میں درخواست کرتی ہوں کہ میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرما کر مجھے سرفراز فرمائیں۔

آپؐ جو "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم" کے درجے پر فائز تھے۔ اپنے اصحاب کے ہم راہ گھر میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ اس خاتون نے کافی ایندھن جلا رکھا ہے اور اب کی آگ جل رہی ہے۔ اس انگیٹھی کے گرد چند بچے بیٹھے آپس میں کھیل رہے ہیں۔

اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ان بچوں سے زیادہ مہربانی اور محبت ہے یا اللہ کو اپنے بندوں سے؟

آپؐ نے فرمایا: خدا کی مہربانی اور رحم بہت زیادہ ہے۔

اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! پھر اللہ نے جہنم کیوں خلق فرمائی؟

آپؐ نے گریہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

هکذا اَمرُ رَبّی

"یہ تو میرے پروردگار کے امر سے ہے۔"

بالکل واضح ہے اس عورت نے جب وہ گفتگو کی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہنم کی تخلیق اور اس کی حکمت و فلسفہ جاننے کے ساتھ ساتھ کفار و منافقین کے عذاب سے متعلق بھی علم حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ان میں سے من جملہ ایک واقعہ کربلا ہے۔ جب واقعہ کربلا سرورِ دو جہانؐ کے ذریعے مشہور ہوا تو آپؐ نے چشم بصیرت سے ملکوت کربلا کا مشاہدہ فرمایا۔ بالخصوص مقامِ شہادت اور شہادت کی کیفیت کو تب ہی سے شمر ملعون نگاہِ رسالت میں آیا تو آپؐ نے گریہ کرنا شروع کر

دیا۔ اگر ہم قائل ہو جائیں کہ سردار انبیاءؐ کا گریہ صرف اور صرف واقعہ کربلا کی وجہ سے نہیں تھا تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ پیغمبر اکرمؐ کے گریہ کرنے کے اسرار میں سے ایک راز واقعہ کربلا ہے۔

جیسا کہ اس عورت کا سوال ہے بعض انبیاء علیہم السلام نے بھی خداوند متعال سے پوچھا تھا: جہنم کی خلقت کا راز کیا ہے؟ باوجود اس کے کہ پروردگار کے اسماء میں سے ایک عظیم نام "اَرحَمَ الرَّاحِمِینَ" ہے۔

جب خداوند کریم روزِ عاشور کے ملکوت کا (آغاز سے اختتام تک جو کچھ بھی اہل بیتؑ رسولؐ سے متعلق ہے) دیدار کر رہا (یعنی عالم مثالی روزِ عاشور اور سیدالشہداء علیہ السلام کی معنوی شان و شوکت) نزدیک تھا کہ اس عجیب و غریب واقعہ کے دیدار اور مشاہدہ کے سبب (عالم مثال و برزخ میں) انسانوں کی پاک ارواح اور ان کے اجسام اس سے قطعی رابطہ کر لیں تو سب کے سب ہلاکت سے دوچار ہو جائیں گے۔

اسی وقت سے سمجھا جا سکتا ہے اگرچہ ذاتِ خداوندی "ارحم الراحمین" ہے۔ مگر اسم قاہر اور عدل کا بھی مظہر ہے اور وہ جنت و جہنم کا خالق بھی ہے اور یہ "ارحم الراحمین" تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ جنت و جہنم دونوں کو خلق کرے اور جہنم میں کفار اور منافقین کو عذاب دے۔

اے مومنو! اے شیعیانِ علی علیہ السلام! یہ عظمت سننے کے بعد اپنے سر اور سینے کو پیٹ لو۔ چوں کہ کربلا وہ مقام ہے جب اسے کفار و منافقین دیکھتے ہیں تو بہت زیادہ محزون ہو جاتے ہیں۔ ان منافقین میں ایک نام ہلال بن نافع کا ہے جو لشکر کفر کا سالار اور ابن زیاد کے سپاہیوں میں سے تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں ابن سعد کے ساتھیوں کے ہم راہ کھڑا تھا کہ ایک شخص نے آواز دی: خوش خبری ہے اے امیر! شمر (لعنتی) نے حسینؑ ابن علی علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

اُس کا کہنا ہے: میں سپاہیوں کی صف چیرتا ہوا اس مقام تک پہنچا جہاں سیدالشہداء علیہ السلام حالتِ احتضار میں تھے۔ میں نے ایسا مقتول آج تک نہیں دیکھا۔ اگرچہ حسین علیہ السلام خاک و خون میں غلطاں تھے۔ آپؑ کے بدنِ اطہر سے خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ آپؑ کے نورِ اطہر کے جمال نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ میں اسی منظر میں کھویا ہوا تھا کہ اسی وقت انھوں نے پانی طلب کیا۔

ایک ملعون نے جواب دیا: اے حسین علیہ السلام! (نعوذ باللہ) تم پانی نہیں پی سکو گے' جہنم جا کر تمھیں "شرابِ حمیم" سے سیراب کیا جائے گا۔

مظلومِ کربلاؑ نے محزون اور دکھی آواز میں جواب دیا: اے ملعون! کیا میں جہنم جاؤں گا؟ میں صدق و صفا کی نشست پر ملیک مقتدر کے ہم راہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچوں گا اور تم لوگوں کی شکایت کروں گا اور جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے انھیں بتاؤں گا۔

وہ سنگ دل کفار کو غصہ آ گیا۔ خداوند کریم نے ان کے دل میں ذرہ برابر بھی رحم نہیں ڈالا اور مظلوم علیہ السلام نے اسی حالت میں اپنے ربّ سے ملاقات کی۔

وہ سب ملعون آپؑ کو طعنے دے رہے تھے جو جواں مردی کے شایانِ شان نہیں تھے۔

## آپؑ کا پانی طلب کرنا

آہ! وَا مُصِیبَتَاہُ!

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس طریق سے قتل کیا گیا جس طریقے کی پیغمبر اکرمؐ نے نفی فرمائی تھی اور مخلوقِ خدا سے کوئی بھی اس طرح قتل نہیں کیا گیا۔ انھیں نیزوں' تلواروں' پتھروں' ڈنڈوں وغیرہ کے ذریعے قتل کیا گیا۔ خدا کی قسم انھیں قتل کرنے کے بعد گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا گیا۔ امامؑ کا پانی طلب کرنا' وہ بھی اس وقت جب وقتِ شہادت قریب تھا۔ جیسا کہ بہت تمام روایات میں مذکور ہے اور اربابِ مقاتل کی اکثریت نے بھی اسے تحریر کیا ہے۔ مگر اہلِ بصیرت کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ اگر آپؑ کو پانی پیش بھی کیا جاتا' آپؑ نوش نہ فرماتے۔

امام علیہ السلام کے پانی طلب کرنے کی کئی وجوہات اور اَسرار ہیں جو درج ذیل ہیں: قومِ کفار پر اتمامِ حجت کرنا مقصود تھا۔ اس مطلب کی تائید کئی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ جب آپؑ نے پانی طلب فرمایا (آپؑ اس وقت خون میں غلطاں خاکِ کربلا پر لیٹے ہوئے تھے) ایک شخص جس نے درویشانہ لباس پہن رکھا' اس نے اپنے کشکول کو پانی سے بھرا اور خدمت مظلومِ

کربلا علیہ السلام میں پیش کیا۔ امامؑ کو سلام کیا' آپؑ نے اسے جواب دیا۔ اس درویش نے عرض کیا: اے ابا عبداللہ علیہ السلام! میں نے آپؑ کے پانی مانگنے کی آواز سنی۔ میرا دل جل اُٹھا اور جگر پھٹ رہا ہے۔ پانی لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔ براہِ کرم نوش فرما لیجیے۔ آپؑ نے اس درویش کے ہاتھ سے کشکول لے کر پانی ارضِ کربلا پر پھینک دیا اور زمین کربلا پر ایک خط کھینچا اور فرمایا: اس طرف غور سے دیکھو۔ اس درویش نے دیکھا کہ ایک عظیم نہر جاری ہو گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص کوئی فرشتہ تھا یا پھر جن و انس کے کسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔

## سر کا قلم ہونا

اے محبانِ اہلِ بیتؑ! اے عزادارانِ سید الشہداء علیہ السلام! ماتم کی تیاری کرو۔ اب ہم ان آخری لمحات کا ذکر کرنے جا رہے ہیں۔

جب امامؑ کی گفتگو سن کر شمر ملعون کو غصہ آیا' اس نے امامؑ کو منہ کے بل گرا دیا اور بعض روایات میں ہے کہ پاؤں سے ٹھوکر ماری (نعوذ باللہ) اور انھیں سیدھا کیا۔ اب اس ملعون نے آپؑ کی رگوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ میں تجھے قتل کروں گا۔ مجھے یقین ہے تم فرزندؑ رسولؐ خدا ہو اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لختِ جگر ہو۔ جو ساری مخلوق پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس ملعون نے کہا:

اقتلك اليوم و نفسي تعلم
علما يقينًا ليس فيه مزعم
ان اباك خير من تكلم
بعد النبي المصطفیٰ المعظم
اقتلك اليوم و سوف اندم
افيض دمك بالتراب بغضة
ولا لاولاد النبي ارحم

''میں آج تجھے قتل کروں در حالاں کہ مجھے یقین ہے' ایسا یقین جس میں

ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تیرا باپ سب سے افضل ہے۔ آج تجھے قتل کروں گا اور بہت جلد پشیمان بھی ہو جاؤں گا۔ تمہارا خون میں بغض اور دشمنی کی وجہ سے زمین پر بہا رہا ہوں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پر رحم نہیں کروں گا۔"

جب اس ملعون نے تمام اعضا کاٹ ڈالے تو مظلوم کربلا علیہ السلام نے فرمایا:

وَا مُحَمَّدَاہُ وَاجَدَّاہُ وَا اَبَالقَاسِمَاہُ وَ اَبَتَاہُ وَا عَلِیَاہُ وَا حَسَنَاہُ وَا احمزَتَاہُ وَا جعفَرَاہُ وَا عَقِیلَاہُ وَا عَبَاسَاہُ وَا عَطشَاہُ وَا قِلَّةَ نَاصِرَاہُ

"ہائے میں قتل ہو رہا ہوں۔ غریب' مظلوم اور پیاسا درحالاں کہ میرے نانا محمد مصطفیٰ ہیں۔ بابا علی مرتضیٰ اور ماں فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہے۔"

اور فرمایا:

ایا شمر خاف اللہ و احفظ قرابتی
من الجد منسوبا الی القائم المهدی
یا شمر لقتلنی حیدرة ابی
و جدی رسول اللہ اکرم مهتدی
و فاطمه امی و الزکی ابنِ ولدی
وعمی هو الطیار فی جنة الخلدی

"اے شمر! خدا سے ڈرو۔ میرے خاندان پر نظر دوڑاؤ۔ محمد مصطفیٰ سے لے کر قائم مہدی علیہ السلام تک میرا خاندان ہے۔

اے شمر! مجھے قتل کر رہے ہو میرے بابا حیدر کرار علیہ السلام' نانا رسول خدا ہیں جو ہدایت کا منبع ہیں۔ میری ماں فاطمہ زہرا ہیں' میرا بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں اور چچا جعفر طیار ہیں علیہ السلام ہیں جو بہشت جاوید میں ہیں۔"

اس کے بعد فرمایا:

انادی الا یا زینبٌ یا سکینة

ایا ولدی من ذا یکون لکم بعدی

الا یا رقیۃ یا اُمِّ کلثومٌ انتم

ودیعة ربی الیوم قد قرب وعدی

ایا شمر ارحم ذالعلیل و بعدہ

حریما بعد کفل یلی امرھم بعدی

سیبکی لکم جدی و اسعد من بکی

علی رزلکم والفوز فی جنة الخلدی

سلام علیکم ما امر فراقکم

فقوموا یقودیعی فذا اخر العھدی

''میں آواز دے رہا ہوں' اے زینبؑ! اے سکینہؑ! اے میری بیٹی! میرے بعد تمہارا کون سہارا ہوگا؟

اے رقیہؑ! اے اُمِ کلثومؑ! تم تو پروردگار کی امانتیں ہو' میرے وعدے کا وقت آ پہنچا ہے (میری شہادت کا وقت نزدیک ہے)۔

اے شمر! میں ناتواں ہوں' میرے بعد میرا خاندان جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے' پر رحم کرو۔ عن قریب میرے نانا تمہارے مصائب پر گریہ کریں گے اور جو تمہاری مصیبت پر گریہ کرے گا' وہ سعادت مند ہوگا اور اس کے لیے ابدی جنت ہے۔ خدا حافظ تمہارا' تم سے جدائی کتنی تلخ ہے۔ پس اُٹھو مجھے الوداع کرو' خدا حافظ کرو' یہ آخری دیدار ہے (آخری الفاظ ہیں...... مترجم)''۔

جناب شہاب الدین کی روایت میں مذکور ہے: بی بی زینب سلام اللہ علیہا اس وقت تشریف لائیں جب شمر (لعنتی) آپؑ کو ذبح کرنا چاہتا تھا۔ وہ آپؑ کے سینے پر سوار تھا۔ بی بیؑ نے فرمایا: اے شمر! میرے بھائی کو قتل نہ کرو' میرے بھائی کی جگہ مجھے قتل کردو۔

شمر(لعنتی) نے اپنے نجس پاؤں کے ذریعے جواب دیا۔ صاحب مفتاح النجاح نے علمائے اہل سنت سے نقل کیا ہے کہ آپؑ کو شبلی بن یزید اصبحی نے شہید کیا۔ اس قول کی بھی وہی حقیقت ہے' جو اس قول کی تھی کہ آپؑ کو خولی (لعنتی) نے شہید کیا ہے' یہ بے بنیاد نظریہ ہے۔

بعض علمائے امامیہ قائل ہیں کہ شمر (لعنتی) نے اپنے پاؤں سے آپؑ کے جسد اطہر پر ٹھوکر ماری۔ آپؑ کے محاسن کو پکڑا تو شبیر علیہ السلام نے آواز دی: تم "اَبقع" ہو جسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

شمر کہتا ہے: تم نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے؟ اس نے آپؑ کی گردن پر ضربیں مارنا شروع کر دیں اور کہتا جا رہا تھا:

اقتلك اليوم و نفسى تعلم
علما يقينًا ليس فيه مزعم
ولا مجال لا ولا نكتم
ان اباك خير من تكلم

"آج تجھے قتل کروں گا اور مجھے یقین ہے اور میرے یقین میں ذرہ برابر شبہ تک نہیں۔ میرے پاس وقت نہیں ہے' میں نہیں چھپاؤں گا کہ تیرا باپ بہترین سخن ور تھا۔"

اہل حدیث کے بعض فضلا سے منقول ہے: جب امام علیہ السلام کی آخری سانسیں چل رہی تھیں' شمر لعین اور سنان بن انس (لعین) سر کی طرف سے آئے' سید الشہداء علیہ السلام شدت پیاس کے سبب اپنے منہ میں زبان گھما رہے تھے۔ آپؑ نے بڑے دکھی لہجے میں پانی طلب کیا۔ شمر لعنتی نے اپنے نجس قدم سے جواب دیا اور کہنے لگا: اے فرزند ابوترابؑ! کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ تمہارے باباؑ حوض کوثر پر اپنے شیعوں کو سیراب کریں گے۔ لہٰذا صبر کرو اب اپنے باباؑ کے ہاتھوں جا کر پانی پینا۔ اس کے بعد اس نے سنان بن انس کو حکم دیا: ان کا سر قفا (سر کو پس پشت سے کاٹنا) سے علیحدہ کر دو۔

سنان نے کہا: خدا کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو آپؑ کے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے میری دشمنی ہو جائے گی۔

شمر ملعون کو غصہ آ گیا۔ وہ آپؑ کے سینے پر سوار ہو گیا اور اپنے نجس ہاتھ سے آپؑ کے مبارک محاسن کو پکڑ لیا اور مظلومؑ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اسی وقت مظلومِ کربلا علیہ السلام کے لب ہلے اور فرمایا: مجھے قتل تو کر رہے ہو مگر جانتے بھی ہو میں کون ہوں؟

شمر (لعنتی) کہتا ہے: میں تمھیں پہچانتا ہوں۔ تیری ماں فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا' بابا علی مرتضیٰ علیہ السلام اور نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ میرا دشمن خدا بزرگ ہے۔ میں بغیر کسی خوف کے تمھیں قتل کروں گا۔

ہائے مظلومؑ! ہائے مظلومؑ! ہائے پیاس! ہائے مقتولؑ!

نہ زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے' نہ آسمان اپنی جگہ سے ہلا؟ نہ زمین میں زلزلے کی کوئی صورت ہے؟ کیا لکھوں' اے قلم میری انگلیاں جلاتے کیوں نہیں ہو؟ معلوم نہیں کیا لکھوں؟

شمر (لعنتی) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی گردن پر بارہ ضربیں لگائیں۔ امامؑ نے "العطش العطش" کی صدائیں بلند کیں۔ آپؑ کا مقدس سر کٹ تو گیا مگر شمر اس سر کو تن سے جدا نہ کر سکا۔ اللہ اکبر! اس وقت اللہ اکبر کہنا' اللہ اکبر کے عظیم آثار میں سے ایک اثر ہے اور نورانی اَسرار میں سے ایک سِرّ (راز) ہے۔ جب شمر (لعنتی) نے سر بدنِ اطہر سے جدا کیا اور نوکِ نیزہ پر بلند کیا تو سید الشہداء علیہ السلام نے صدائے تکبیر "اللہ اکبر" بلند کی۔ جسے تمام عالمِ امکان نے سنا۔ یہ آواز ساری موجودات تک پہنچی اور سب نے اس سرِ اقدس کی اتباع کرتے ہوئے صدائے تکبیر بلند کی۔ یہ سید الشہداء علیہ السلام کی تکبیر کے اثرات میں سے ایک اثر ہے۔ اب یہاں وہ لوگ جو (بذریعہ وحی و الہام مطلع ہوئے جیسے اَرواحِ انبیاءؑ اور ملائکہؑ) اور وہ لوگ جن کے پاس یہ سلسلۂ اِطلاع نہیں تھا۔ وہ اس واقعے سے بے خبر نہیں ہیں چوں کہ ساری مخلوق کا تکبیر کہنا اس سرِ اقدس کے خواص میں سے ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد یہ تکبیر خلافِ عقل و عادت اُمور میں شمار کی جائے

گی۔ چناں چہ اس کے بعد متعدد مقام پر ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ بعض روایات میں تو بیان کیا گیا ہے کہ لشکرِ یزید حتیٰ کہ شمر (لعنتی) نے بھی تکبیر بلند کی تھی۔

## نوکِ نیزہ پر سوار سر

جب شمر ملعون نے اس نیزہ کو اُٹھایا جس پر مظلومِ کربلا علیہ السلام کا سر سوار تھا تو اس ملعون کے بدن سے طاقت ختم ہو گئی۔ اس نے دیکھا ایک جگہ بہت بڑا پتھر پڑا ہوا ہے۔ اس نے آپؑ کے مقدس سر کو اس پتھر پر رکھا۔ یہ مقام آپؑ کے حرمِ مطہر کے دروازوں میں سے ایک کے پاس "باب السدر" کے نام سے مشہور ہے۔ رسم یہ ہے کہ جو شخص بھی اس دروازے سے نکلے یا داخل ہو وہ باقاعدہ کھڑے ہو کر آپؑ کے صحن مقدس میں آداب و سلام بجا لاتا ہے اور سید الشہداء علیہ السلام کو باقاعدہ سلام کرتا ہے۔

اس جگہ ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہے جو غالباً مقفل اور بند رہتا ہے۔ اس کمرے کے دروازے پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر تحریر ہے: "هٰذَا مَسقَطُ رَأسِ الحُسَین" بظاہر یہ کتبہ قدیم زمانے سے نصب شدہ ہے۔ اس مقام پر عجیب و غریب آثار جیسے گریہ زاری، نالہ فریاد، آہوں اور چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔

بعض قابلِ اطمینان افراد اور حرمِ مطہر کے مجاورین نے میرے سامنے بڑی تفصیل کے ساتھ خلافِ عقل و عادت واقعات بیان کیے ہیں۔

اِمکان یہ ہے کہ شمر اس مقام تک مقدس سر کو اُٹھا کر لایا ہوگا اور جب یہاں پہنچا ہوگا تو اسے پتھر پر رکھ دیا ہوگا اور اس کے بعد سر کو نیزہ پر بلند کیا گیا ہوگا۔

اے شیعیانِ علیؑ! اے محبانِ حسین علیہ السلام! اے اہلِ یقین و ایمان! جب شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام ہو گئی تو امام زین العابدین علیہ السلام جو اپنے بابا کے حقیقی وارث و جانشین تھے، ان پر بیماری کی شدت کے سبب سے غشی کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ مگر جب انھوں نے تکبیر کی صدا سنی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مخدراتِ عصمت اور بچے آپؑ کے پاس پہنچے۔ حتیٰ کہ بی بی

زینبؑ جن کے متعلق مشہور روایات ملتی ہیں: وقتِ شہادتِ حسینؑ، امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس تھیں۔ وہ بھی اس وقت امام سجاد علیہ السلام کے پاس پہنچیں۔ اہل حرمؑ نے اس تکبیر اور لشکر کے شور کے متعلق سوال کیا۔ امامؑ نے فرمایا: اے پھوپھیؑ! ذرا خیمے کا پردہ ہٹانا۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو آپؑ نے نگاہ کی اور فرمایا: اے اہل بیتؑ رسولؐ! اپنی چادریں پہن لو اپنی کمریں باندھ لو اور اسیری کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چوں کہ میرے بابا شہید ہو گئے ہیں۔ ان کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کر دیا گیا ہے۔

جب شہادت ہو گئی تو خلافِ عادت و عقل آثار پے در پے ظاہر ہونے لگے۔ جیسے عظیم زلزلے کا آنا' اس کی اتنی شدت تھی کہ لگتا تھا کہ زمین سرنگوں ہو جائے گی' آفتاب مل کر رہ گیا' ستاروں نے خون برسایا' پتھروں کی بارش ہوئی' زمین سرخ ہو گئی' شدید طوفان اور آندھیاں چلنے لگیں۔ ہر طرف تاریکی' وحشت اور خوف و ہراس کا دور دورہ تھا۔ اس دوران میں گریہ کرتا ہوا نڈھال حالت میں ذوالجناح آیا' گویا اپنی زبانِ بے زبانی سے کہہ رہا تھا:

الظلیمة الظلیمة من امه اقتلوا ابنِ بنت نبیها

''میں اس اُمت کی خداوندِ متعال کی بارگاہ میں شکایت کروں گا۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیؑ کے لختِ جگرؑ کو قتل کر دیا'' (یہاں گویا کہ گنجائش نہیں مل کہ ذوالجناح نے واقعی انسانی آواز میں یہ کہا ہوگا)۔

ایسے خارق العادہ و العقل اُمور اور آثار کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم مناسب مقام پر اس کے بارے میں بحث کریں گے۔

## آپؑ کے بے ہوش ہونے کا راز

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں پشتِ ذوالجناح سے ارضِ کربلا پر آنے کے بعد سید الشہداء علیہ السلام پر دوبارہ غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ عجیب بات یہ ہے کہ لشکر کفار جسے آپؑ کے قتل کی بہت جلدی تھی اس دوران وہ آپؑ کے نزدیک بھی نہیں بھٹکے۔ باوجود اس کے کہ یہ

وقتِ قتلِ امامؑ کا بڑا آسان موقع تھا۔ اس مطلب کی توجیہ توضیح اور اسرار بیان کرتے ہوئے ہم کہیں گے۔

خلیفۃ اللہ، ولی مطلق، حجتِ کبریٰ پروردگار کے پاس وہ ولایتِ مطلقہ تھی، جو انبیاءؑ اور ان کے اوصیاء کا خاصہ ہے۔ آپؑ ان سب کے تمام کمالات کے وارث تھے۔ اس ولایتِ مطلقہ پر بے شمار آثار مترتب ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک خاصہ یہ ہے، صاحبِ خلافت و ولایت تمام عوالم اِمکان کے لیے ایک قطب نما کی حیثیت رکھتا ہے اور قلب کے مانند تمام موجودات میں رہتا ہے۔

پس اس قاعدے کی رُو سے غشی اور بے ہوشی کی کیفیت کے دوران میں امام مبینؑ ٹھہر گئے تھے تاکہ عرش سے فرش تک جہاں جہاں آپؑ کی تلاش جاری تھی، وہ سب رُک جائیں اور وہ تمام اَرواح جنھیں پرودگار کا قرب حاصل ہے، وہ منتشر ہو جائیں۔ صرف مقربین جیسے روحِ مقدس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، علی مرتضیٰ علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام وغیرہ رہ جائیں۔

اب عالمِ اِمکان کے اندر جتنے موانع تھے وہ سب دُور ہو چکے تھے۔ اس سلسلۂ موجودات کے انہدام اور نابودی کا اِرادہ پروردگار نے ازل سے کر رکھا تھا۔ عین اسی لمحے خدا کا اِرادہ اِضطراب و تزلزل کے سامنے رکاوٹ بن گیا۔ بے حس و حرکت ہونا تمام موجودات کے لیے نہیں ہے۔ یعنی جب سید الشہداء علیہ السلام پر غشی کی کیفیت طاری تھی تب موجوداتِ عالم اور ساری مخلوق بھی جامد اور بے حرکت ہو چکی تھی۔ اس لیے کہ عوالم اِمکان میں حرکت و اِضطراب، خلیفۂ خدا اور جانشین پیغمبرؐ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔

اس وقت خلافتِ مطلقہ اور ولایت تامہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو منتقل نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تک سید سجاد علیہ السلام نے اس مقامِ امامت کی خلعت زیبِ تن نہیں فرمائی تھی اور تاجِ ولایت مطلقہ آپؑ کے سر پر نہیں سجا تھا۔

اس محکم وملکوتی ظریف قاعدہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کی غشی اور بے

ہوشی کے دوران میں (چاہے یہ تین گھنٹے پر مشتمل تھی یا چھے گھنٹے پر جب کہ مؤلف کا نظریہ دوسری شق ہے) لشکر کفار اور یزید کے منحوس اعضا و جوارح نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یعنی ان کے منحوس اعضا و جوارح نے ان کی اَرواحِ خبیثہ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے کہ ان پر بھی جمود و حیرت کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ اپنے اعضا و جوارح کو حکم دینے کی قدرت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یہ حجت خدا کے مقامات میں سے ایک عظیم مقام ہے۔

## سید الشہداء علیہ السلام کے تبسم کا فلسفہ

### رازِ اوّل:

جب شمر ملعون، سید الشہداء علیہ السلام کے سینۂ اقدس پر سوار ہوا اور محاسن مبارک کو اپنے نجس ہاتھ سے پکڑا کہ آپؑ کو شہید کرے تو وہ کافر یہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب مظلوم کربلا علیہ السلام نہایت مجبور، بے بس اور لاچار ہو چکے ہیں اور آپؑ شدید غم زدہ اور محزون ہوں گے۔ شمر لشکر کفار و منافقین کے ہاں اپنا مرتبہ بہت عظیم اور بلند خیال کر رہا تھا۔ وہ اِقرار کر رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ امام علیہ السلام بلند درجات پر فائز تھے۔ انبیاءؑ، اوصیاء اور تمام اہل ایمان و یقین کے وارث تھے اور خدا کے نزدیک عظیم مراتب پر فائز تھے۔ صد حیف کہ امامؑ کا مقابلہ شمر ملعون کر رہا تھا۔ وہ اپنے خبیث نفس کو خدا کا دشمن خیال کر رہا تھا۔ تبھی تو آپؑ پر غلبہ حاصل کر کے شکست دینا چاہ رہا تھا۔

سید الشہداء علیہ السلام اپنے تبسم کے ذریعے اسے سمجھانا چاہتے تھے کہ میری اس کیفیت اور حالت کا ادراک صرف ذاتِ خدا کو ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہے۔ چوں کہ مقامِ صبر اور رضا و تسلیم میں آپؑ کا مطلوب و معشوق حق تعالیٰ ہی تھا۔ تبھی تو شہادت کے مقام تک پہنچنے کو امامؑ سُرور و انبساط اور فرحت و خوش نودی کا ذریعہ سمجھ رہے تھے۔ چوں کہ شہادت کا حسین اور عظیم ثمر مقامِ رضا و تسلیم پر فائز ہونا ہے۔ البتہ اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں، جن میں من جملہ محبانِ اہل بیتؑ کو دوزخ کے عذاب سے نجات دینا بھی شامل ہے اور دشمنانِ

آلِ محمدؑ کو جہنم بھیجتا ہے۔

البتہ سید الشہداء علیہ السلام کا گریہ اور نالہ فریاد جو حرمِ خدا اور رسول ﷺ کی حالت زار کو دیکھ کر ہوتا تھا وہ آپؑ کے مقامِ فرحت و سرور، تسلیم و رضا اور محبوب سے ملاقات سے ہرگز منافات نہیں رکھتا، چوں کہ صاحب ولایتِ مطلقہ آنِ واحد میں انبساط و فرحت اور حزن و ملال کے درمیان یگانگت و ہم آہنگی ایجاد کر سکتے ہیں۔

## رازِ دوّم:

دوسرا راز یہ ہے کہ شمر ملعون کے لیے صاحب ولایت مطلقہ کی رگوں کو قطع کرنا آسان نہ تھا۔ چوں کہ اگر اس ملعون کے ہاتھ آہنی اور فولادی بھی ہوتے تو بھی آپؑ کی رگوں کو کاٹتے وقت وہ ہاتھ پگھل جاتے اور آتشِ غیبی انھیں جلا کر رکھ دیتی۔ چوں کہ اس ملعون نے یہ جسارت کی تھی کہ آپؑ کے سینۂ اقدس پر سوار ہوا تھا اور اس وقت امامؑ نے ارشاد فرمایا تھا:

من أنت ارتقيت مرتقي عظيمًا

''کون ہو؟ تم کہ اس بلند مقام پر بیٹھے ہو جو بہت ہی ارفع و بلند ہے۔''

اس کافر ملعون نے جواب دیا تھا: یزید (ملعون) کا انعام تیرے ناناؐ کی شفاعت سے بہتر ہے۔ وہ اس بات سے غافل تھا کہ سارے عالم اِمکان نے بالآخر فنا ہو جانا ہے۔ اسے کیا خبر کہ اس وقت اَرواحِ انبیاءؑ، اوصیا اور جنتی حضرات اور اصحابِ کسا کی اَرواحِ مقدسہ بڑی غم گین اور گریہ زاری میں مشغول ہیں۔ اب اگر امامؑ، شمر کے مکروہ چہرے پر خلیفۃ الٰہی والے جاہ و جلال سے نگاہ نہیں ڈال رہے تھے بل کہ انبساط و فرحت کا اظہار کر رہے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے عالم نے فنا کے مرحلے سے گزرنا ہے، نظم و انتظام سے خارج ہونا ہے اور زمین اپنے مکینوں سمیت تباہی و بربادی سے دوچار ہونے والی ہے۔

امامؑ نے ان کی حفاظت کی غرض سے یہ کام انجام دیا تھا۔ جیسا کہ اس عالم کی ترتیب اور نظم و انتظام کی حفاظت ہر لمحے آپؑ ہی کے دم سے تھی۔ اگر سید الشہداءؑ ایسا نہ کرتے تو شمر

ملعون دائرۂ قدرت و اختیار سے باہر ہو جاتا۔ اس کے اعضا و جوارح اس کی نجس روح کی اطاعت نہ کرتے۔ اس طرح امر شہادت اپنی تکمیل کو نہ پہنچتا اور داستانِ کربلا اُدھوری رہ جاتی۔

رازِ سوم:

اس راز کی اس انداز میں بھی تشریح کی جا سکتی ہے کہ امامؑ نے شمر کی بے تابی اور عجلت پر بھی تبسم فرمایا۔ جو امامؑ تو عالم اِمکان کا مطالعہ فرما رہے تھے وہ شمر ملعون اور اس کی نیت سے بھی آگاہ تھے۔ اس کے علاوہ وہ ملعون یہ بھی جانتا تھا کہ اتنے زخموں اور حد سے زیادہ خون ریزی کے سبب سے اب شہادت کو چند منٹ ہی باقی بچے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ ذبح کی نوعیت ہی نہ آئے:

آلا لَعنۃ اللّٰہ عَلَی القَومِ الظّٰالِمِین

......*......

# سجدۂ شکر کا فلسفہ

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذوالجناح کی زین سے زمین کربلا پر گرنے کے لمحات نزدیک تھے تو گویا عالم ذر میں پروردگار سے کیے گئے وعدے کے ایفا ہونے کا وقت ہونے کو تھا۔ اس پیمان میں آپؑ نے قبول فرمایا تھا کہ ترویج دین اور اسلام کے قیام کے سلسلے میں تمام مصائب اور مشکلات کو تحمل کریں گے۔ اس بابت وہ جان و مال کا نذرانہ اور اہل و عیال (اس حد تک مصائب برداشت کریں گے' جو ناقابل تصور ہوں) کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ یہ سب کچھ عہدنامے میں موجود تھا۔

اس صحیفۂ آسمانی پر اَرواحِ انبیاءؑ' اوصیا اور مقرب ملائکؑ شاہد تھے۔ آپؑ نے اپنا نام شہداء میں لکھا اور اپنی انگشتری کی مہر بھی لگائی تھی۔ جب یہ عہد نامہ مکمل ہو گیا تو سیدالشہداء علیہ السلام اس عالم میں سجدۂ شکر بجالائے۔ یہ صحیفۂ آسمانی دنیا میں بھی مختوم ہوا۔ عصر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس صحیفے پر اصحاب کسا' حضرت اسرافیل علیہ السلام' حضرت جبرئیل علیہ السلام' حضرت میکائیل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہؑ کے دستخط تھے۔

اس مختصر مقدمے کے بعد ہم اشارہ کریں گے کہ جب کفار و ملاعین نے سیدالشہداء علیہ السلام کو زین ذوالجناح سے زمین کربلا پر اُتارا تو آپؑ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔ تبھی تو خاکِ کربلا پر پہنچتے ہی سجدہ شکر بجالائے تاکہ جو کچھ ابتدا (عالم ذر) میں تھا' انجام اس کے عین مطابق ہو۔ صرف ایک خوف تھا کہ کہیں یہ اِرادہ فعلیت تک پہنچنے سے محروم نہ ہو جائے چوں کہ اس کی عِلت ضعف کی شدت اور پاکیزہ اعضا و جوارح کی شکستگی بھی شامل تھی۔

درحالاں کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے اعضا و جوارح جن کا ایک ایک ذرہ ملکوتی و روحانی علوم و عقول کے مقام پر تھا۔ جن کے ذریعے وہ اللہ کے اوامر کی اطاعت کرتے تھے جو کچھ مطلوب تھا وہ محقق ہو گیا تھا اور عالم ملکوت میں جو سجدہ بجالایا گیا تھا۔ اسی عہد کی بنا پر اب بھی امام علیہ السلام سجدۂ شکر بجالا رہے تھے۔ آپؑ زین ذوالجناح پر بھی سجدہ شکر بجالا کر زمین کربلا پر اُترے تھے۔

## اس طرح کیوں قتل ہوئے؟

اس بحث کے شروع میں چند مطالب موجود ہیں' جن کے کتمان کے سبب مخلصین اور محبوں کے قلوب تنگ آ چکے تھے۔

قلم میں اس کی تاب نہ تھی۔ ہر وقت مخلصین ومحبین کے قلوب میں یہ مطالب موجود رہتے تھے۔ بے اختیار روتے ہیں اور کہتے ہیں: اے کاش! ہم محبوں اور شیعوں کے زُمرے میں جہنم میں ہوتے اور جل جاتے۔ مگر اپنے آقا ومولا اور سید الشہداء علیہ السلام کو یہ مصائب اور مشکلات سہتے ہوئے نہ دیکھتے (ان مصائب کو لکھنے سے زبانِ قلم عاجز تھی)۔

الامان' الامان! کیا آپ نے نہیں سنا کہ جب امامؑ ذوالجناح کی زین سے زمین کربلا پر اُترے تو ان کفار نے کس طرح آپؑ سے جنگ کی؟

جانتے ہو انھوں نے آپؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا! جب خاکِ کربلا پر خاک وخون میں غلطاں پڑے تھے تو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا رہے تھے۔ کیا آپؑ پر چاروں طرف سے تیروں' پتھروں' نیزوں کی بارش نہیں کی گئی؟

یہ بُرا سلوک اس فوج کی طرف سے تھا' جو ابن سعد کی فوجی چھاؤنی میں موجود تھی۔ لشکری جُوق دَر جُوق آتے اور آپؑ پر ظلم کرتے جاتے۔

ہائے مصیبت! پھر آپؑ کے بدنِ اطہر کو گھوڑوں کے ذریعے پامال کیا گیا۔ زندگی میں بھی اور شہادت کے بعد بھی تو آپؑ کے جسم اطہر پر پتھروں' نیزوں اور تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ یہ اس قوم کے سلوک کی ایک جھلک تھی۔

سید الشہداء علیہ السلام کی کیفیت اور بے چارگی کو دیکھ کر دل میں یہ سوال اُٹھتا ہے: خدا نے ایسا اِرادہ کیوں نہ فرمایا جو کفار اور سپاہِ یزید کے اِرادے کے سامنے قدغن لگا دیتا اور وہ بے رحم اور ظالمانہ رویہ ہی اختیار نہ کر سکتے؟ خدا نے اس سپاہِ کفر سے اختیارات اور قدرت سلب کیوں نہ کر لی؟

اس سوال کا یہ مقصد نہیں ہے سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت (ازل سے مکتوب اور محتوم تھی)

واقع ہی نہ ہوتی۔ بل کہ اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ خداوند کریم اس بات پر قادر تھا۔ اس قسم کا بے رحمانہ سلوک نہ ہوتا۔ چوں کہ جن وانس میں ازل سے ابد تک کوئی اس طرح قتل ہوا ہے نہ ہوگا۔ خداوند کریم بھی تو ان دلوں میں رقت اور نرمی ڈال سکتے تھے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اس کے بجائے وہ کچھ ہوتا ہے جو نہیں ہے۔ اس اِشکال اور سوال کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سب کو سمجھایا جائے کہ یہ سوال محبّوں کے دلوں میں تب عود کر آتا ہے جب وہ جواب سے بلا خبر ہو جاتے ہیں۔

بعض بزرگوں اور دوستوں نے بندۂ ناچیز سے بھی یہ سوال کیا ہے اور اپنا اظہار خیال کیا ہے۔ اس سوال سے ہمارا جگر پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان کی خواہش ہے کہ اس کی گرہ کشائی کی جائے اور اس کا کافی اور شافی جواب دیا جائے۔

بندہ نے اس سوال کا جواب اپنی کتاب ''اکسیر العبادات فی أسرار الشہادات'' میں بڑی تشریح وتوضیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کا جواب ہے' مومنین کے قلوب کو جلا ملتی ہے اور وہ خوش ومسرور ہو جاتے ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے: خداوند کریم نے ازل سے سیدالشہداء علیہ السلام پر گریہ کو کلمۂ توحید کی نظیر اور مثال قرار دیا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث بھی ہے:

مَن قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ جَبتَ لَهُ الجَنَّةَ

''جو کلمۂ توحید پڑھے گا' اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔''

نیز ارشاد فرمایا:

من بكى على الحسينؑ و جبت له الجنّة

''جو حسین علیہ السلام پر گریہ کرے گا' اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔''

اوصیا اور خلفائے رسولؐ نے پہلے کلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: اگر ان اُمور میں غور وفکر کیا جائے تو نتیجہ بالآخر محقق ہو جاتا ہے۔ شرط کہہ رہی ہے کہ مومن پر جنت واجب ہے۔ پس اگر وہ پیغمبر اکرمؐ کے اوصیا کی ولایت اور جانشینی کو قبول کر لیتا ہے تو اس پر

جنت واجب ہو جائے گی۔ یہ گریہ آپؑ کی قبر مطہر کی زیارت کے مانند جنت کی کلید ہے۔ یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ گریہ کرنے سے دل تنگی ہوتی ہے اور حزن و ملال پیدا ہوتا ہے۔ حزن و ملال اور قلبی تاثیر کا تعلق اختیاری اُمور سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق اضطراری اُمور سے ہے۔ البتہ اس گریہ و دل تنگی اور تاثیر کے مقدمات اختیاری ہوتے ہیں۔ جب اسباب اختیاری ہیں تو وہ امر بھی اختیاری بن جائے گا۔ بے شک ابتدا میں وہ اضطراری اُمور میں شمار ہوگا۔

بحث کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حزن واندوہ تاثر و گریہ اور اشکِ چشم بھی تو حزن واندوہ کا نتیجہ ہیں جو اُمورِ اختیاری میں سے ہیں۔ اس موضوع کے مشخص ہونے کے ساتھ ایک دوسرا موضوع مطرح ہو جائے گا۔ مختلف افراد کی خواہشات' آرزوئیں اور حسرتیں افکار و فہم کے بارے میں ایک جیسی اور مشابہ نہیں ہیں۔ اسی طرح گریہ زاری اور اس کے نتائج بھی متفاوت ہوتے ہیں۔

بعض لوگ تھوڑی سی محبت میں بہت زیادہ پریشان ہو جاتے ہیں اور گریہ شروع کر دیتے ہیں۔ جب کہ ایسے افراد بھی ہیں' جو رحم دل نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کو پتھروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ دونوں طبقے افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کی تعداد زیادہ ہے۔

اس وضاحت کے بعد سوال کا جواب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ پروردگار کی حکمتِ بالغہ اور اس کے لامتناہی الطاف اور ازلی عنایت اس بات پر ہیں کہ مصائبِ آلِ محمدؐ اور سیدالشہداء علیہ السلام کی شہادت اس انداز میں ہو کہ تمام افراد کو (چاہے نرم دل ہوں یا پتھر دل) جوں ہی سنیں' وہ گریہ زاری شروع کر دیں تاکہ سب کے آنسو جاری ہونے چاہئیں تاکہ خدا کی رحمت سب کے شامل حال ہو جائے۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہنے والے اور تمام موحدین کے درمیان پیغمبرؐ کی دو حدیثوں کے درمیان تشریح و توضیح کرنے کے بعد اتفاق و اِنطباق پیدا کیا جا سکے۔

(من قال لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه و جبت له الجنّة اور من بکی علی الحسین و جبت له الجنّة) ان مطالب کی تشریح کے بعد خداوند متعال کے سِرّ (راز) کی تشخیص ہو جاتی ہے کہ خدا نے کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے تاکہ جو اِن کا دل چاہتا ہے انجام دیں۔

دوسرا راز یہ ہے: پروردگار عالم چاہتا ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صبر و شکیبائی کے مراتب اور درجات انبیاءؑ، اوصیاء اور ملائکہؑ پر ظاہر ہو سکیں تا کہ ان کی فضیلت اور برتری تمام انبیاءؑ، اوصیا اور ملائکہؑ پر واضح ہو سکے۔

دوسری یہ خداوند کریم کی حکمت بالغہ کے اسرار میں سے ایک سِرّ ہے۔ بالخصوص جب ملائکہؑ اور انبیاءؑ و جن و انس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت اور حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا عہد لیا گیا۔

......✱......

# فصل پنجم

# لاشہ شبیر علیہ السلام کا لٹنا

# پیکر سید الشہداء علیہ السلام کا لٹنا

مظلوم کربلا علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسحاق خضر (ملعون) نے آپؑ کا پیراہن لُوٹا۔ جب اسے پہنا تو وہ برص کے مرض کا شکار ہو گیا اور اس کے جسم سے سارے بال جھڑ گئے۔ اس پیراہن مقدس میں تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ایک سو بیس (۱۲۰) کے قریب چھید لگے ہوئے تھے۔

بحر بن کعب تیمی (لعنتی) نے آپؑ کی شلوار لُوٹی۔ وہ زمین گیر ہو گیا۔ اخنس خضر (لعنتی) نے عمامہ لُوٹا، بعض کے بقول جابر بن یزید ازدی نے لُوٹا۔ جب اسے سر پر پہنا تو دیوانہ ہو گیا اور بُرنُس (ایک لمبی ٹوپی جو صدرِ اسلام سے پہنی جاتی تھی) مالک بن یزید کِندی (لعنتی) نے لُوٹی۔ جب واقعہ کربلا کے بعد یہ ملعون اپنے گھر پہنچا اور اس ٹوپی سے خون صاف کرنے کی نوبت آئی تو اس کی بیوی نے کہا: تم فرزندِ رسولؐ کی بُرنُس لُوٹ کر میرے گھر لے آئے ہو؟ گھر سے نکل جاؤ، اب کبھی اِدھر مت آنا، خدا تمھاری قبر کو آگ سے بھر دے۔

یہ ملعون روز بہ روز غریب ہوتا چلا گیا اور بالآخر گداگری پر مجبور ہو گیا۔ سردیوں کے موسم میں اس کے ہاتھوں سے خون رستا رہتا تھا اور گرمیوں میں لکڑی کی طرح خشک ہو جاتے تھے۔

بعض روایات میں مذکور ہے: جب مالک بن یزید کِندی، حضرت امام حسین علیہ السلام کی بُرنُس لُوٹ کر گھر لایا اور اپنی زوجہ سے کہا: یہ فرزندِ رسولؐ کی برنس ہے۔ لہٰذا اس سے خون صاف کرو تو اس عورت نے گریہ کیا اور کہا: لعنت ہو تم پر! فرزندِ رسولؐ کو قتل کر کے یہ ٹوپی لائے ہو؟ خدا کی قسم! میں کبھی تم سے گفتگو نہیں کروں گی۔

مالک نے ہاتھ بلند کیا تا کہ اپنی بیوی کو مار سکے۔ اس کی بیوی آگے سے ہٹ گئی اور اس کا ہاتھ ایک میخ سے جا ٹکرایا اور وہاں سے کٹ گیا۔ مالک آئے دن غریب ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ گداگری کرنے لگا۔ اس کے بعد واصلِ جہنم ہوا۔

اسود بن خالد (لعنتی) نے نعلین مبارک لُوٹی۔ قیس بن اشعث (لعنتی) نے قطیفہ لُوٹا۔ ابن سعد (لعنتی) نے زرہ لُوٹی۔ توابین کے قیام کے بعد یہ زرہ مختار رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعد کے قاتل

کو بخش دی۔ آپؑ کی شمشیر کے متعلق بعض نے لکھا: جمیع ابن خلق اودی اور بعض روایات میں ہے کہ اسود بن حنظلہ تمیمی اور بعض روایات میں ہے کہ نہشلی نے اُٹھائی۔ البتہ یہ بھی ملتا ہے کہ وہ بالآخر حبیب بن بدیل تک جا پہنچی۔

یہ واضح رہے کہ وہ تلوار ذوالفقار نہیں تھی جیسا کہ (مختارؓ کے پاس) لائی گئی۔ زرہ زرہ داؤدی نہ تھی۔ چوں کہ زرہ داؤدی اور ذوالفقار امامت و نبوت کی میراث تھیں، جو پیغمبرؐ کے اوصیا کے علاوہ کسی دوسرے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چوں کہ دوسروں کے اندر ان کی حفاظت کی طاقت و توانائی نہیں ہے۔

البتہ ایک اور بات کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شلوار کا لٹنا بھی محال ہے۔ چوں کہ خلیفۂ خدا کی ستر پوشی ہر حالت میں ضروری ہوتی ہے اور جو کچھ صاحب کتاب تمرالمذاب نے کہا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کا سارا لباس لوٹ لیا گیا (حتیٰ کہ پردہ بھی) یہ غلط اور صد فی صد غلط ہے، مذہب شیعہ کے عقائد حقہ اس کی تائید نہیں کرتے ہیں۔

آپؑ کی انگشتری بجدال بن سُلیم نے لوٹی۔ البتہ کیوں اور کس طرح؟

کیسے تحریر کروں؟ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے...... بہر حال جب اس ملعون نے امام علیہ السلام کی انگشتری اُتارنا چاہی تو وہ نہ اُتری۔ چوں کہ آپؑ کے مقدس خون کے جم جانے کے بعد وہ انگوٹھی اُنگلی میں پھنس گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس ملعون نے آپؑ کی اُنگلی ہی کاٹ ڈالی اور وہ اُنگلی اور انگوٹھی دونوں ہی لے گیا۔

## امیر المومنین علیہ السلام کا انگوٹھی عطا کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز باجماعت میں موجود تھے۔ ایک سائل آیا اور وہ نمازی صفوں کے درمیان چلنے لگا اور مدد کی درخواست کرنے لگا۔ مگر کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے رکوع کی حالت میں اسے اپنی انگوٹھی کی طرف متوجہ کیا اور اس پر خصوصی لطف و مہربانی فرمائی۔ اس کے بعد امامت اور ولایت مطلقہ کے اثبات میں آیت نازل ہوئی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس انگوٹھی کی خصوصیت کے متعلق سوال کیا گیا۔

تو آپؑ نے فرمایا: اس انگشتری کا نگینہ سرخ یاقوت تھا' جس کا وزن پانچ مثقال تھا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے جب طوق بن حران کو قتل کیا تو یہ انگوٹھی بطور غنیمت ملی تھی' طوق بن حران ایک بادشاہ تھا۔

آپؑ سے اس کی قیمت کے متعلق سوال کیا گیا؟

آپؑ نے فرمایا: اس کی مالیت' شام اور اس کے گرد ونواح کی مالیات اور خراج کے برابر ہے۔

عرض کیا گیا: پھر بھی کتنی ہو گی؟

آپؑ نے فرمایا: ایک ہزار شتر کا طلائی بوجھ' چار سو اُونٹوں کا طلائی بوجھ اور چھے سو اُونٹوں کا چاندی کا بوجھ۔

غزالی اپنی کتاب "سرالعالمین" میں "خواصِ نبوت" کے باب میں تحریر کرتے ہیں: امیرالمومنین علیہ السلام (نے رکوع) میں سلمان بن داؤد کی انگشتری (ملک وسلطنت کی اساس اور جن وانس' وحوش و پرندگان اور اَبر و بادل کی تسخیر کی بنیاد تھی' بل کہ ناقابل شمار چیزوں کے لیے تسخیر کا کام دیتی تھی) صدقہ دی۔ اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں آیتِ امامت و ولایت مطلقہ (انما ولیکم اللہ و رسولہ) نازل ہوئی۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری

ہمارے مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل' اہالی مغاربہ (موجودہ فلسطین کے گرد ونواح کا کوئی مقام ہے) کے دو باشندے جو علوم آسمانی اور گزشتہ انبیاءؑ اور غرائب کا علم رکھتے۔ نیز یہ ریاضت اور خود سازی کے ذریعے بلند مراتب پر بھی فائز تھے' ان میں سے ایک کا نام "بلوقیا" اور دوسرے کا نام "عفان" تھا۔ یہ طویل سفر کرنے کے بعد ایک ایسے باغ میں پہنچے جو جنت نظیر تھا۔ اس جنت کے باغ میں موجود ایک تخت پر حضرت سلمانؑ بن داؤد علیہ السلام کا جسد رکھا تھا۔

عفان نے بہت زیادہ ورد و اَوراد اور دعا و مناجات پڑھنا شروع کی۔ جس سے طلسم ٹوٹ گیا اور یہ حضرات باغ میں داخل ہو گئے۔ ان دونوں میں داخل ہوتے وقت "بلوقیا" آگے آگے تھا' وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُنگلی سے انگوٹھی اُتارنا چاہتا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس تخت کے نیچے ایک بہت بڑا اژدھا بیٹھا ہے۔ جو ان اَسرارِ الٰہیہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ وہ باہر نکلا اور ایک ہی پھونک سے اس نے "بلوقیا" کو جلا کر راکھ کر دیا۔ عفان نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے گریبان سے سحر شدہ ایک شیشی نکالی۔ بلوقیا کے جسم پر ڈالی' وہ باذن اللّٰہ زندہ ہو گیا۔

دوسری اور تیسری مرتبہ بھی یہی واقع انجام پایا۔ اس لیے کہ ان پر حرص و ہوس غلبہ پا چکی تھی۔ چوتھی مرتبہ بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ انگشتری اُتارنا ہی چاہتے تھے کہ پھر اژدھے نے جلا کر راکھ کر دیا۔

اس لیے کہ عفان کا علم تو اس حد تک ہی تھا۔ عفان نے فرار شروع کر دیا اور کہا: یہ شیطان کا کام تھا۔

اس لیے کہ نہیں جان پا رہا تھا کہ یہ فرشتہ ہے یا کوئی مومن شخص (جو جنوں میں سے ہے)۔ یہ تو حکم پروردگار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد پر مؤکل و محافظ ہے جو انگشتر' تخت اور باغ سب کی حفاظت کے لیے معین ہے۔

اس دوران میں اژدھے نے للکارا: اے عفان! لوٹ آ' چوں کہ تمھیں خدا کی طرف سے اجازت ہے' لہٰذا یہ انگوٹھی اُتار کر لے جاؤ۔ اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرنا اور محمد مصطفیٰ سید المرسلینؐ کی بعثت کا زمانہ نزدیک ہے' ان تک پہنچا دینا۔ چوں کہ آپؐ ایک ایسے رسول ہیں' جن کو ساری آسمانی و زمینی مخلوق پر برتری حاصل ہے۔ یہ انگشتری آپؐ کے ہاتھ میں سجے گی۔

عفان نے انگشتری اُٹھائی اور اپنی راہ لی۔ وہ کافی مدت بعد مدینہ منورہ پہنچا۔ اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرف یاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس نے اسلام بھی قبول کر لیا اور سارا ماجرا سنایا نیز وہ انگشتری آپؐ کی خدمتِ اَقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے وہ انگوٹھی اپنے وصی حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمائی اور کہا: اپنی اُنگلی کو اس انگشتری سے زینت دو۔

جوں ہی حضرت علی علیہ السلام نے وہ اُنگلی اس انگوٹھی میں داخل کی اچانک پرندے، درندے، جن وانس، اصحاب رسولؐ سب کے سب مشاہدے اور دیدار کے لیے حاضر ہونے لگے۔ ایک مریاط نامی جن جو سلطانِ سلاطین اور شہنشاہِ ملوک تھا، نے عرض کیا: اے امیرالمومنین علیہ السلام! ہم سارے جن (چاہے مسلمان ہیں یا کافر) سارے کے سارے آپؑ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ جیسا کہ سلیمان بن داؤد کے لیے مطیع و مسخر تھے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے چھٹی دی اور فرمایا: مجھے تمھاری ضرورت نہیں ہے۔

ایک مدت کے بعد ملائکہؑ اور ملکوتیوں کے درمیان بحث چھڑ گئی کہ وہ انگوٹھی کہ جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اور تسخیر عوالم کا دارومدار تھا، وہ سائل کو دے دی یا نہیں؟

بعض فرشتوں نے کہا: اگر سائل سوال کرے تو امیرالمومنین علیہ السلام راہِ خدا میں عطا کردیں گے؟

دوسرے گروہ نے کہا: بات عقل میں نہیں آرہی کہ جس شے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اور تسخیر کا دارومدار ہو، وہ چیز ایک سائل کو عطا کردی جائے؟

تمام ملائکہؑ نے بارگاہِ ربوبیت میں درخواست کی کہ ان کے لیے اس مسئلے کو واضح کیا جائے۔ خداوند کریم نے ان کی عرض قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا: جو کچھ زمین میں ہے، ان کے لیے واضح اور مشخص ہے۔ فرشتے آسمانوں اور ملائے اعلیٰ سے نظارہ کرتے تھے۔

جبرئیل امین علیہ السلام ایک سائل کا روپ دھار کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفوں کے درمیان چل رہے تھے اور مدد کی درخواست کررہے تھے۔ کسی نے اسے نیم خرمہ تک عطا نہ کیا۔ اس دوران میں وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپؑ رکوع فرما رہے تھے۔ آپؑ نے اشارہ کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی اساس، انگوٹھی اُتاری اور باہر چلا گیا۔

جبرئیل علیہ السلام نے جب آپؑ کی اُنگلی سے انگشتری اُتاری تو وہ اڑ کر جسد سلیمان علیہ السلام کی طرف پرواز کرگئی۔ ملائکہؑ نے یہ منظر دیکھ کر گریہ کرنا شروع کردیا۔ حتیٰ کہ ان کے گریہ کی آواز تسبیح خدا پر بلند ہوتی چلی گئی اور وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وصی برحق کے لیے مسلسل کہہ رہے تھے خداوندِ متعال آپؑ جیسے بندوں پر فخر و مباہات کرتا ہے۔

**هنیئا لکم انکم اهل بیت انعم اللّٰہ علیکم الذین اذہب اللّٰہ عنکم الرجس وطہرکم تطہیرًا**

''مبارک ہو اے خاندانِ پیغمبرؐ! خدا نے تمھیں یہ نعمت عطا کی ہے کہ تم سے رجس کو دُور کر کے اس طرح پاک کیا ہے' جس طرح پاک کرنے کا حق ہوتا ہے۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان پر پہنچے' نماز ختم ہونے کے بعد یا اس سے قبل دوبارہ نازل ہوئے اور آیت ہدایت وولایت پیش کی (انما ولیکم اللّٰہ......)۔

بارگاہِ نبوت میں آپؐ نے بھی حکم دیا اور مسجد میں موجود اور باہر کھڑے تمام مومنین نے بھی حضرت علی علیہ السلام سے استدعا کی کہ وہ آپؐ کے پاس بیٹھیں۔ خدا کے نزدیک قرب و مقامِ علی علیہ السلام کے لیے فرمایا: اے ابوالحسن علیہ السلام! وہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کہاں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ تو میں نے سائل کو عطا کر دی ہے۔

خاتم الانبیاءؐ نے فرمایا: حکومتِ سلیمان علیہ السلام کی اساس و بنیاد اور شان و شوکت ایک سائل کو عطا کر دی ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے گریہ کیا اور فرمایا: یا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپؐ کے اہل بیتؑ دنیا کا کیا کریں' چوں کہ حلال کا حساب اور حرام کا عذاب ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا:

طوبٰی طوبٰی لک یا ابا الحسنؑ!

''خوش خبری ہو' خوش خبری ہو' اے ابوالحسنؑ! خداوند متعال تمام ملائکہؑ اور مقربین کے سامنے آپؑ پر فخر کر رہا ہے اور آیت (انما ولیکم......) بھی نازل فرمائی ہے۔''

یہ جناب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ اور بندۂ ناچیز کی طرف سے اس کی تشریح اور توضیح تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایت اور داستانِ امام غزالی کے درمیان کسی

قسم کی منافات موجود نہیں ہے بل کہ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن اور آسان ہے۔ نتیجہ یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام نے نماز پڑھتے ہوئے حالتِ رکوع میں دوبارہ صدقہ دیا۔ ایک دفعہ طوق بن حران کی انگشتری عطا فرمائی تو دوسری بار حضرت سلیمانؑ داؤد کی انگشتری عطا کی۔ آیت شریفہ بھی دو مرتبہ نازل ہوئی' جس کی مثال قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے۔

یہاں ایک اہم سوال موجود ہے کہ اگر کوئی امیر المومنین علیہ السلام سے سوال کرے: نماز میں خضوع' خشوع' حضورِ قلب اور خاص توجہ کی ضرورت ہوتی ہے' جس کے بعد "فنا فی اللہ" کی منزل آتی ہے' جب کہ اس وقت آپؑ کی توجہ سائل کے سوال پر تھی۔ تبھی تو آپؑ نے اسے انگشتری اُتار لینے کا اشارہ کیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے: اگر کوئی موحد عارف' کمال عرفان و معرفت حقائق کے مقام تک نہ پہنچا ہو تو نماز میں التفات و توجہ وغیرہ ضروری ہوتے ہیں کہ اس قسم کے اُمور کے لیے خضوع و خشوع ضروری ہوتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ برحق' خلیفۂ خدا اور حجت کبریٰ تھے۔ ان کا مقام اعلیٰ اس قسم کی چیزوں سے ارفع و بلند تھا۔ اس قسم کی توجیہات سے آپؑ کے خضوع و خشوع میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔

اس سلسلے میں جتنی بھی ادلہ اور براھین (منقولات و معقولات) سے نقل ہوئی ہیں' ہم نے ذکر کر دی ہیں۔ ہم مزید وضاحت کے لیے ایک حدیث پیش کریں گے جو ایک منقبت پر مشتمل ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کے مناقب میں سے ہے۔

## امیر المومنین علیہ السلام کی منقبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سند معتبر سے روایت کی گئی ہے: ایک شخص نے بڑے چاق و چوبند موٹے اُونٹ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کیے۔ آپؐ نے انھیں قبول فرمایا اور صحابہ کرام کے ایک گروہ کو مخاطب کر کے فرمایا: جو شخص دو رکعت نماز پڑھے گا' اوّل سے لے کر آخر تک اس کا خضوع و خشوع اور حضورِ قلب برقرار رہے گا' تسلسل کے ساتھ (کہ اسے دنیاوی خیال نہیں آئے گا) اسے ان دو اُونٹوں میں سے ایک عطا کروں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پیغمبر ﷺ کو اپنے اصحاب میں کوئی ایسا نظر نہیں آیا۔ سارے خاموش و ساقط ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں پڑھوں گا۔

آپؐ نے فرمایا: بسم اللہ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے تجدید وضو کی اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب نماز ختم کی تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا: ان دو اُونٹوں میں سے ایک علی علیہ السلام کو دے دیا جائے۔

سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: اے جبرئیل علیہ السلام! میرے وصی اور بھائی نے ابتدا سے انتہا تک نماز خضوع و خشوع اور مکمل حضورِ قلب سے ادا فرمائی ہے مگر سلام پڑھتے وقت ان کے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ ان دونوں اُونٹوں میں سے موٹا کون سا ہے جو میں لوں۔

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ دنیاوی فکر نہ تھی چوں کہ آپؐ کے بھائی کی یہ توجہ بھی تو رضائے خدا کی بابت تھی۔ اس لیے کہ ان کا اِرادہ یہ تھا کہ وہ اُونٹ کو ذبح کر کے راہِ خدا میں فقرا، مساکین اور یتیموں میں تقسیم کریں گے۔ اس لیے سلام ادا کرتے وقت تھوڑا سا خیال آیا۔

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا مقصد مناقبِ امیر المومنینؑ میں سے ایک منقبت کو بیان کرنا تھا تا کہ دوست، دشمن کی پروردگار کی گواہی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی گواہی کے ساتھ اسے سماعت فرمائیں۔

اب جب آپ کے سامنے منقبتِ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام پیش کی گئی ہے۔ ماتم کیجیے کہ وہ حسینؑ ابن علی علیہ السلام جس کے اندر اپنے آبا و اجداد کے مناقب و فضائل کی تجلی و اظہار کا سامان موجود تھا، آپؑ اپنے بھائیؑ، ناناؐ، باباؑ اور ماںؑ کے تمام کمالات کے مظہر تھے۔ وہ ہمیں سمجھانا چاہتے تھے کہ یہ تجلی کس شکل میں ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے وہ انگوٹھی جو سلیمانی بادشاہت کی اساس و بنیاد تھی راہِ خدا میں عطیہ کر

دی ہے۔ صرف حضرت جبرئیلؑ کے ایک سوال کرنے پر؛ جب کہ سید الشہداء علیہ السلام نے راہِ خدا میں وہ انگوٹھی پیش کی؛ جس میں آپؑ کا خون لگا ہوا تھا اور وہ آپؑ کے مقدس خون سے رنگین تھی۔

یہ انگوٹھی لاکھوں مرتبہ زیادہ قیمتی اور زیادہ اہمیت کی حامل ہو گی۔ اس انگوٹھی کی نسبت جو سلیمانی بادشاہت و سلطنت کی بنیاد تھی؛ سے کیوں نہ ہوتی؛ یہ تو حسینؑ ابن علیؑ کے خون کے ذرّات سے مزین تھی۔ یہ تو بارگاہِ خدا میں تمام اَرواحِ ملائکہ اور کروبیوں پر فخر و مباہات کرتے تھے۔

اے دل! جل اُٹھ؛ اے جگر! خون میں تبدیل ہو جا؛ اے زبان! نوحہ پڑھ؛ جب امیر المومنین علیہ السلام نے انگوٹھی صدقے میں دی اس وقت "فنا فی اللّٰہ" کے نزدیک تھے مگر جب سید الشہداء علیہ السلام نے انگوٹھی عطا کی اس وقت راہِ خدا میں "فنا فی اللّٰہ" میں بہنے والے خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ چوں کہ سید الشہداءؑ رکوع و سجود سے زیادہ خضوع و خشوع کی منزل پر فائز تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے انگوٹھی حالتِ رکوع میں عطا کی۔ جب کہ سید الشہداء علیہ السلام نے ایسی حالت میں انگوٹھی عطا کی کہ جب آپؑ کے تمام اعضا و جوارح سے خون رِس رہا تھا۔ آپؑ کا بدنِ اطہر خاک و خون میں غلطاں تھا اور اعضا و جوارح کربلا کی ریتِ گرم پر خضوع و خشوع کی مثال بنے ہوئے تھے۔ پھر صابرین و ساجدین کا سجدہ کہ سجدے سے سر اُٹھا کر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔ پھر بھی وہ سر تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس میں مشغول تھا۔

اللہ اکبر! عجب اَسرار ہے کہ صاحبانِ عقل کا عقل اس مقام کے ادراک پر حیرت و اِضطراب کا شکار ہے۔

محمد بن مسلم معتبر سند سے روایت کرتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: سید الشہداء علیہ السلام کی انگوٹھی بالآخر کس کو ملی؟ میں نے سنا ہے کہ روزِ عاشور اس انگوٹھی کو لُوٹا گیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے سنا ہے۔ وہ انگوٹھی پیغمبر اکرمؐ سے حضرت علی علیہ السلام؛ ان سے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور پھر سید الشہداء علیہ السلام تک پہنچی۔ پھر ان سے امام زین العابدین علیہ السلام تک اُن کے بعد میرے پدر بزرگ وارؑ اور اب میرے پاس ہے۔ میں ہر جمعہ کے دن اسے پہن کر نماز پڑھتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مذکور یہ روایت اور اس (لوٹ مار کی) کی بابت جتنی بھی روایات پیش کی گئی ہیں کہ بجدال بن سُلَیم (لعنتی) نے لوٹی ہے' کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جس انگوٹھی کا تذکرہ فرمار ہے ہیں وہ امامت و نبوت کی میراث میں سے ہے' جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے خلفا کے پاس ہونی چاہیے اور وہ انگوٹھی جو بجدال بن سُلَیم ملعون نے لوٹی وہ اس ہاتھ میں نہیں تھی۔

محمد بن مسلم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ شاید یہ انگوٹھی انبیاءؑ و آئمہؑ کی میراث میں سے ہے' لیکن نہیں تھی۔ تبھی تو اس کے سوال کرنے کا انداز بڑا ہلکا پھلکا تھا۔ اس روایت کا سیاق و سباق بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اس کے لٹنے کی نفی فرمائی ہے۔

جس طرح روز عاشور سید الشہداء علیہ السلام کا لباس لُوٹا گیا۔ اس کے ساتھ تمام شہداء (بنی ہاشمؑ یا غیر بنی ہاشم) کے لباس لُوٹے گئے۔ ان کی تلواریں' نیزے اور ساری اشیا لوٹی گئیں۔ مگر کسی بھی شہید کو مکمل برہنہ نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ ظالموں کے اندر اس کی طاقت وقدرت نہ تھی۔ لہٰذا وہ کسی کو بھی برہنہ نہیں کر سکے۔ (غیرت خداوندی بھلا یہ کیسے گوارا کر سکتی ہے؟!)

اس نتیجہ کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے ان کے اس فاسد عقیدے پر دلائل بھی موجود ہیں۔

# فصل ششم

# شہادتِ امام علیہ السلام کے بعد ذوالجناح کی کیفیت

# شہادت کے بعد ذوالجناح

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے ذوالجناح نے گریہ زاری شروع کر دی اور جا کر ایک ایک شہید کے جسد اطہر پر فریاد کی۔

عمر ابن سعد (لعنۃ اللہ) نے حکم دیا کہ اس اسپ کو پکڑو اور میرے پاس لاؤ۔ یہ اسپ رسولؐ اللہ کے بہترین گھوڑوں میں سے ایک ہے۔

لشکر یزید کے سوار چاروں طرف سے اس "اسپ باوفا" کو پکڑنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ذوالجناح نے بعض کو لاتیں رسید کیں اور بعض کو اپنے دانتوں سے کاٹ کر واصل جہنم کیا اور کئی سواروں کو گھوڑوں سے گرا کر واصل جہنم کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق چالیس ملعونوں کو جہنم کا راستا دکھایا۔

ابن سعد (لعنتی) نے فوج کو حکم دیا: ذوالجناح سے دُور ہو جاؤ تا کہ دیکھیں یہ کیا کرتا ہے۔ جب ذوالجناح کو یقین ہو گیا کہ اب اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو اس نے تمام شہدائے کربلا کے خون میں غلطاں جسموں کی طرف دیکھا۔ سب سمجھ گئے کہ اسے سید الشہداء علیہ السلام کی تلاش ہے۔ جب ذوالجناح لاشۂ شبیر علیہ السلام پر پہنچا' اس نے جسد امامؑ کے بوسے لینا شروع کیے اور چومنا شروع کر دیا اور خود کو آپؑ کے جسم اطہر سے مَس کرنے لگا۔ پھر اپنی زبان میں بلند آواز سے گریہ کرنے لگا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ذوالجناح اس دکھیاری ماں کے مانند گریہ کر رہا تھا جس کا جوان بیٹا مر جائے اور کہہ رہا تھا:

الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابنِ بنت نبیها

"کتنی ظالم اور ستم گر ہے یہ فوج اشقیا جس نے نواسۂ رسولؐ کو قتل کر دیا۔"

ایک روایت میں منقول ہے: جب جنگ صفین کے دوران میں لشکر معاویہ نے فرات کا محاصرہ کر لیا تو معاویہ کی سپاہ نے امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی فوج پر پانی بند کر دیا تھا۔ لشکر امام علی علیہ السلام کے روسا اور سپہ سالاروں سے معاویہ کے چند فوجیوں کو ہٹا کر فرات پر قبضہ کرنا مشکل

ہو رہا تھا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے پانچ سو (۵۰۰) سوار دے کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو روانہ کیا، تا کہ پانی پر سے قبضہ ہٹایا جا سکے۔ مظلومِ کربلا علیہ السلام ان سواروں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ معاویہ کے سپاہیوں کی ایک خاطر خواہ تعداد کو قتل اور باقیوں کو بھگا کر پانی پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے اہلِ لشکر! یہی میرا اور رسولؐ خدا کا فرزند، حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں تشنہ لب قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا گھوڑا لوگوں سے دُور بھاگ جائے گا اور گریہ و فریاد کرے گا اور یہ بین کرے گا:

الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابنِ بنت نبیهم وهم یقرون القراٰن الذی جاء به الیهم

"یہ کتنے ظالم لوگ ہیں، جنھوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند قتل کر دیا ہے۔ جب کہ یہ تلاوتِ قرآن بھی کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ قرآن اسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی تو نازل ہوا۔"

اس کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ دو اشعار ارشاد فرمائے:

وکل ذی نفس او غیر ذی نفس
یجری الی اجل یأتی باقدار
علی الحسینؑ جهارًا قبل مصرعه
علمًا یقینًا بان یبلی باشرار

"ہر وجود چاہے زندہ ہے یا مردہ اس کے مقدر میں اختتام لکھا ہوا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں، گرفتار افرادی شرپسند ہیں اور انھیں قتل کریں گے۔"

ذوالجناح ایک مکمل انسان کے مانند تھا۔ اس نے خود کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون میں غلطاں کیا، دور خیام کا رُخ کیا اور بلند آواز سے گریہ کرتے ہوئے جا رہا تھا، اپنے پاؤں

زمین پر مار رہا تھا۔ ذوالجناح کی آواز سے کربلا میں کہرام بچ گیا' وہ ایک ہی بین کر رہا تھا:

الظليمة الظليمة من امة قتلت ابنِ بنت نبيها

''ہائے کتنے ظالم لوگ ہیں' جنھوں نے اپنے نبی ﷺ کی دُختر کے بیٹے کو قتل کرایا۔''

سب نے اس ''اسپ باوفا'' کے حالات کو دیکھا اور تعجب کا اظہار کیا۔ جب ذوالجناح خیام کی سمت کو آ رہا تھا وہ بلند آواز سے نالہ فریاد کر رہا تھا۔ اس کے گریہ کی صدا حضرت سیدہ زینبؑ کے مبارک کانوں سے ٹکرائی تو انھوں نے حضرت سکینہؑ سے فرمایا: تمھارے بابا! آئے ہیں اور پانی لائے ہیں' جا کر ان کا استقبال کرو۔

درحقیقت بی بی زینبؑ کا یہ جملہ شدتِ غم واندوہ اور اِضطراب کی کیفیت میں ادا کیا ہوا جملہ تھا۔ چوں کہ وہ لمحات دُور نہیں تھے کہ سارے اہلِ حرمؑ مستورات اور بچے سب ان کے ساتھ مل کر کہیں موت کی وادی میں نہ پہنچ جائیں۔

البتہ اس روایت سے یوں استفادہ ہوتا ہے کہ شہادت کے دوران میں بی بی زینبؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس موجود نہیں تھیں۔ اس حالت میں جب امامؑ زمین پر گرے تو ذوالجناح نے آ کر خبر دی' ساری مستورات اور بچے میدانِ کربلا کی طرف دوڑے۔ انھوں نے جب امامؑ کو اس حالت میں دیکھا تو گریہ زاری اور بین کرنے شروع کر دیے۔ امامؑ نے اشارے سے سب کو واپس خیام میں جانے کی اِطلاع دی۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ ذوالجناح دو مرتبہ خیام میں آیا۔ پہلی مرتبہ یہ اِطلاع دی کہ فرزند ابوتراب علیہ السلام' تراب کربلا تشریف لا چکا ہے۔

دوسری مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ اے اس جہاں کے مکینو! سروں میں خاک ڈال لو کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔

بہرحال بی بی سکینہؑ خیمے سے باہر آئیں اور ذوالجناح کے استقبال کے لیے آگے بڑھیں۔ جب دیکھا تو ذوالجناح کی زین خالی تھی اور ایک طرف جھکی ہوئی تھی اور ذوالجناح خون

میں نہایا ہوا تھا۔

## ذوالجناح کا مرتبہ اور مقام

یہاں پر یہ تذکرہ از حد ضروری ہے کہ ذوالجناح کے متعلق ایک دوسری روایت بھی موجود ہے۔ جیسے کتاب ''اکسیر العبادات فی أسرار الشہادہ'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کتاب میں بھی تفصیل سے ذکر کریں گے۔ میرا عقیدہ اس روایت پر بہت زیادہ ہے۔ البتہ اس حصے میں چند اہم مطالب کا تذکرہ ضروری ہے۔ ذوالجناح کے مقام اور مراتب سے چشم پوشی کرنا اور کسی اشتباہ وغفلت کا شکار ہونا ٹھیک نہیں ہے' لہٰذا غور وفکر کرو اور اس پر محکم عقیدہ رکھو کہ ذوالجناح بھی تو امامت وخلافت کی میراث ہے۔ جیسا کہ روزِ عاشور اس کا مقام اور مرتبہ بڑا واضح اور آشکار ہو جاتا ہے۔

اب اگر ہم نظر کریں تو نبوت و ولایت کی میراث (علوم اور اسبابِ علوم سے ہٹ کر) لباس' انگشتری' ذوالفقار' زرہ رسولِ خدا' تیر' کمان وغیرہ جیسے وسائل ہیں۔ ذوالجناح ان سب پر فضیلت رکھتا ہے اور کیوں نہ رکھتا ہو اس نے روزِ عاشور بھاگ دوڑ' سختیوں اور زحمتوں کو برداشت کیا۔ بھوکا' پیاسا رہ کر تیروں' تلواروں' نیزوں' پتھروں اور دشمن کے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنا ایک فعال اور تاریخی کردار ادا کیا۔ جس کے سبب سے اسے بلند درجات حاصل ہیں۔ اگرچہ اس کے درجات کا دسواں حصّہ بھی تحریر میں نہیں لایا گیا۔

ذوالجناح کی صفات وخصوصیات کی معراج' گریہ زاری اور مظلومِ کربلاؑ کے دکھوں پر بین کرنا ہے' جو شہادت کے بعد ذوالجناح مسلسل انجام دیتا رہا۔ ہم نے اسے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہ ''اسپِ باوفا'' اس بلند مرتبے پر ادراک' شعور' اپنی لامحدود عقل کے اور دوسری خصوصیات کے ذریعے پہنچا ہے۔ جیسا کہ صفین کے مقام پر بھی امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا تھا: اس کے منہ سے نکلے گا:

الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابنِ بنت نبیها

''ہائے ظالم گروہ! جنھوں نے نواسۂ رسولؐ کے خون میں ہاتھ رنگین کیے ہیں۔''

جب مخلص شیعہ اور مولاؑ کے حب دار اس امر پر خصوصی توجہ دیں گے اور غور وفکر سے کام لیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ ذوالجناح کا مقام حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جنتی سواری ارمکہ سے بھی کہیں بلند ہے۔

جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مصر سے باہر آئے اور فرعونی ان کا تعاقب کر رہے تھے تاکہ انھیں گرفتار کر کے تہ وتیغ کر سکیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو نیل میں اُترنے کا حکم دیا۔ فرعون کا گھوڑا نیل میں داخل نہ ہوا۔ جب کہ دوسری طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ارمکہ داخل ہوگئی۔ فرعون نے پیچھا کیا، اس کی ساری قوم غرق ہوگئی۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نجات پاگئے۔

بنی اسرائیل کے ایک سامری نے دیکھا کہ جب تک حضرت جبرئیل علیہ السلام نیل میں داخل نہ ہوئے تھے تو ارمکہ جہاں بھی قدم رکھتی وہاں سے خاک اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی۔ سامری سمجھ گیا کہ اس سواری کا تعلق یقیناً بہشت اور عالم ملکوت سے ہے۔ سامری نے جاکر ارمکہ کے قدموں کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی۔ ایک بچھڑا بنایا اور وہ خاک اس کے شکم میں ڈال دی۔ اس کے شکم سے بچھڑے کی آواز آنے لگی۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ ذوالجناح چند خصوصیات کی بنا پر کہ جیسے اپنے آپ کو خونِ سیدالشہداء علیہ السلام سے خود کو رنگین اور غلطاں کیا تمام جنتی حیوانات سے اعلیٰ وافضل ہے۔ ذوالجناح کے جہاں بھی قدم پڑتے، لاتعداد آثار اور خواص دیکھنے کو ملتے۔ جو ارمکہ جبرئیل امینؑ کے قدموں کے نشانوں کے آثار سے کہیں زیادہ ہیں۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ جنگ وجدال اور قتل وغارت کے دوران میں جب سیدالشہداءؑ فرات میں داخل ہوئے تو آپؑ کا مقصد ذوالجناح کو پانی پلانا تھا۔ سیدالشہداءؑ کی یہ توجہ اور التفات بھی ذوالجناح کے مقام اور مرتبے کو مزید رفعت عطا کرتی ہے۔ اگر ہم ان تمام صفات وکمالات اور درجات وفضائل کو اکٹھا کریں تو پھر ذوالجناح کی فضیلت کسی سے کیوں کر کم ہوگی؟

ان تحقیقات سے علم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی معدنِ رحمت وفتوت اور جواں مردی، بہادری، شجاعت اور قتل وغارت وغیرہ اس باوفا حیوان کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ چوں کہ اس "اسپِ باوفا" نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔ امامؑ نے فرمایا: اے ذوالجناح! آج تم نے اپنے آپ کو بہت زیادہ مشقت میں ڈالا، لہٰذا تھوڑا سا صبر کرو۔ یہ صبر وتحمل، زحمات اور کوششوں کی تمام انواع پر برتری وفضیلت رکھتا ہے۔ چوں کہ تم نبوت و ولایت کی میراث ہو، دنیا و آخرت میں تمھیں میراثِ ولایت کے عنوان سے یاد رکھا جائے گا۔ بہشتِ اعلیٰ میں تجھ پر صرف حسینؑ ابن علی علیہ السلام سوار ہوں گے۔

جتنے بھی مطالب ذکر کیے گئے ہیں ان سے محکم اور دقیق اُصول وقوانین کا استنباط ہوتا ہے۔ مشہور گفتار ہے کہ (فرق اس سے نہیں پڑتا کہ لوگوں کے لیے یہ گفتگو یا مقولہ مستند ہو یا نہ ہو اور وہ مقولہ یہ ہے) جب مقابلہ اور مبارزہ شروع ہوا تو ذوالجناح نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

اے میرے مالک! اے خلیفۃ اللہ! میں آپؑ کو لے کر میدانِ جنگ کے چکر لگا رہا ہوں۔ اپنے دل و جان سے ان مصائب ومشکلات کے تحمل پر نہ صرف راضی ہوں بل کہ یہ میرے لیے باعثِ افتخار ہے۔ مجھے صرف اتنا ڈر ہے کہ بروزِ محشر آپؑ جنتی سواری پر سوار ہو جائیں گے اور مجھے اپنی نظرِ عنایت سے محروم کر دیں گے اس طرح میری رکابیں آپؑ کے مبارک قدموں سے خالی ہوں گی۔

معدنِ عصمت و رحمت نے ذوالجناح سے عہد و پیمان باندھا اور وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: میں بہشتِ عدن اور فردوسِ اعلیٰ میں بھی تم پر ہی سواری کروں گا۔

میں نے مذکورہ گفتگو کی سند نہیں پائی مگر بہ خوبی معلوم ہوتا ہے، جب کہ آج تو یہ حقیقت بھی زیادہ روشن اور واضح تر ہے جس کی مزید وضاحت اور بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ نتیجتاً میرا عقیدہ یہ ہے کہ ذوالجناح دوسرا مواریث نبوت و امامت کے مانند اس وقت امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں موجود ہے۔

بہر حال روزِ عاشور جو عجیب و غریب حالات و واقعات رونما ہوئے وہ محفوظ نہیں کیے گئے۔ ذوالجناح کے ذریعے خارق العادہ اُمور وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ہم صرف اتنی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے چند خلاف عقل و عادت اُمور کی نشان دہی کر سکیں۔

## روزِ عاشور کے بعض عجیب و غریب واقعات

بعض محدثین نے مثلاً شیخ حر عاملی نے اپنی کتاب "نصوص المعجزات" اور "تظلم زہراؑ" میں معتبر سند کے ذریعے حضرت مفضل بن عمر سے اور انھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ذکر کی ہے کہ آپؑ ارشاد فرماتے ہیں: جب فوجِ اشقیا نے مظلومِ کربلا علیہ السلام، آپؑ کے اصحاب اور جاں نثاروں پر نہر فرات کا پانی بند کر دیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: جو پیاسا ہے آئے پانی پیے۔ آپؑ نے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا تو فوارے کے مانند پانی جاری ہو کر بہنے لگا۔

سارے اصحاب اور بنی ہاشمؑ اُٹھے اور یکے بعد دیگرے امامؑ کی ہتھیلی سے منھ لگا کر سیراب ہونے لگے۔ حتیٰ کہ سب سیراب ہو گئے۔ بعض نے تو ایک دوسرے سے یہ بھی کہا: خدا کی قسم! ہم نے وہ پانی پیا ہے جو دو جہانوں کے بسنے والے کسی شخص کو آج تک نصیب نہیں ہوا۔

جب تمام اصحاب و انصار جامِ شہادت نوش کر چکے اور آپؑ بھی سید الشہداءؑ کے عظیم مرتبے پر فائز ہو چکے تو:

> وکان فی یوم العاشر عندالمغرب قعدالحسین باسمائھم و اسماء آبائھم فیجیبه الرجل عبدالرجل فیقعدون حوائم یدعو بالمائدۃ فیطھم من طعام الجنّۃ و یسدقیھم من شرابھا ثم قال الصادقؑ واللّٰه لدراھم عدۃ من الکونین ولقد کرر علیھم لو عقلوا قال ثم فرجو الرسلھم فعاد کل واحد منھم الی بلادہ

"روزِ عاشور مغرب کا وقت قریب تھا۔ آپؑ کا سرِ اقدس آپؑ کے بدنِ

اطہر سے آ کر ملحق ہوا۔ آپؑ نے تمام شہدائے کربلا کو خواہ وہ ہاشمیؑ تھے یا غیر ہاشمی' ان کے اور ان کے والد کے نام سے پکارا۔ سب نے جواب دیا اور وہ ایک ایک کر کے اُٹھے اور سید الشہداء علیہ السلام کے گرد آ کر بیٹھ گئے۔ آپؑ نے طعام چاہا تو بہشتی طعام نازل ہو گیا۔ سب نے جنتی غذا اور مشروبات کھائے۔ حتیٰ کہ سب سیراب ہو گئے۔"

یہ حدیث مشکل احادیث میں سے ہے۔ بالخصوص جب حدیث کا بقیہ حصہ ملاحظہ کیا جائے تو ہم ان حالات کو اس طریقے سے بیان کریں گے کہ عام محبوں اور شیعوں کے لیے بھی آسان فہم بن جائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اہل کوفہ میں سے ایک گروہ نے ان معجزات اور نشانیوں کو متعدد بار دیکھا۔ مگر چوں کہ وہ عقل ایمانی سے خالی تھے۔ ضلالت و گم راہی میں عمر بن سعد کے لشکر کے مانند تھے۔ ان کے خیام مقتل کے قریب تھے۔ لیکن جب انھوں نے اس قسم کے معجزات دیکھے تو وہاں سے فوراً کوچ کر گئے۔ بل کہ عمر بن سعد کے لشکر کو بھی چھوڑ گئے۔"

گزشتہ مطلب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ شہدائے کربلا نے اپنے مادی اور دنیاوی اُجسام کے ذریعے بہشتی غذا تناول فرمائی اور مشروبات نوش کیے۔ جب ان کے سر ان کے اُجسام سے ملحق ہوئے تو یہ معجزہ اور خارق العادہ امر اس آیت کا مصداق بن گیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (سورۂ آل عمران' آیت ۱۶۹)

"جو لوگ راہِ خدا میں قتل کیے گئے ہیں انھیں مردہ مت کہو۔ بل کہ وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے اللہ سے رزق پا رہے ہیں۔"

یہ سب کچھ صاحب ولایت مطلقہ سے انجام پذیر ہوا۔ اہل کوفہ کی حسرت و ندامت اور

جن افراد نے اس واقعہ کو دیکھا انھوں نے مظلوم کربلا علیہ السلام کی مدد و نصرت سے بغاوت اور تخلف پہلے سے زیادہ کیا۔ میں دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ اہل کوفہ کے ایک گروہ نے جب دیکھا کہ شہدائے کربلا سید الشہداء علیہ السلام کے اطراف میں تشریف فرما ہیں اور جنتی خورد و نوش میں مصروف ہیں۔ شہداء کی یہ حالت گھنٹے یا دو گھنٹے کے لیے تھی۔ اس کے بعد پھر پہلے والی حالت میں پلٹ گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ جب تک وہ کوفیوں کا گروہ کربلا سے نکل نہیں گیا شہداء جنتی دسترخوان پر بیٹھے ان کے کربلا سے چلے جانے کے بعد شہدائے کربلا اپنی سابقہ حالتوں کی طرف پلٹ گئے۔

## حدیث کا بقیہ حصہ

ثم أتي بجبال رضوی فلا یبقی احد من المومنین الا اتاہ و ہو علی سریر من نور قد حف بہ ابراہیم و موسٰی و عیسٰی و جمیع الانبیاء ومن ورائھم للمومنون ومن ورائھم الملائکۃ ینظرون مایقول الحسینؑ قال فھم بھذہ الحالہ الی ان یقوم القائم وافوا فیھا و مبینھم الحسین حتی یأتی کربلا فلا یبقی سماوی والارضی من المومنین الاخطوا بالحسینؑ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

”اس کے بعد انھیں کوہِ رضوی پر لایا گیا۔ وہاں وہی ٹھہر سکتا ہے جو سید الشہداء علیہ السلام کی طرف سے بھیجا گیا ہو۔ امامؑ نورانی تخت پر تشریف فرما تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے اطراف میں تشریف فرما تھے۔ اس کے بعد مومنین اور ملائکہؑ تشریف فرما تھے۔ سب امامؑ کے حکم و ارشاد کے منتظر تھے۔ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ حتیٰ کہ قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے اور سید الشہداء علیہ السلام کربلا آ جائیں گے۔ اس وقت زمین و آسمان کا کوئی موجود بھی زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام سے محروم نہیں ہوگا۔“

جیسا کہ بالکل واضح ہے۔ اس روایت کے نشیب و فراز میں پیچیدگیاں موجود ہیں۔ فہم کے ذریعے حقیقت تک رسائی آسان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث اپنے فقرات کے لحاظ سے مشکل احادیث میں شمار ہوتی ہے۔ ہم خدا کی مدد سے اس کی تشریح و تبیین کی سعی کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام پر توجہ کریں۔ آپؑ نے فرمایا: "ثم أتی بجبال رضوی" یعنی انھیں لایا جا سکتا ہے۔ اس فقرے اور اس کے بعد والے فقروں سے سمجھ آتا ہے کہ عالم برزخ میں مثالی اور برزخی اَجسام کے ذریعے وہ اپنے ملکوتی مکانوں تک پہنچیں گے۔ البتہ اس سے پہلے والے جملے کی تشریح یہ تھی کہ وہ دنیا سے مربوط ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہ مطالب جو "ثم أتی بجبال رضوی" سے پہلے ذکر ہوئے ہیں۔ اس جملے کے بعد والے مطالب سے کوئی متعلق نہیں ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ مطالب جو حدیث کی ابتدا میں ذکر سے دنیاوی لحاظ سے ان شہداء کے اَجسام تو کربلا میں پڑے تھے۔ جب کہ سید الشہداء علیہ السلام جو صاحب ولایت و خلافتِ مطلقہ ہیں انھوں نے قرب و جوار میں موجود کوفیوں کو ان شہداء کے مثالی اَجسام کی زیارت کرائی ہے۔ کوفیوں نے دیکھا کہ وہ امام مظلوم کربلا علیہ السلام کے اردگرد بیٹھ کر بہشتی طعام و غذا تناول فرما رہے ہیں۔ ان کوفیوں کو حسرت و ندامت نے آ گھیرا۔

البتہ شہدائے کربلا کے برزخی و مثالی اَجسام کی زیارت کی بابت دو نظریے موجود ہیں (حدیث کا دوسرا حصہ)۔

ایک احتمال یہ ہے کہ کوفیوں نے دیکھا اور دوسرا احتمال کہ کوفیوں نے نہیں دیکھا۔ مگر جو کچھ بحث ہوتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفیوں نے "رضوی جبال" والا واقعہ نہیں دیکھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کا یہ جملہ "ثم أتی بجبال رضوی" بعد میں آیا ہے۔ یہ عالم برزخ سے مخصوص ہے۔ اس حدیث کی شرح کتاب "اکسیر العبادات فی أسرار الشہادات" میں پیش کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف مطلب و مقصد کو آسان بنا کر سمجھانا مقصود تھا۔

……⚙……

# فصل ہفتم

# شہادتِ امام علیہ السلام کے بعد اہلِ حرمؑ کے حالات

# ایک اہم مقدمہ

مومنین اور اہل ایمان پر بالکل واضح اور عیاں ہے کہ اس سارے عرصے میں کسی بھی ملعون کو کسی بی بیؑ کی طرف گستاخانہ نظر ڈالنے کی توفیق اور ہمت نصیب نہیں ہوئی۔

کسی نے یہ جسارت نہیں کی' خدا کی قسم! ان کے دلوں کو اس قسم کا خیال کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا' اس لیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عہد و میثاق نامے میں اس کی باقاعدہ تاکید کی گئی۔ عالم اَرواح (عالم ذَر) میں اس کی باقاعدہ تدوین و توثیق ہوئی۔ یہ صاحب ولایت و خلافت کے مقتضیات میں سے ہے۔

اس نکتے میں جو اشارہ کیا گیا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر چہ اس حصے میں شواہد اور دلائل بہ کثرت موجود ہیں۔ لہٰذا جب بھی کوئی کسی بی بیؑ سے کوئی سامان لوٹنا چاہتا تو وہ نیزے یا تیر کی کمان کو درمیان میں بطور پردہ استعمال کر کے لُوٹتا۔ کسی کو اپنے نجس ہاتھوں سے لُوٹنے کی جراَت نہیں ہوئی۔ البتہ نیزے کے ذریعے ایک مخدومہؑ کے کاندھے پر ضرب لگائی گئی۔ مگر اس لعین نے اپنا چہرہ فوراً پھیر لیا کہ کہیں میری نظر مخدومہؑ پر نہ پڑ جائے۔

اتنی بحث کے بعد ہم اپنے اصلی مقصد کی طرف آتے ہیں کہ اس سارے عرصے میں آلِ رسولؐ یا دوسرے شہدائے کربلا کے خاندانوں کی طرف سے ان ملعونوں کے سامنے التماس اور استدعا جیسے الفاظ بھی نہیں کہے گئے۔ بل کہ ساری بیبیاںؑ انھیں لعنتی اور بُرا کہتی رہیں۔ اگر چہ کوفی (لعنتی) انھیں تازیانے مارتے رہے۔ مگر ان کی لعن طعن کا جواب نہیں دیا گیا۔

شیعیانِ حیدرِ کرارؑ اور عزادارانِ سید الشہداءؑ کو ان دو چیزوں پر عقیدہ رکھنا چاہیے۔ اس کے برعکس عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہوگا ورنہ سید الشہداءؑ (اور خدا و رسولؐ) کی رنجش کا خطرہ ہے۔

## خیام کی غارت گری

مخلص مومنین پر مخفی نہ رہے خداوند کریم کی قسم! جس طرح سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کی کیفیت تحریر کرنا میرے لیے مشکل تھا' طاقت و توانائی میرا ساتھ چھوڑ رہی تھیں اور مجھے عجیب و

غریب حالات کا مشاہدہ کرنا پڑا۔ حالات شہادت کے بعد (خیام کی لوٹ مار) کے حالات ضبط تحریر میں لانے میں انھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

گزشتہ بارہ دن سے میں ان واقعات کو ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں اور جو اپنے سامنے کتابیں رکھتا ہوں اور کھولنے کا ارادہ کرتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہزاروں سانپ اور بچھو مجھے ڈسنے کو دوڑتے ہیں۔ میں پھر کتابیں بند کر کے ایک طرف رکھ دیتا ہوں۔

اس شب جمعہ بھی عجیب و غریب حالات کا مشاہدہ کرنا پڑا۔ جن کا راز اور فلسفہ بڑا واضح ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بدن اطہر کا ہر ٹکڑا اس خونی واقع پر گریہ کناں ہے۔ مقدس سر نیزوں پر سوار ہو کر خیام آلِ رسولؐ کی طرف لائے گئے۔ نیزہ برداروں نے جوں ہی حرکت کی سید الشہداء علیہ السلام کے سر نے قرآنی آیات کی تلاوت شروع کر دی اور آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

سنا ہے یا نہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام خون و خاک میں غلطاں تھے اور ابھی شہادت واقع نہیں ہوئی تھی کہ کفار نے خیام پر چڑھائی کر دی؟

آپؑ کے سینہ مبارک میں حرکت پیدا ہوئی۔ آپؑ نے غم گین اور نحیف آواز میں ارشاد فرمایا: وائے ہو تم پر اے بے غیرت عربو! میں ابھی زندہ ہوں۔ تمھیں شرم نہیں آ رہی خبردار! جو آلِ رسولؐ کے خیام کی جانب قدم بڑھایا۔

ولی خداؑ کی اس للکار کا ان ملعونوں پر گہرا اثر ہوا اور وہ کینے حیرت و اضطراب کی تصویر بنے واپس چلے آئے۔

آہ! آہ! معلوم نہیں ہو رہا کیسے شروع کروں؟ اب مجھ پر حیرت و اضطراب کا غلبہ دوبارہ شروع ہونے والا ہے۔ میرے بدن پر لرزہ طاری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے بدن سے توانائیاں معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

جب وہ ملاعین، آلِ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کے خیام کی تاراجی کی خاطر اکٹھے ہوئے مستورات خیام سے باہر نکلیں۔ وہ گریہ زاری اور نالہ فریاد کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ محمد

مصطفیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ علی مرتضیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ حسن مجتبیٰ علیہ السلام ' حمزہ علیہ السلام ' جعفر علیہ السلام ' عقیل علیہ السلام اور عباس علیہ السلام کہاں ہیں؟

دشمنوں نے خیام کا گھیراؤ کیا۔ شمر (لعنتی) نے آواز دی: اے لوگو! خیام میں داخل ہو جاؤ' جو کچھ ہے اسے لُوٹ لو۔

سارے کمینے خیام میں داخل ہوئے' انھوں نے لُوٹ مار شروع کی۔ حتیٰ کہ سیدہ طاہرہ اُم کلثوم کے کانوں سے گوشوارے لُوٹ لیے' وہ بھی اس طرح کہ مظلومہ کے گوش مبارک کٹ کر رہ گیا۔

قیس بن اشعث (لعین) نے سید الشہداء علیہ السلام کا قطیفہ لُوٹا۔ جب تک زندہ رہا' وہ قیس القطیفہ کے نام سے مشہور رہا۔ آپؑ کی نعلین مبارک اسود نامی ملعون نے لُوٹی۔ اب لُوٹ مار کا آغاز ہو چکا تھا' ان کمینوں نے لباس' دیگر ساز و سامان اور اُونٹ کی سواری کے لیے جو سامان ہوتا ہے وہ بھی لُوٹ لیا۔

آہ! آہ! دخترانِ رسولؐ کی آہ و زاری چاروں طرف بلند ہو رہی تھی۔ ابن سعد ملعون نے آواز دی: اے لوگو! خیمے بھی تباہ کر ڈالو۔ انھیں اس طرح اُکھیڑ ڈالو کہ حرمِ رسولؐ کو ان کے اندر ہی موت آ جائے۔ اس نے مزید حکم دیا: اے فوجیو! خیام کو آگ کیوں نہیں لگا رہے ہو؟

ایک دوسرے ملعون نے کہا: ہمیں لُوٹ مار کی ضرورت نہیں ہے' لہٰذا خیام کو آگ لگا دو تاکہ جو کچھ خیام کے اندر ہے' وہ جل کر راکھ ہو جائے۔

ایک دوسرا شخص جو رسولؐ اللہ سے محبت کرتا تھا' نے کہا: اے قوم! وائے ہو تم پر' تم پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ تم لوگوں نے فرزندِ رسولؐ، ان کے اہل بیتؑ' اصحاب و انصار کو قتل کر دیا ہے اسی پر اکتفا کرو۔ اب ان کی مستورات کو بھی جلانا چاہتے ہو۔ کیا تم لوگ یہ سوچ رہے ہو کہ تم پر خدا کا عذاب نازل نہیں ہوگا اور تم جس زمین پر موجود ہو اس میں زلزلے نہیں آتے ہیں؟

ابن سعد نے حکم دیا: خیام کو لُوٹ لو۔

حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا: میں اس وقت خیمے کے ایک کونے

میں کھڑی تھی کہ ایک زرد آنکھوں والا شخص (خولی بن یزید اصبحی) خیمے میں داخل ہوا۔ جو کچھ خیمے کے اندر تھا اس نے لُوٹ لیا۔ پھر دیکھا کہ سید الساجدین بیمار کربلا علیہ السلام کے سر کے نیچے ایک تکیہ اور بستر ہے اس ملعون نے وہ بھی لُوٹ لیا۔ جس سے سید سجاد علیہ السلام خاک کربلا پر گر گئے۔ وہ لعنتی میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر میرے سر سے مقنع اُتارا اور میرے کانوں سے گوشوارے اُتارے۔ جس سے میرے کان کٹ کر رہ گئے۔ وہ کافر رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا: اے کمینے!

لعنك الله تسلبني و انت تبكي

''خدا تم پر لعنت کرے ہمیں لُوٹ بھی رہے ہو اور گریہ بھی کر رہے ہو؟''

اس کافر نے کہا: ہاں میں رو رہا ہوں چوں کہ اہل بیتؑ رسولؐ کو لُوٹ رہا ہوں اور تم پر کتنی بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے۔ خدا جانے تم لوگوں پر کیا گزر رہی ہے۔

میں نے کہا: اے کافر ملعون!

قطع الله يديك و رجليك و احرقك بنار الدنيا قبل نار الآخره لا تسلبني ولا تبك

''خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تجھے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں ہی آگ میں جلائے نہ لُوٹو نہ گریہ کرو۔''

اس ملعون نے جواب دیا: بی بیؑ! اگر میں نے نہ لُوٹا تو کوئی دوسرا آ کر لوٹ لے گا۔

قابل توجہ امر ہے کہ جب مختار رضی اللہ عنہ نے خون طلبی اور انتقام کی خاطر قیام کیا تو اسے ابن زیاد یا عمر بن سعد کے لشکر کا جو سپاہی بھی ملتا اسے قید کر لیتا اور اسے جہنم کے نچلے طبقے میں پہنچاتا۔ ایک دن مختار رضی اللہ عنہ کے سامنے خولی بن یزید اصبحی کو پیش کیا گیا۔ مختار رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا: تم نے روز عاشور کیا کیا تھا؟

اس کافر نے کہا: میں نے صرف اتنا کیا ہے سید الساجدین علیہ السلام بیمار تھے اور ایک بستر پر آرام فرما تھے۔ میں نے وہ بستر کھینچا اور بی بی زینبؑ کا مقنع اور دو گوشوارے اُتارے تھے۔

مختارؓ نے کہا: اے دشمن خدا! اس سے بڑی گستاخی اور جرم ہو ہی نہیں سکتا؟ جب تم نے بنت علیؑ کو لوٹا تو بی بیؑ نے کیا فرمایا تھا؟

وہ ملعون کہتا ہے: تب بی بیؑ نے ارشاد فرمایا تھا:

قطع الله يديك و رجليك و احرقك بنار الدنيا قبل نار الآخرة

''خدا تمھارے ہاتھ اور پاؤں قطع فرمائے۔ تجھے آخرت کی آگ سے قبل دنیا کی آگ میں جلائے۔''

مختار رضی اللہ عنہ نے کہا:

والله لاجبين دعوتها

''خدا کی قسم! آج بی بیؑ کی دعا مستجاب ہوئی ہے۔''

پھر حکم دیا: خولی بن یزید کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے جائیں اور اسے آگ میں ڈالا جائے۔

بہر حال بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ لشکر کفر نے سید الساجدینؑ کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر بعض نے کہا: یہ مدت کا مریض لگتا ہے اسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے باوجود شمر لعنتی اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔ اسی دوران میں حضرت زینب کبریٰؑ باہر تشریف لائیں اور خود کو بیمار کربلا علیہ السلام پر گرا دیا اور فرمایا: خدا کی قسم! اپنے بھتیجے سے پہلے میں قتل ہونا پسند کروں گی۔

نتیجتاً مظلومہ معصومہؑ کی نورانی قدرت ان شیطانی نفوس پر چھا گئی اور شمر سمیت سارے خوف وحشت کا شکار ہوئے اور یوں وہ بیمار کربلا علیہ السلام کے قتل سے کنارہ کش ہوئے۔

اتنی دیر میں عمر بن سعد بھی پہنچ گیا۔ جسے دیکھتے ہی دخترانِ رسولؐ نے گریہ زاری اور بین کرنے شروع کر دیے حتیٰ کہ اس ملعون پر لرزہ طاری ہو گیا۔ نزدیک تھا کہ اس ملعون کا نفس بھی مغلوب ہو جاتا کہ وہ ملعون وہاں سے دور چلا گیا۔ اہل بیتؑ اور اہل حرمؑ کی گریہ زاری اور داد و فریاد کا مقصد یہ تھا کہ اے ملعون! تم سبب بنے ہو فرزندِ رسولؐ کے اور ان کے اصحاب و انصار کے قتل کے اور ہماری اسیری کا سبب بنے ہو۔ وائے ہو تم پر! عذاب خدا ہو تم پر! اب تو ہم

ضعیفوں و ناچاروں کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو تا کہ ہمارا تماشا دیکھ سکو۔ تم ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرنا چاہتے ہو۔

اس ملعون نے حکم دیا: کوئی سید سجاد علیہ السلام کو مت تکلیف دے اور حکم دیا: ایک گروہ خیام کی نگرانی کرے تا کہ ان میں سے کوئی فرار نہ ہو سکے۔ جب بی بی اُم کلثومؑ نے یہ حالات دیکھے کہ لحہ بہ لحہ، ساعت بہ ساعت، مصائب بڑھتے چلے جارہے ہیں تو گریہ زاری شروع کی اور چند اشعار بھی پڑھے، اس مقدمے کے ساتھ:

يا سائلي عن فتية صرعوا

بالطف اصحوا رہن اكفان

اس شعر اور دوسرے اشعار کا مضمون یہ ہے:

''اے سوال کرنے والے میں تجھے خاندانِ نبوتؐ اور جوانانِ بنی ہاشمؑ کے متعلق خبر دیتی ہوں اور ان کے حالات و واقعات کی تشریح کرتی ہوں۔ وہ میدانِ کربلا میں عرفات و منیٰ میں ہونے والی قربانیوں کے مانند خون میں غلطاں پڑے تھے۔ ان کا کفن ان کے جسموں پر خشک ہونے والا خون تھا۔''

آہ! بنی ہاشمؑ کے جوانوں اور بزرگوں کی مثال روئے ارض پر نہیں ملتی۔ ان میں تمام صفات حسنہ جود و کرم، شجاعت، عقل و شعور سب موجود تھیں۔ انھوں نے جاں نثاری اور جاں فشانی میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔

یہ سب کے سب اولادِ امیر المومنین علیہ السلام کے مانند دلیر، شجاع اور زمین کے سید و سردار تھے۔ مگر ان کے قتل کے بعد دخترانِ آلِ محمدؐ ذلیل و رُسوا ہوئیں۔ چوں کہ خدا و رسولؐ کے دشمن ہمیں بُرا بھلا کہتے تھے۔

آہ! کہاں گئے ہیں ہمارے بزرگ جو دریائے شجاعت کے نہنگ تھے۔ اعلیٰ مروّت و خصائص کے مالک تھے۔ اگر جوانانِ بنی ہاشمؑ ہوتے تو کیا ہماری یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے؟ ہمیں خدا و رسولؐ کے دشمنوں کی قید میں دیکھ کر برداشت کر جاتے؟

اگر ان مصائب کا ایک ذرہ پہاڑوں پر جا پڑے تو وہ پانی پانی ہو جائیں اور اگر دریاؤں میں جا کر گرے تو وہ آگ پکڑ لیں۔ مگر ہمارے رب نے ہمیں یعنی اپنے رسول ﷺ کی اہل بیتؑ کو رحمت اور صبر جمیل عطا کر رکھا ہے۔

## روایت فاطمہ صغریٰؑ

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ صغریٰؑ نے فرمایا: دشمنوں کے حملے سے قبل میں خیمے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ میں اپنے باباؑ کے جسم اطہر اور کربلا کی ریت گرم پر پڑے ہوئے شہداء کی لاشیں یوں بکھری پڑی تھیں جیسے منیٰ میں قربانیاں پڑی ہوئی ہیں۔ میں دخترانِ حرمؑ اور مستوراتِ حرمؑ کے بارے میں فکرمند تھی: کیا اب ہمیں اسیر کیا جائے گا یا قتل کر دیا جائے گا؟

اچانک میں نے ایک ملعون کو سوار ہوتے ہوئے دیکھا جو نیزہ لیے اولادِ رسولؐ اور زہراؑ زادیوںؑ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ جو اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر ایک دوسرے کا سہارا ڈھونڈ رہی تھیں۔ دشمنوں نے ہمارے مقنع تک لُوٹ لیے۔ جب کہ مستورات بین کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں:

> واجداہ! وا ابتاہ! وا علیاہ! و اقلة ناصراہ! واحسناہ! مامن مجیر یجیرنا! مامن ذائد یذاوعنا
>
> ''اے میرے داداؐ' اے میرے بابا علی علیہ السلام! میری مدد کو آؤ' ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ اے بھائی حسن علیہ السلام ہماری مدد کو آؤ' ہمارا کوئی مددگار نہیں بچا' ہمارا کوئی حامی نہیں بچا جو دشمنوں کو ہم سے دُور کر دے۔''

ان حالات کو دیکھتے' لگتا ہے کہ میرے اعصاب شل ہو جائیں گے۔ میرے جسم پر لرزہ طاری ہو جائے گا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تا کہ پھوپھی کلثومؑ کو ڈھونڈ سکوں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ کافر ملعون میرے پاس جو کچھ ہے اسے لوٹ کر لے جائے گا۔ اچانک اس ملعون کی مجھ پر نظر پڑی۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے نزدیک آیا۔ میں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ میں اس کمینے کی پہنچ سے دُور نکل جانا چاہتی تھی مگر وہ مجھ تک پہنچ گیا۔ اب میرا دل اور جگر دونوں پھٹنے کو

تھے۔ لگتا تھا مجھے موت آ جائے گی۔ اس ملعون نے نیزے کی اَنی میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ماری۔ میں چہرے کے بل زمین پر گر گئی۔ اس نے میرے کانوں میں چھید کرتے ہوئے میرے گوشوارے لُوٹے اور پھر خیام کی طرف بھاگ گیا۔ میرے کانوں سے خون جاری تھا۔ میں بے حال سی پڑی تھی کہ اچانک میں نے اپنی پھوپھی کی آواز سنی جو فرما رہی تھیں:

اُٹھو! دیکھو باقی مستورات پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے اور آؤ تمھارے بیمار بھائی کا حال معلوم کرتے ہیں۔ خدا جانے سجاد علیہ السلام پر کیا گزر رہی ہوگی؟

میں اُٹھی اور میں نے عرض کیا: پھوپھی اماں! کوئی پرانے کپڑے کا ٹکڑا ہی دے دو تا کہ نامحرموں سے اپنا چہرہ چھپا سکوں۔

میری پھوپھی نے فرمایا:

يَا بِنْتَاهُ! عَمَّتُكِ مِثْلُكِ

"اے میری بیٹی! تیری پھوپھی بھی تیری مثل ہے۔"

میں نے دیکھا کہ میری پھوپھی کا سر بھی برہنہ ہے اور کاندھے ظالموں نے نیزوں کی اَنیاں مار مار کر سیاہ کر دیے تھے۔

میں خیمے میں واپس آئی تو دیکھا کہ جو کچھ تھا وہ لوٹ لیا گیا ہے۔ میرے بھائی سید سجاد علیہ السلام زمین کربلا پر اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔ بیماری کی شدت بھوک پیاس کے سبب بیٹھنے کی سکت نہیں تھی۔ ہم مستورات ان حالات پر گریہ کر رہی تھیں اور سید سجاد علیہ السلام ہمارے حالات پر گریہ فرما رہے تھے۔

حمید بن مسلم سے منقول روایت ہے' وہ کہتا ہے: میں آلِ رسولؐ کے خیام میں داخل ہوا۔ کفار و منافقین نے جو کچھ خیام کے اندر تھا' اسے لوٹ لیا تھا۔ حتیٰ کہ لعین کمینوں نے پاک بیبیوںؑ کے سروں سے مقنع تک اُتار لیے تھے۔ اس طرح کہ چادر کا ایک کونہ کسی ملعون کے ہاتھ میں ہوتا تو دوسرا کونہ بیبیوںؑ کے ہاتھ میں ہوتا' بالآخر وہ کافر چادر چھین لیتا۔

حمید بن مسلم کہتا: میں سید سجاد علیہ السلام کے پاس پہنچا جو بستر بیماری پر پڑے ہوئے تھے۔ پھر

شمر ملعون چند بدمعاشوں کو لے کر آپؑ کے خیمے میں داخل ہوا تو ان فوجیوں نے پوچھا: اے شمر! اگر ہمیں حکم دو تو ہم اس بیمار کو قتل کر دیں؟

میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا یہ بیمارؑ کو قتل کر دیں گے؟ میں نے بڑی التماس کی اور منتیں کیں کہ مظلوم بیمار علیہ السلام کے قتل سے باز آ جاؤ۔

اتنی دیر میں ابن سعد آ گیا۔ جسے دیکھ کر دختران زہراؑ کا گریہ شدید ہو گیا۔ اس نے حکم دیا: کوئی بھی ان بیبیوںؑ اور بیمارؑ سے مت متعرض ہو۔ بعض فاطمیات نے کہا: یہ کس قسم کی بے مروتی ہے کہ حرمِ رسولؐ علی علیہ السلام و بتول زادیاںؑ بغیر چادر و مقنع کے ہوں اور ان کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا نہ ہو جس سے وہ اپنا سر ڈھانپ سکیں۔

اس ملعون نے حکم دیا کہ جس نے جو بھی لوٹا ہے واپس کر دے۔

حمید بن مسلم کا کہنا ہے: خدا کی قسم! کسی نے بھی کچھ واپس نہیں کیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے ایک گروہ کو خیام کے گرد پہرہ دینے کا حکم دیا' اور حکم دیا: محتاط رہنا ان میں سے کوئی باہر نہ جائے۔ ان سے بدسلوکی اور بداخلاقی بھی نہیں کرنی۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

حضرت عبداللہ علیہ السلام' جو حضرت فاطمہؑ بنتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے' سے روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہؑ بنت حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتی ہیں: جب کفار نے حملہ کیا اور لوٹ مار شروع کی اور آلِ رسولؐ کے خیام کی تاراجی شروع ہوئی۔ تب میں ایک چھوٹی سی بچی تھی' میرے پاؤں میں سونے کی ایک پازیب تھی۔ ایک ملعون آیا وہ میری پازیب اُتارنا چاہتا تھا اس نے وہ پازیب تو اُتاری مگر خود رونے لگا۔

میں نے اسے کہا: اے دشمن خدا! رو کیوں رہے ہو؟

کہنے لگا: گریہ کیوں نہ کروں میں تو آلِ رسولؐ کو لوٹ رہا ہوں اور ان کی پازیب لوٹ کر لے جا رہا ہوں۔

میں نے کہا: جب ہمارے مقام کو پہچانتے ہو تو پھر ایسا کیوں کر رہے ہو؟

وہ ملعون کہنے لگا: اگر میں نے نہ لوٹا تو کوئی دوسرا لوٹ کر لے جائے گا۔

وہ مخدومہؑ فرماتی ہیں: خدا کی قسم! جو کچھ بھی خیمے کے اندر موجود تھا' وہ لُوٹ لیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ملعون کپڑے اور چادریں بھی عورتوں سے چھین کر لے گئے۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے: قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت اپنے شوہر کے ہم راہ عمر بن سعد کے لشکر میں موجود تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ سارے ملاعین خیام کی لوٹ مار کے لیے جمع ہو گئے ہیں تو اس نے تلوار اُٹھائی اور خیام کے قریب آ کر کہنے لگی: اے بکر بن وائل والو! کیا یہ مروّت اور جواں مردی ہے کہ آلِؑ رسولؐ کے خیام کو لوٹا جا رہا ہے اور تم تماشا دیکھ رہے ہو؟

لَا حُکْمَ اِلَّا اللّٰهِ یا لثارات رسول اللّٰه

''حکم فقط خدا کا ہے' ہم بدلہ لیں گے۔''

اس خاتون کا شوہر آیا اور اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔

ان روایات میں آلِؑ رسولؐ کے خیام کے جلانے کا تذکرہ نہیں ہے۔ جب کہ بعض روایات' زیارات' علما کے کلمات و اقوال اور شعرا حضرات سے خیام سوزی کا تذکرہ ضرور ملتا ہے کہ اہل بیتؑ کے خیام جلائے گئے۔ جب کہ میرا اپنا نظریہ بھی یہ ہے کہ خیام جلائے گئے ہیں۔ سب سے بڑا خیمہ سید الشہداء علیہ السلام کا تھا' اسی طرح خیام کی لوٹ مار اور حملوں کے دوران میں آلِؑ رسولؐ کے چند بچوں کی شہادت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چوں کہ جب کفار ملاعین نے خیام پر حملہ کیا تو ساز و طبل بج رہے تھے۔ اس شور شرابے کو جب بچوں نے سنا تو وہ اپنی ماؤں سے بچھڑ کر خیام سے دُور صحرا کی طرف بھاگے۔ اس دوران میں وہ جامِ شہادت نوش کرتے رہے۔

جب کہ ایک خاطر خواہ تعداد بھاگ دوڑ' خوف' پیاس اور بھوک کے ساتھ ساتھ گرمی کی شدت سے بھی شہید ہوئی۔ چوں کہ آفتاب کی حرارت سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی انتظام نہ تھا۔

بعض روایات میں چند بچوں کی مقتل گاہ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ جیسے حدیث موسیٰ

کلیم اللہؑ جو روزِ عاشور اور واقعہ کربلا کی فضیلت کے بارے میں ہے اور حضرت قاسمؑ بن حسنؑ کے سر اقدس کے دفن کے بارے میں ہے کہ ان کا سر شہروں کے مضافات میں دفن ہوا۔

اسی طرح بعض حالات زیارات کے جملوں، علما کے بیان اور شعرا کی نظم میں بیان ہوئے ہیں۔ البتہ میں نے خدائی الہامات کی تائید سے جو حقائق اخذ کیے ہیں وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ ملاعین، کفار بے دین حضرات سے بھی بدتر تھے۔ یہ بچوں کا باقاعدہ پیچھا کرتے رہے۔ جب گھوڑا بچوں کے قریب پہنچتا تو تلوار یا نیزے سے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ وَا مُصِيبَتَاهُ! وَا حُسَيْنَاهُ! وَا مَظْلُومَاهُ! اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

بعض فضلا اور علما نے لکھا ہے: جب خیام کو لوٹا گیا تو بی بی شہربانوؑ کی چادر اور مقنع نہیں لوٹا گیا اور بعض کا کہنا ہے کہ جب اسیرانِ آلِ محمدؐ کو مقتل گاہ میں لایا گیا تو بی بی شہربانوؑ نے خود کو فرات میں ڈال دیا۔ جس سے وہ ڈوب گئیں۔ جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے بل کہ حقیقت یہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام نے حضرت شہربانوؑ کو وصیت فرمائی تھی: میری شہادت کے بعد ذوالجناح تمھارے پاس آئے گا۔ اس پر سوار ہو جانا، جہاں تمھارے مقدر میں خدا نے لکھا ہوگا وہاں تمھیں پہنچا دے گا۔

شہادتِ امامؑ کے بعد جب ذوالجناح حضرت شہربانوؑ کی خدمت میں پہنچا اور مخدومہؑ اس پر سوار ہوئیں تو ان کی بیٹی زبیدہ (جن کا مشہور نام فاطمہؑ زوجہ قاسمؑ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہے) نے اپنی ماں کا دامن پکڑ لیا اور التجا کی: ماں ہمیں چھوڑ کر مت جانا اور قسم دی کہ آپؑ کو خدا کی قسم! آپؑ ہم سے جدا نہ ہوں۔ بی بی شہربانوؑ نے انھیں بھی اپنے ہم راہ ذوالجناح پر سوار کرلیا۔ ذوالجناح نے امرِ خدا سے طی الارض کیا اور لمحے بعد شہر "رَی" پہنچ گیا۔

بی بی شہربانوؑ نے کہا: بیٹی نیچے اُترو۔ تم اس وقت اس سرزمین پر ہو جو ساسانی بادشاہوں اور یزدگرد کی سلطنت ہے۔ وہ تمھیں لے جائیں گے اور تمھارے اُمور کی کفالت کریں گے اور میں سید الشہداء علیہ السلام کی وصیت پر عمل کروں گی۔ اس سے تخلف میرے لیے جائز نہیں ہے۔ وہ وصیت اَسرارِ الٰہی میں سے ایک امر ہے۔ جو میں کسی کے سامنے بیان نہیں کر سکتی۔ اس راز کو

عیاں کرنا آپؑ کی وصیت کی خلاف ورزی ہے۔ چوں کہ وہ وصیت خداوند متعال کے برحق خلیفہؑ کی ہوئی ہے۔

حضرت شہربانوؑ کے حالات کی یہ مختصری روداد تھی۔ البتہ اگر ہم تفصیلات کے خواہش مند ہیں جیسے کوئی جاننا چاہتا ہے کہ اس غیبت اور پہاڑوں میں پناہ کا سبب' حضرت شہربانوؑ کا امام سجاد علیہ السلام سے رشتہ کیا تھا؟ کیا وہ آپؑ کی خالہ تھیں؟ اسی طرح بی بی زبیدہؑ کے حالات' ان کی شہزادہ قاسمؑ بن امام حسن علیہ السلام سے شادی' قبر کا مقام اور مزار شہزادہ قاسم علیہ السلام کے سراقدس کے دفن کے متعلق اور قاسم ثانی کا سراقدس شہزادہ قاسم علیہ السلام کے پاس دفن ہونے والا واقعہ وغیرہ۔ ان تمام تفصیلات کو ہم نے کتاب ''اکسیر العبادات فی أسرار الشہادات'' میں ذکر کر دیا ہے۔ آپ اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

بعض اُمور اس کتاب میں بھی زیر بحث آئیں گے۔

بعض ذاکرین اور مرثیہ خوانوں کی زبان میں جو چیز مشہور اور مرسوم ہے' وہ یہ ہے کہ کفار نے آلِ رسولؐ کے خیام کو لُوٹا۔ ابن سعد نے چند لوگوں کو خیام کے گرد بطور محافظ و نگہبان کھڑا کر دیا تا کہ کوئی خیام کو چھیڑ سکے نہ ہی خیام سے فرار ہو سکے۔ مگر جب گیارہ کی رات ہو گئی' رات ڈھل گئی تو نگہبان چلے گئے یا سو گئے۔

حضرت زینب کبریٰؑ نے اپنی بہن سے کہا: آؤ خیام کا چکر لگائیں۔ ایک طرف سے میں آتی ہوں اور دوسری طرف سے تم آؤ تا کہ کوئی خیام پر شبخون نہ مار سکے۔ وہ مستورات جن پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے' بھوکی اور پیاسی تھیں' انھیں نیند کہاں سے آنی تھی۔ مقصد یہ تھا کوئی ایسی آواز ان تک نہ پہنچے جو سہمی ہوئی بیبیوںؑ اور بچوں کو مزید خوف میں مبتلا نہ کردے۔

بی بی زینبؑ و کلثومؑ نے خیام کا پہرہ دینا شروع کر دیا۔ اچانک بی بی زینبؑ نے دُور سے ایک سایہ دیکھا جو خیام کی سمت بڑھ رہا تھا۔

جب سوار کافی نزدیک آ گیا تو بنتِ علیؑ نے بلند آواز سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے شخص! تجھے ذاتِ پروردگار کی قسم! ہماری طرف مت آؤ۔ ہم اہل بیتِ رسولؐ ہیں۔ اب قید

و بند کی حالت میں ہیں۔ خدا کی قسم! ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا' بچے اور مستورات بھوکے پیاسے بمشکل سوئے ہیں۔ کہیں ڈر کر وہ دوبارہ بیدار نہ ہو جائیں۔ انھوں نے بہت بڑی مصیبت دیکھی ہے۔ کہیں ان کی ہمت جواب نہ دے جائے۔

حضرت زینبؑ نے جب دیکھا کہ سوار آگے بڑھتا آ رہا ہے تو رونا شروع کر دیا۔ وہ سوار گھوڑے سے اُتر آیا اور بلند آواز سے بین کرنے لگا: وَاحُسَیْنَاہُ! وَا مَظْلُومَاہُ!

بی بی زینبؑ نے آواز سنتے ہی پہچان لیا یہ میرے بابا علی علیہ السلام ہیں۔ فوراً باباؑ کے پاس پہنچیں۔ مولاؑ نے اپنی بیٹی کو گلے لگا لیا۔ بی بی زینبؑ مصائب بتا رہی تھیں اور مولا علی علیہ السلام تسلیاں دے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بیان کر رہے تھے نیز فرما رہے تھے: اے بیٹی! تم خیمے میں چلی جاؤ۔ اب میں پہرہ دیتا ہوں۔

دوسری طرف حضرت اُمِ کلثومؑ نے بھی ایک سایہ دیکھا۔ بی بی کلثومؑ نے بھی رو کنے کی کوشش کی۔ مگر جب سایہ قریب آیا تو بی بیؑ نے دیکھا کہ یہ تو دُکھیاری ماں زہراؑ ہیں۔ بی بیؑ نے آگے بڑھ کر حضرت اُمِ کلثومؑ کو سینے سے لگا لیا۔ حضرت اُمِ کلثومؑ نے اپنے دکھ ماں کے سامنے بیان کیے۔

صدیقہ کبریٰؑ نے فرمایا: اے بیٹی! صبر کرو۔ خدا نے تمھارے لیے اجرِ عظیم اور مقاماتِ جلیلہ متعین فرما رکھے ہیں۔

اے بیٹی! اب تم خیمے میں لوٹ جاؤ آج کی رات میں پہرہ دوں گی اور تمھارے بابا امیر المومنین علیہ السلام پہرہ دیں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ جو سایہ حضرت زینب کبریٰؑ نے دیکھا وہ حضرت علی علیہ السلام نہیں بلکہ سید الشہداء علیہ السلام تھے۔

یہاں دو سوال اُٹھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے؟ اور کیا اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں؟

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ چوں کہ یہ واقعہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے نورانی مقام کے آثار میں سے ایک اثر ہے اور مذہب شیعہ کے اُصول عقائد میں سے ہے۔ اس کی مثالیں ہم

اسی کتاب میں پیش کریں گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس واقع کی کوئی بنیاد، سند یا روایت بھی ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے: میں نے آج تک کوئی ایسی حدیث یا روایت نہیں دیکھی جو مذکورہ واقعہ کی تائید کرتی ہو۔ لیکن اگر کوئی مومن اس کا اطمینانی مورد ذکر کرے یا اس بابت روایت نقل کرے یا علما کا کوئی قول نقل کرے تو اس کی تکذیب کرنا جائز اور زیبا نہیں ہوگی۔

## لاشۂ شبیر علیہ السلام کی پامالی

ہم اس بحث کے آغاز ہی میں ایک سوال پیش کیے دیتے ہیں کہ کیا سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد ملعونوں نے آپؑ کے پیکر اطہر پر گھوڑے دوڑائے تھے؟

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بحث کے متعلق نقل ہونے والی روایات و اخبار میں اختلاف موجود ہے۔ علما اور ارباب مقاتل کے اقوال میں بھی اختلاف ہے' لہٰذا ہم سب سے پہلے روایات و اخبار کو ذکر کرتے ہیں۔ پھر علما کے اقوال کو پیش کریں گے۔

بعض روایات میں مذکور ہے: حضرت فضہ رضی اللہ عنہا کنیز حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے جب یہ سنا کہ ابن سعد نے حکم دیا ہے کہ کل سید الشہداء علیہ السلام کے پیکر اطہر پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے اور گھوڑوں کے سموں سے لاشوں کی بے حرمتی اور پامالی کی جائے گی تو یہ خبر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پہنچائی اور عرض کیا: اے میری آقازادیؑ! اس سلسلے میں' میں کیا کرسکتی ہوں؟

بی بی زینبؑ نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام سفینہ نامی تھا۔ وہ ایک جزیرے میں گیا اور اس نے ایک شیر دیکھا اور اسے اپنی داستان سنائی۔ شیر نے اس کی مدد کی تھی اور اسے موت سے نجات دی تھی۔ اے فضہؓ! میں نے سنا ہے اس صحرا میں بھی ایک شیر رہتا ہے۔ جاؤ اسے تلاش کرو اور اسے کہو کہ کل عمر سعد کا لشکر فرزندؑ رسولؐ اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لاشوں کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرنا چاہتا ہے۔ بی بی فضہ رضی اللہ عنہا تشریف لے گئیں اور شیر کو ڈھونڈا اور اسے شیر خداؑ کی بیٹی کا حکم سناتے ہوئے کہا:

يَا اَبَا الحَارِثِ فَهَلْ اَنْتَ تَارِكُهُم

"اے ابوالحارث! کیا تم ان لوگوں کو ایسا کرنے دو گے؟"

شیر نے اپنے سر سے اشارہ کر کے گویا بتایا کہ کل وہ یہ کام نہیں کر سکیں گے۔ اگلی صبح جب لشکر ابن سعد لاشوں کے پاس کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ شیر نمودار ہوا۔

ابن سعد نے سوچا شاید یہ شیر شہداء کا گوشت کھانے آیا ہے۔ لہٰذا اس نے کہا: اسے چھوڑ دو۔ دیکھتے ہیں یہ کیا کرتا ہے؟ شیر آیا اور شہداء کے پاک اَجسام کے گرد چکر لگانے لگا۔ وہ سیدالشہداء علیہ السلام کے نورانی پیکر کے پاس پہنچا۔ اس نے اپنا پنجہ امامؑ کے سینۂ اقدس پر رکھا اور آپؑ کے خون سے اپنا منھ رنگین کرنے لگا اور ساتھ ہی گریہ و بکا کرنے لگا۔ بالکل اس طرح جس طرح کوئی ماں اپنے بچے کی موت پر روتی ہے۔

عمر بن سعد کہتا ہے: یہ مصیبت ہے اب اسے غصہ مت دلانا۔ اس ملعون کا مقصد یہ تھا کہ اب لاشوں کی پامالی روک دو۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے: جب لشکر کفار نے اِرادہ کیا کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے پیکر اطہر پر گھوڑے دوڑا کر پامالی اور بے حرمتی کی جائے تو یہ ساری صورت حال بی بی فضہ علیہا السلام نے حضرت زینبؑ بنت علی علیہ السلام کی خدمت میں بیان کی اور عرض کیا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفینہ نامی ایک غلام کشتی پر سوار تھا تو کشتی طوفان میں گھر گئی اور ٹوٹ گئی۔

سفینہ نامی غلام دریا میں گر گیا اور تیراکی کی مدد سے ایک جزیرے تک پہنچا۔ اس نے وہاں ایک شیر دیکھا جو اس کی طرف لپکا تا کہ اسے کھائے۔

مگر سفینہ نے کہا: اے ابوالحارث! میں غلامِ رسولؐ ہوں۔

شیر نے اسے اپنی پشت پر سوار کیا اور اس جگہ پہنچایا جہاں صحیح و سالم کشتیوں کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ اس طرح اسے نجات ملی۔

اے بی بیؑ! میں نے خیام کی پچھلی طرف سے شیر کی آواز سنی ہے۔ لہٰذا اجازت دو تا کہ اسے بتا سکوں۔

مخدومۂ کونینؑ نے اجازت دی' حضرت فضہ ؓ تشریف لے گئیں اور شیر کو مخاطب کیا: اے ابوالحارث! اپنا سر اُٹھاؤ اور میرے الفاظ سنو۔

کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ قوم کیا ارادہ کیے بیٹھی ہے؟ یہ چاہتے ہیں سیدالشہداءؑ کے پیکر اَنور پر گھوڑے دوڑا کر پامالی کی جائے۔

شیر اُٹھا اور شہدائے کربلا اور سیدالشہداء علیہ السلام کے پیکر اَنور پر پہنچا۔ اپنے چہرے کو نورانی خون سے رنگین کیا اور ساری رات ان پاک اَبدان کے پاس بیٹھ کر پہرہ دیتا رہا نیز صبح تک گریہ زاری میں مصروف رہا۔

صبح جب لشکر کفار گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے ارادے کو عملی شکل دینے کے لیے پہنچا۔ ان سب کے آگے آگے ابن اخنس (لعنتی) تھا۔ اس نے کہا: ایک بہت بڑی معصیت آ کھڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے غصہ مت دلانا' آؤ اب لوٹ آؤ۔

لشکر کفار واپس چلا گیا وہ اپنے ارادے کو عملی شکل نہ دے سکے۔

اس روایت سے ملتی جلتی روایت بزرگ علما نے بھی جن میں ثقۃ الاسلام کلینی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ اپنی کتاب ''اُصولِ کافی'' میں معتبر سند سے روایت کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ بعض اسلامی مفکرین جیسے ثقۃ الاسلام کلینیؒ صاحب ''بحارالانوار'' (علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ) قائل تھے کہ شیر کی آمد کی وجہ سے لاشوں کی پامالی نہیں ہوئی اور وہ کفار اپنے مکروہ ارادوں پر عمل پیرا نہیں ہو سکے ہیں۔

جب کہ بعض بزرگ فضلا جیسے سید ابن طاؤس وغیرہ قائل ہیں کہ پیکر مطہر کی گھوڑوں کے ذریعے پامالی کی گئی ہے۔ جیسا کہ سید ابن طاؤس فرماتے ہیں: عمر ابن سعد (لعنتی) نے حکم دیا: سیدالشہداء علیہ السلام کے پیکر اطہر پر گھوڑے دوڑاؤ۔ دس افراد سامنے آئے اور انھوں نے آپؑ کے سینۂ اقدس پر گھوڑے دوڑائے۔ یہ لوگ جب کوفہ پہنچے اور ابن زیاد (لعنتی) کے دربار میں کھڑے تھے تو ان میں سے ایک نے کہا:

ابن زیاد نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟

نحن رضضنا الصدر بعد الظهر

بکل یعوب شدید الامر

''ہم وہ ہیں، جنھوں نے سید الشہداء علیہ السلام کے پیکر انور پر گھوڑے دوڑا کر لاش کی پامالی کی ہے۔ ہم نے سید الشہداء علیہ السلام کی پشت اور سینہ پیس کر رکھ دیا ہے۔''

ابن زیاد نے حکم دیا: ان کو بہت تھوڑا سا انعام دیا جائے۔

ابو عمر اور زاہد کہتے ہیں: ہم نے شبانہ روز ان دس افراد کے متعلق تحقیق کی ہے۔ جس سے پتا چلا ہے کہ یہ دس کے دس زنا کی اولاد تھے اور جب حضرت مختار ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں گرفتار کیا اور حکم دیا: ان کے جسموں میں لوہے کی چار میخیں اس طرح گاڑو کہ ان کا بدن تن جائے۔ پھر ان کے منحوس ونجس جسموں پر گھوڑے دوڑاؤ تا کہ ان کی خبیث اَرواح درکِ اسفل ہو سکیں۔

یہ مضمون بہت سے شیعہ سنی فاضل شعرا نے اپنے اشعار میں بھی بیان کیا ہے جیسے ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے بعض قصائد میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے حلقوم مبارک سے کیا تھا:

و انا السبط الذی من غیر جرم قتلونی

و بجرد الخیل بعدالقتل عمداً سحقونی

''میں نواسۂ رسولؐ ہوں جسے بغیر جرم کے قتل کیا گیا اور قتل کے بعد بعض دشمنوں نے میرے بدن پر گھوڑے دوڑا کر مجھے پیس ڈالا ہے۔''

البتہ یہ کلام آپؑ کی شہادت سے قبل بھی آپؑ سے سنا گیا ہے۔

میرا نظریہ ہے: لشکر ابن سعد (لعنتی) سے دس یا بارہ افراد نے مظلوم کربلا علیہ السلام کے پیکر اطہر پر گھوڑے دوڑا کر پامالی کی اس لیے کہ اس دعویٰ پر دلالت کرنے والی ادلّہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور علما کی اکثریت بھی اس کی قائل ہے۔

اگر اس روایت اور جناب کلینی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ایک ساتھ جمع کیا جائے تو پھر کہہ سکتے

ہیں: شیر کے آنے کے بعد وہ اپنے ارادوں سے باز رہے۔ جب کہ دوسری طرف ابن زیاد نے لکھا تھا: سارا لشکر گھوڑے دوڑا کر جسد اطہر کی پامالی کرے تاکہ کوئی چیز بھی نہ بچے' لہٰذا ابن سعد (لعنتی) کا مقصد یہ تھا کہ پیکر انورؑ کو اس طرح پامال کیا جائے کہ پیکر اطہر کے نشانات اور بہت کچھ باقی نہ بچے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دفن کر دیا ہے۔

حضرت زینبؑ کو خوف اور خدشہ تھا کہ کہیں قبر اور مزار یا حرم بنانے کے لیے بھی کچھ نہ بچے۔ جب کہ خداوند متعال کا وعدہ یا بِ' بقا' آثار تربت اور خواص قبر حسین علیہ السلام کی بابت یہ تھا کہ ایک شیر بھیج دیا تاکہ لشکر کفار کو ان کے ارادوں سے منحرف کر سکے۔

## ایک لطیف نکتہ

اس سلسلے میں ایک دقیق' لطیف اور آفاقی نکتہ موجود ہے۔ بعض محدث اور عرفانی فضلا نے اشارہ کیا ہے اور میں بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ شیعیان علی علیہ السلام کی بصیرت و معرفت کی تکمیل کے لیے فضائل آلِ محمدؐ میں سے کچھ عرض کروں۔ امیر المومنین علیہ السلام درحقیقت نور الٰہی تھے اور اول موجودات تھے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَلَقتُ اَنَا وَ عَلِیٌّ مِن نُورٍ وَاحِدٍ

"میں اور علی علیہ السلام ایک ہی نور سے خلق کیے گئے ہیں۔"

امیر المومنین علیہ السلام کی طرف اس حقیقت کی جو نسبت دی گئی ہے' کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آپؑ کی نورانی صورت موجودات سے قبل موجود تھی۔ آپؑ ملائکہؑ اور جبرئیلؑ کے معلم' انبیاءؑ کے مصاحب و ہم نشین اور ان کے باطنی مددگار تھے۔

خود آپؑ نے بھی اس بارے میں ارشاد فرمایا:

"میں نے اپنے پروردگار کے اذن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی گئی نمرود کی آتش کو برد (ٹھنڈا) اور سلام (سلامتی) بنایا۔ میں ہی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ہم راہ تھا' جو انھیں اسرار کی تعلیم دیتا رہا۔ میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے ہم راہ تھا' جس نے انھیں انجیل کے اسرار یاد

کرائے۔ میں سلیمانؑ بن داؤد علیہ السلام کے ہم راہ تھا اور شیاطین کو ان کے لیے مسخر کیا۔"

اسی ترتیب سے آپؑ نے سارے انبیاءؑ کا تذکرہ فرمایا۔ یہ آپؑ کے فرمان کی تائید کر رہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں عرض کیا:

انا الله بعث عليا مع الانبياء باطنا و معك ظاهرًا

"خدا نے علی علیہ السلام کو ہر نبیؑ کے ساتھ باطن میں بھیجا اور آپؐ کے ہم راہ ظاہراً بھیجا۔"

اس کے بعد کہ پروردگار کا قلم حضرتؑ کے تولد پر جاری کیا اور اس ارادے سے امیر المومنین علیہ السلام نے عالم جبروت و ملکوت سے عالم ناسوت میں قدم رکھا اور بشری صورت (اس نورانی و ملکوتی حقیقت کے ساتھ) میں عالم حس و مادہ کے متناسب و ہم آہنگ ہوا۔

ہم البتہ صرف اس ایک صورت پر اکتفا نہیں کریں گے۔ امیر المومنینؑ کو (متناسب یا غیر متناسب) صورتیں عطا کی گئیں۔ اس مقدمہ کی روشنی میں ہم ذیل کے مطالب پیش کریں گے:

## مطلب اوّل

بہت سی متواتر روایات میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام ہر مومن اور کافر کے پاس اُس کے مرتے وقت موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ ایک لحظہ میں ہزاروں بنی آدمؑ موت کو گلے لگاتے ہیں۔ یہ آپؑ کا حاضر ہونا تبھی ممکن ہوتا ہے جب آپؑ کی نورانی اور ملکوتی حقیقت کی متعدد تصاویر ہوں۔ اسی فرض کی بنیاد پر ہم امیر المومنین علیہ السلام کے چالیس صحابہ کرام کے گھر مہمان بننے کی داستان کو مبنی برصدق تسلیم کرتے ہیں۔

## مطلب دوّم:

روایت میں مذکور ہے کہ روزِ عاشور مغرب کے وقت شہداء کے اَبدانِ طاہرہ کے پاس ایک شیر آیا۔ اس نے سب کی زیارت کی سعادت حاصل کی اور چلتا ہوا سید الشہداء علیہ السلام کے بطن اطہر کے پاس پہنچا اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بوسے دینے اور چومنے لگا نیز گریہ کرنے لگا۔

اس وقت مومن جنوں کی ایک جماعت آپؑ کے پیکرِ انور پر گریہ کر رہی تھی۔

انھوں نے کہا: یہ شیر امیر المومنین علیہ السلام ہی نہ ہوں۔

اس مطلب کے بعد اَسرار میں سے ایک راز کا انکشاف ہوتا ہے کہ لوگ آئمۂ اطہارؑ کو مختلف شکلوں میں بھی دیکھتے رہے' یہاں تک اس محدثِ ربانی اور عالم و عارفِ حقانی کا کلام تھا جو میں نے کتبِ نقلی و عقلی سے ذکر کیا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے نورانی مقامات موجود ہیں۔ اس عالم ربانی کی گفتگو ان مقامات کا خاصہ اور لوازمات میں سے ہے۔

خدا کے خلفا اس دلیل کے ساتھ کہ وہ برزخی اَبدان و قوالب میں تصرف کا حق رکھتے ہیں' ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کے اِذن سے ان سے معجزات بھی صادر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے لیے حیات' ممات اور ممات کے بعد حیات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

البتہ واضح رہے کہ جس شیر کا تذکرہ اس عالم ربانی نے فرمایا ہے: (اور جنوں کے بقول وہ امیر المومنین علیہ السلام ہیں) وہ ہر رات پیکر سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کے لیے آتا ہے اور گریہ کرتا ہے۔

ہم اس مطلب کی توضیح میں کہ جنوں کے ایک گروہ کے بارے میں اور بالخصوص شیر کے آنے اور سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ کرنے کے بارے میں کہیں گے کہ قبیلہ بنی اسد کے ایک مرد سے روایت کی گئی ہے: میں نہر علقمہ کے کنارے پر کھیتی باڑی کرتا ہوں۔ بنی اُمیہ کے لشکر کے جانے کے بعد' سرزمین کربلا پر عجیب و غریب چیزیں ظاہر ہونے لگے۔

یہ واقعات تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ سب کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جوں ہی کوئی واقعہ ذہن میں آتا ہے مشک و عنبر کی سی نسیم چلنے لگتی ہے۔ جب دیہات آباد ہو گئے' آسمان سے کواکب اور ستارے نازل ہونے لگے اور پھر زمین سے آسمان کی طرف پلٹنے لگے۔ اس دوران میں میری بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ میں حیران و پریشان پڑا ہوا تھا۔ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آ رہا تھا' جس سے ان اَسرار کی بابت سوال کر سکوں۔

ایک دن غروبِ آفتاب کے بعد قبلہ کی طرف سے ایک شیر نمودار ہوا۔ میں شیر کو دیکھتے

ہی بھاگ کر اپنے گھر آ گیا۔ جب صبح ہوئی اور سورج طلوع ہو چکا تو میں نے دیکھا کہ وہی شیر قبلہ کی طرف جا رہا تھا۔

میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: یہاں نزدیک ضرور خارجی موجود ہیں۔ جنھوں نے ابن زیاد (لعنتی) کے خلاف خروج کیا ہے اور ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دیا ہو گا۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ واقعات کو دیکھے اور اس دوران کوئی ان مقتولوں کو نہ دیکھے؟ میں آج رات نہیں سوؤں گا اور دیکھوں گا کہ یہ شیر شام سے صبح تک کیا کرتا ہے؟ کیا ان جسموں کا گوشت کھاتا ہے یا نہیں؟

مغرب کا وقت نزدیک تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شیر ہمیشہ کی طرح قبلہ کی طرف سے آ رہا ہے۔ جب میرے نزدیک آیا تو میں نے دیکھا کہ شیر بڑے جاہ و جلال کا مالک ہے۔ میں اسے دیکھتے ہی لرزہ براندام ہو گیا اور مجھ پر خوف و ہراس کی کیفیت چھا گئی۔ وہ میرے نزدیک سے گزرا' میں سمجھ گیا کہ یہ شیر آدم خور نہیں ہے' ورنہ مجھ پر حملہ کرتا اور مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ وہ شیر مجھے مقتل گاہ کی سمت جاتا ہوا دکھائی دیا۔

اس نے ایک ایک شہید پر نگاہ ڈالی۔ پھر وہ اس پیکر کے پاس جا کر رُک گیا جو مثل خورشید چمک رہا تھا اور پھر صبح تک وہیں بیٹھا رہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنا چہرہ اس بدن پر ملتا ہے' کبھی چومتا ہے اور کبھی بوسے دینے لگتا ہے۔

میں نے کہا: یہ کتنا عجیب و غریب واقعہ ہے۔

ہر سُو رات کی تاریکی چھا گئی۔ میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان شمعیں جل اُٹھیں اور ہر طرف روشنی پھیلنے لگی۔ گریہ زاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سینہ زنی اور ماتم شروع ہو گیا۔ میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ آخر یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟ میں نے جب خوب غور کیا تو معلوم ہوا کہ آواز تو زمین کے اندر سے آ رہی ہے۔ جب مزید غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی نوحہ خواں پڑھ رہا ہے: وَاحُسَيْنَاهُ! وَا اِمَامَاهُ!

پہلے مجھ پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری تھی۔ پھر میں اس آواز کی سمت بڑھنے لگا اور

میں نے کہا: اے شخص! تجھے ذات پروردگار کی قسم! تجھے انبیاءؑ اور رسلؑ کی قسم! تم کون ہو اور تمہارا تعلق کس طائفے سے ہے؟؟

جواب دیا گیا: ہم مومن جنات کی خواتین ہیں؟

میں نے کہا: تم اس جگہ کیا کر رہی ہو؟

جواب ملا: ہم ہر شب و روز حسینؑ ابن علی علیہ السلام تشنہ لب پر نوحہ پڑھتی اور ماتم کرتی ہیں۔

میں نے پوچھا: یہ حسینؑ ابن علی علیہ السلام ہیں۔ ایک شیر ہر رات یہاں آتا ہے اور صبح تک یہاں رہتا ہے، وہ کون ہے؟

جواب ملا: کیا تم نہیں جانتے ہو وہ شیر کون ہے؟

میں نے جواب دیا: نہیں۔

انھوں نے کہا: وہ حسین علیہ السلام کے بابا امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں؟

اس کے بعد میں گھر لوٹ آیا، جب کہ ان عورتوں کی سینہ زنی اور نوحہ خوانی جاری تھی۔

# فصل ہشتم

## سرزمین کربلا پر پیغمبر اکرم ﷺ، حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، امامِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی آمد اور ساربان کی جنایت

# ایک عجیب حکایت

میں نے ایک قدیم نسخے میں جس کی صحت پر مجھے اطمینان ہے۔ ایک حکایت پڑھی کہ ایک شخص کہتا ہے: جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب و جاں نثار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ میں کام کاج کے سلسلے میں اپنے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ کام کاج سے فراغت کے بعد جب میں صحرا میں پہنچا تو وہاں ہوا کی جگہ عطر' مشک اور عنبر کے جھونکے چل رہے تھے۔ میں اس خوش بو کے منبع کی طرف چل پڑا۔ اس طرح میں اُن جسموں تک جا پہنچا' جو خاک و خون میں غلطاں پڑے ہوئے تھے۔ ان اجسادِ مطہر سے اَنوارِ ملکوتی نکل کر آسمانوں تک بلند ہو رہے تھے۔ ان کے درمیان میں نے ایک عظیم الشان پیکر کی زیارت کی' لگتا تھا اُسے زمین پر رکھ کر کوٹا گیا ہو۔

اُس پیکر اطہر کا سر تن سے جدا تھا۔ جب اس مقدس بدن کو ہوا چھوتی تو اس کا نور آسمانوں تک جا پہنچتا تھا۔ میں اس کی ہیبت و عظمت سے لرز اُٹھا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ اچانک مجھے اپنے قدموں کے نیچے سے آواز سنائی دی' کوئی آواز کے ذریعے مجھے مخاطب کر رہا تھا: اے شخص! اس پیکر سے دُور ہو جاؤ۔

میں نے پوچھا: آپ کون ہیں اور یہ نورانی پیکر کس کا ہے؟؟

جواب ملا: میں جنوں کے ایک طائفے کا سربراہ ہوں اور یہ پیکر حسینؑ ابن علی علیہ السلام ہے۔ جو لاشے پیکر حسین علیہ السلام کے اردگرد پڑے ہیں یہ آپؑ کے اصحاب اور عترت کے ہیں۔

میں نے کہا: یہ جو بغیر سر کے لاشہ ہے' یہ حسینؑ ابن علی علیہ السلام کا ہے۔

جواب ملا: ہاں۔

میں نے زمین سے پتھر اُٹھایا اور اپنے سر میں دے مارا۔ میرا سر پھٹ گیا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اس شخص سے پوچھا: آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

جواب ملا: میرا وطن تو مکہ ہے۔ میں نے جب سے سنا ہے کہ حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے' تب سے یہاں ہوں اور اس پیاسے شہید پر گریہ و ماتم کر رہا ہوں۔

میں نے چند سواروں کو آتے دیکھا تو ڈر گیا کہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیں۔ میں بھاگ پڑا۔ ان میں سے ایک مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے مجھے چند تازیانے مارے۔ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ ملعون باقی شہداء کی لاشوں سے ہوتے ہوئے۔ لاشۂ حسین علیہ السلام تک آئے۔ انھوں نے پیکر مطہر پر گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے اور پھر وہ ملاعین جدھر سے آئے تھے اُدھر کو پلٹ گئے۔

میں بھی نوحہ وزاری اور گریہ و بکا میں مصروف ہو گیا۔ یہاں تک کہ رات نے تا حد نظر سیاہ چادر اوڑھا دی۔ ہر سُو اندھیرا پھیل گیا کہ اچانک مشرق کی طرف سے شدید گریہ و بکا کی آواز بلند ہوئی۔ ایک سیاہ پوش ہستی گریہ کرتی ہوئی آ رہی تھی۔ ان سب کے درمیان ایک نورانی شخصیت تھی؛ جس کے نور سے ساری فضا منور تھی اور اس کے محاسن سفید تھے جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے اور فرما رہے تھے:

وا ولداہ! وا قرۃ عیناہ وا ثمرۃ فواداہ! وا مقتولاہ! وا ذبیحاہ!
یا ولدی یا حسینؑ

نزدیک پہنچ کر انھوں نے اپنے آپ کو سینۂ مطہر پر گرا دیا اور اپنا منہ حسین علیہ السلام کے سینے پر رکھ دیا۔ پھر بوسے دیتے رہے اور گریہ کرتے رہے۔ وہ فرما رہے تھے:

من قتلك یا ولدی ومن کسر صدرك وظهرك
"اے میرے لختِ جگر! تجھے کس نے قتل کیا اور کس نے تیرے سینے اور پشت کو توڑ ڈالا؟"

پھر آپؑ کے سینے پر بوسہ دیا۔ وہ کبھی کبھی آسمان کی طرف اشارہ بھی فرماتے اور ان افراد کی طرف بھی اشارہ فرماتے جو آپؑ کی خدمت پر مامور تھے۔ سب نے سید الشہداء علیہ السلام کے منور پیکر کے بوسے لیے۔

زیارت کے بعد یہ مغرب کی سمت روانہ ہو گئے۔ میں نے پھر دیکھا کہ وہی جنوں کا سردار میرے قدموں کے نیچے پھر رونے میں مصروف ہے۔

میں نے کہا: اے جنات کے بادشاہ! تم کہاں چلے گئے تھے؟ اور کیا یہ مقتول کے رشتہ دار تھے؟

کہنے لگا: میں نہیں گیا تھا اور کیا تم انھیں نہیں پہچانتے ہو؟

میں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم نہیں۔

کہنے لگا: جنھوں نے اپنے محاسن مبارک ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے، وہ محمد مصطفیٰ ﷺ، حسینؑ ابن علی علیہ السلام کے نانا تھے۔

میں نے کہا: جو اُن کی خدمت پر مامور تھے، وہ کون تھے؟

کہنے لگا: وہ ملائکہؑ تھے۔

میں نے گریہ زاری شروع کر دی۔ سر اور سینے پر ماتم کرنے لگا۔ وہ جنوں کا شہنشاہ بھی میرے ساتھ مل کر ماتم کرنے اور نوحے پڑھنے لگا۔ اچانک ایک اور عجیب واقعہ ہوا۔ میں نے سمجھا شاید یہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور ملائکہؑ ہی ہیں۔ انھوں نے بھی آتے ہی ماتم اور نوحہ خوانی شروع کر دی۔ ان کے درمیان ایک ہستی تھی جو سیاہ رنگ کے رومال کے ذریعے آنکھوں کے آنسو صاف کر رہی تھی اور بین کر رہی تھی:

**واحر قلباه علیك یا ولدی حسینؑ**

''اے میرے قلب کی قوت وحرارت! اے میرے فرزند حسین علیہ السلام!''

وہ سید الشہداء علیہ السلام کے پیکر کے نزدیک ہوئے اور خود کو لاشۂ حسین علیہ السلام پر گرا دیا اور حسین علیہ السلام کے سر بریدہ گلے پر بوسے دینے لگے نیز فرمانے لگے:

**یا ثمرة فواد للمصطفیٰ و یا سرور قلب الزهراؑ و یا حشاشة قلبی**

''اے میوۂ دلِ مصطفیٰؐ! اے سببِ خوشی و مسرتِ دلِ زہراؑ! اے دل وجانِ من! اے حسین مظلوم علیہ السلام! میں تمھارا بابا علی مرتضیٰؑ ہوں۔''

پھر بدنِ حسین علیہ السلام کے بہت زیادہ بوسے لیتے رہے۔ ان کی آنکھیں بادل کی طرح برس رہی تھیں۔

میں نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا تو بے حس وحرکت اور مدہوش ہو گیا۔ جب میری حالت سنبھلی تو دیکھا کہ کوئی دوسرا بھی امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں موجود ہے۔ وہ ایک ایک کر کے آتے اور لاشۂ حسین علیہ السلام سے چمٹ جاتے' بوسے لیتے' چومتے اور بین کرتے۔

جب وہ سب تشریف لے جا چکے اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو اچانک شدید گریہ زاری کی آواز بلند ہوئی۔ زمین کربلا لرز اٹھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مردوں کے ہجوم میں چند مستورات بھی تشریف لا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک مخدومہؑ سب سے نمایاں تھی' جس نے اپنے بال کھول رکھے تھے اور دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھی۔ وہ دل سوز قسم کے بین کر رہی تھی' جن کے سبب سے تمام خواتین و حضرات بھی گریہ کر رہے تھے۔

جب وہ مخدومہؑ پیکر اطہر کے نزدیک پہنچیں' خود کو پیکر اطہر پر گرا دیا۔ ان مردوں میں سے کسی نے آ کر خونِ حسین علیہ السلام کو خود پر ملنا شروع کر دیا اور فرمایا:

وَا أَخَاهُ اَلسَّلَامُ عَلَيكُم! يَا غَرِيبَ الغُربَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَيكَ يَا مَذبُوحًا مِنَ القَفَاءِ

"اے بھائی حسین علیہ السلام! تم پر سلام ہو' تم تو سب سے غریب ترین ہو۔ سلام ہو تم پر جس کو پس گردن قتل کیا گیا۔"

اے برادر! اے حسین علیہ السلام! اے عطشان (پیاسے)! میں تمہارا بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہوں۔ اس نورانی مستور نے بین کیا:

وَا أَبتَاهُ' وَا مَقتُولَاهُ' وَاعطشَاهُ يَا وَلَدِي الحُسَينَ

"اے بیٹے حسینؑ! تجھے پیاسا ذبح کیا گیا۔ تجھے قتل کیا گیا مگر تیری معرفت نہیں رکھتے۔ تجھ پر پانی بند کیا گیا اور تجھے پس گردن ذبح کیا گیا۔ تیرا سر قلم کر لیا گیا۔ مگر تیرے بابا! اور نانا سے حیا نہیں کی گئی۔

اے حسین علیہ السلام! اے پارۂ جگر من! اے میرے قلب کی آخری رمق! میں تمہاری دکھیاری ماں زہراؑ ہوں۔ یہ تمہارے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں۔"

اس دوران میں حسین علیہ السلام نے کٹے ہوئے گلے سے گفتگو کرنا شروع کردی:

یَا اُمَّاہُ یَا فَاطِمَۃُ وَیَا اَخَاہُ یَا حَسَنُ

"مجھے قتل کیا گیا' مجھے پس گردن ذبح کیا گیا۔ میرے پیکر پر گھوڑے دوڑائے گئے' مجھے تشنہ لب قتل کیا گیا اور مجھ پر پانی بند کیا گیا۔ فعلیکم منی السلام!"

جب یہ حالات دیکھے تو میں نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور میری حالت دیوانوں کے مانند ہوگئی۔ حتیٰ کہ میں اس صحرا سے باہر آ گیا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (سورۂ شعراء آیت ۲۲۷)

"جن لوگوں نے ستم ڈھائے ہیں' وہ عن قریب جان لیں گے کہ کون گشت گاہ پر گشت کر رہا ہے۔"

جیسا کہ محبانِ اہل بیتؑ اور برادرانِ ایمانی جانتے ہیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ملکوتی مقامات کا اثبات ضروریاتِ مذہب شیعہ میں سے ہے۔ اس معرفت کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ یہ ہستیاں مختلف عوالم میں تصرف کرتی ہیں' ولادت سے قبل بھی اور ولادت کے بعد بھی اور شہادت کے بعد بھی۔

ولایتِ مطلقہ اور ان نورانی مقامات کے خواص اور لوازمات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ہستیاں۔ برزخی بدن میں مختلف صورتوں میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ ان کے روح اور نفس پر بہترین دلیل ہے۔ واضح ترین الفاظ میں یوں کہیں کہ ہمارا نفس اور روح ان کے نفس اور روح کا جز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عالم خواب اور عالم برزخ میں (موت کے بعد سے قیامت تک) ہم ایک سے زیادہ جسم مثالی اور جسد برزخی نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن چوں کہ آلِ محمدؐ کے نفوس اور روح نفوسِ کلی اور اَرواحِ جبروتی ہیں' اس لیے ان کے نفس اور روح دونوں میں وسعت پائی جاتی ہے اور یہ ایک سے زیادہ مثالی قالب اور برزخی قالب میں سما سکتے ہیں۔

اسی قانون سے ہم امیرالمومنین علیہ السلام کا ایک ہی رات چالیس صحابہ کے گھر مہمان بننے کا

فلسفہ بھی جان پائیں گے۔ پنج تن پاکؑ کو تمام مومن اور کافر حالت احتضار (اس بات پر توجہ رہے کہ ہر لمحے میں ہزاروں افراد موت کو گلے لگاتے ہیں) میں ہزاروں افراد ایک ہی شب میں خواب میں دیکھتے ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا' امیرالمومنینؑ اور پیغمبر اکرمؐ کے زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے آنے اور کوفہ وشام کے سفر کے دوران میں آپؑ کے سر اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لانے کا فلسفہ بھی یہی ہے۔

اس کتاب میں اکثر مواقع پر ولایت مطلقہ کے بعض آثار وخواص کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ کلام کا ماحصل یہ ہے کہ اس سے قطع نظر کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے نورانی مقامات کے خواص و آثار شیعہ مذہب کے اُصول سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کا انکار کرے گا' وہ شیعہ نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ یہ مطلب تو باقاعدہ روایات واخبار میں مذکور ہے اور علمائے اعلام اور بزرگ اساتید جیسے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ ' رئیس علما وحکمائے اسلام میر داماد رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ ' عارف محدث سید جلیل القدر سید نعمت اللہ اور فاضل دوانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیوں کے ذریعے یہ روایات اور یہ عقیدہ ذکر ہوا ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے میر داماد کے قصیدے میں جو جذوات کے متعلق اور علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے "بحارالانوار" میں اور سید نعمت اللہ نے مسکن الشجون اور افضل دوانی نے رسالہ روراء میں اپنی اپنی آرا کا اظہار فرمایا ہے۔ شاید کوئی سوال کرے اور کہے: یہ مطلب تو حد سے بڑھ گیا ہے اور اس کی بہت زیادہ تکرار ہوئی ہے۔ یہ متعدد کتب ہیں اور اس کتاب میں بھی اس کا بار بار تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس کثرت تکرار کی وجہ کیا ہے؟

ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے: یہ تب کی بات ہے جب لوگوں کی اکثریت عوام تھی۔ ان کے پاس صرف فقہ اور اُصول فقہ کے بعض حصے وہ بھی بغیر تحقیق کے تھے۔ مکمل معذرت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم قرآنی' احادیث اور روایات کلی طور پر کہنہ ہو چکی ہیں اور گھسی پٹی چیزوں میں شمار کی جاتی تھیں۔ علوم عقلی کی تحقیقات' علوم قرآنی' احادیث' صاحبانِ ولایت وامامت کے متعلق موجود تھیں۔ نیز یہ اسم ورسم کی حد سے بھی جاری تھیں۔

اب اگر آپ عام مسلمانوں کو اُصول مذہب شیعہ کے عنوان سے چند مطالب سمجھانا چاہتے ہیں اور ان کو بھی جو خود کو علما کہتے ہیں تو وہ اس قدر شبہات ایجاد کرتے ہیں کہ عوام الناس بے چارے (جن کی بنیاد "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَالنَّاسَ عَلَيْهَا" کے مطلب کا سمجھنا نزدیک ہے) اصل مقصد سے دُور ہو جاتے ہیں۔

اس کا فلسفہ اور راز بھی یہی ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث کا مطالعہ نہیں کرتا۔ علمی اور دقیق نکات بھی اس کی دسترس سے کوسوں دُور ہوتے ہیں۔ اس کے وہم وگمان میں بھی ایسے مطالب نہیں ہوتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علما انکار کرتے ہیں تو عوام الناس بھی ان کے دیکھا دیکھی انکار کر دیتے ہیں۔

اب یقیناً واضح ہو چکا ہوگا کہ اس مطلب کی تکرار میں ایک عظیم راز پوشیدہ ہے۔ جتنی بار تکرار ہوتی ہے اتنی بار ہی وجوہات، علل، اسباب اور دلائل وشواہد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جو اپنے مقام پر سبب بنتا ہے کہ یہ امر لوگوں کے قلوب کے اندر رسوخ پیدا کر لیتا ہے اور انھیں رفتہ رفتہ ان کے اندر انکار کی عادت ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔

اکثر وہ عوام اور افراد جو علوم ومعارف حقہ پر مکمل دسترس اور عبور حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔ جب سنتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے شیر کا روپ دھارا تھا اور سیدالشہداء علیہ السلام کے پیکر اطہر کے پاس تشریف لائے تھے اور گریہ وبکا فرماتے رہے۔

پہلی بار تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کہنے والے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں یا پھر اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ چوں کہ ان کے خیالات اور اوہام میں یہ امیرالمومنین علیہ السلام کی (نعوذ باللہ) اہانت کے مترادف ہے۔ جب کہ اس حقیقت سے مکمل طور پر غافل ہیں اور تصور کرتے ہیں کہ جب کوئی کہتا ہے:

حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیکر کے پاس امیرالمومنین علیہ السلام شیر کی شکل میں تشریف لائے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام کا وہ بدنِ اطہر جو نجف اشرف میں مدفون ہے یا جس بدنِ اطہر سے وہ فاطمہؑ بنت اسدؑ کے ہاں متولد ہوئے تھے وہ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے اور وہ بدن

سیدالشہداء علیہ السلام کے پاس آیا ہے۔ چوں کہ وہ بدنِ اطہر جو نجف اشرف میں مدفون ہے وہ تو قیامت تک وہیں رہے گا۔ وہ بغیر کسی تغیّر و تبدل کے اور بوسیدہ و کہنہ ہوئے' جیسا کہ بدنِ اطہر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی بھی یہی خصوصیات ہیں' قبر کے اندر ہی رہے گا۔ چوں کہ کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نورانی اَرواح اور نفوسِ متعالیہ برزخی اور مثالی اَبدان میں بہت زیادہ تصرف کرتے ہیں۔ ان اَجسام کی نوعیت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

مثلاً ان کا برزخی بدن' ایک انسان کے مانند بھی ہو سکتا ہے جیسے بعض مومنین آئمہ اطہارؑ حج خدا کو ساداتِ جلیل القدر کے حلیے میں مشاہدہ کرتے ہیں اور بعض انھیں عالم ربانی کے انداز میں دیکھتے ہیں۔

پس بحمداللہ خداوند متعال کی توفیق سے مطلب واضح و روشن ہو گیا۔ اس کی مزید تکرار لوگوں کو حقیقت سے مزید دُور کر دے گی۔

الحمدللہ ربّ للعالمین و صلی اللہ علی محمد و اھل بیتہ
المعصومین المظلومین و لعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین

## ساربان کے ہاتھ

سعید بن مسیب سے روایت کی گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب خاک عالم شیعیان جہاں کے سروں کی زینت بنی اور سیدالشہداء علیہ السلام شہید کر دیے گئے تو اگلے سال عاشورا کے بعد چند لوگوں نے حج کا اِرادہ کیا۔ میں سیدالساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور عرض کیا: حج کا موسم نزدیک ہے۔ اس بارے میں آپؑ کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: تم نے حج کا اِرادہ کر لیا ہے تو حج بجالاؤ۔

راوی کہتا ہے: میں مکۃ المکرمہ پہنچا۔ میں نے طواف کے دوران میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور چہرہ شب کی مثل تاریک تھا۔ وہ اس حالت میں خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ الْحَرَامِ

"اے پروردگار! میرے گناہوں کو معاف کر دے۔"

مگر میں جانتا ہوں تُو مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اگرچہ زمین و آسمان کے تمام باشندے اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے' سب مل کر بھی میرے لیے دعا کریں اور میری شفاعت کریں۔ چوں کہ میرا گناہ قابل عفو نہیں ہے۔

میں نے اور چند دوسرے لوگوں نے طواف کو ترک کیا اور اس شخص کے گرد جمع ہو گئے اور چاروں طرف سے اس کا احاطہ کر لیا اور اسے مخاطب کر کے کہا: اے شخص! تم پر وائے ہو' تم شیطان ہو جو اس طرح رحمت خدا سے مایوس ہو چکے ہو' تم ہو کون اور تمھارا گناہ کیا ہے؟؟

ہم نے کہا: حقیقت بیان کرو۔

وہ شخص کہنے لگا: اے لوگو! جب حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام نے مدینہ سے عراق کا عزم کیا تو میں سفر کے دوران میں ان کا ساربان تھا۔ آپؑ جب بھی نماز کے لیے یا تجدید وضو کے لیے رُکتے تو اپنی شلوار میرے حوالے کر جاتے۔ اس شلوار میں انتہائی حسین ازار بند تھا' میں جب بھی اسے دیکھتا' میری خواہش ہوتی کہ یہ میری ملکیت بن جائے۔

حتیٰ کہ ہم کربلا پہنچ گئے۔ روزِ عاشور سید الشہداء علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب و انصار سب شہید کر دیے گئے۔ میں ایک کنارے میں چھپ کر بیٹھا رہا۔ جوں ہی رات ہوئی اور اندھیرا چھایا میں اپنی کمین گاہ سے نکلا اور مقتل گاہ پہنچ گیا۔ وہاں چاروں طرف دن کے مانند روشنی تھی۔

میں نے دیکھا کہ آپؑ کا بدنِ اطہر مکمل طور پر خون میں غرق تھا۔ اس دوران میں میرے ذہن میں ایک وسوسہ پیدا ہوا کہ میں ان اجسامِ شہداء کے درمیان میں سے سید الشہداءؑ کے پیکرِ انور کو تلاش کروں اور پھر میں آپؑ کے پیکر تک پہنچ بھی گیا۔

میں نے دیکھا کہ ایک ایسا جسم تھا' جس کا سر نہیں ہے۔ اس کے نور سے سارا عالم روشن ہے۔ مگر وہ خاک و خون میں غلطاں تھا اور اس پر ہوا چل رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: خدا کی قسم! یہ حسینؑ ابن علی علیہ السلام ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ کی شلوار آپؑ کے بدنِ اطہر پر موجود تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے اُتار سکوں مگر دیکھا کہ اسے کئی گرہیں لگی ہوئی ہیں۔

میں نے ان گرھوں کو کھولنا شروع کر دیا۔ ابھی میں نے چند گرہیں ہی کھولی تھیں کہ آپؑ کے دستِ مبارک نے میرے ہاتھ کو تھام لیا۔ میں چھڑانے پر قادر نہیں تھا۔

نفس ملعونہ و خبیث نے مجھے وسوسے میں ڈالا۔ میں نے سوچا کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے آپؑ کے مقدس ہاتھوں کو کاٹ کر اپنے ہاتھ چھڑا سکوں۔ میں نے ایک تلوار کا ٹکڑا لیا اور اس سے آپؑ کے مبارک ہاتھوں کو کاٹنا شروع کیا' حتیٰ کہ ہاتھ کاٹ دیا۔

میں نے جب دوبارہ اِزار بند کھولنا چاہا تو آپؑ نے بایاں ہاتھ رکھ لیا۔ میں نے وہ ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ میں نے پھر اِزار بند میں ہاتھ ڈالا تو زمین و آسمان میں تلاطم پیدا ہوا۔ اچانک گریہ زاری کی صدا بلند ہونے لگی اور بین بلند ہوئے:

وَا اَبنَاہُ' وَا وَلَدَاہُ' وَا مَقتُولَاہُ' وَا ذَبِیحَاہُ' وَا حُسَینَاہُ' وَا غُربَتَاہُ!"

اے حسین علیہ السلام! تمھیں قتل کر دیا گیا اور تمھیں پہچانا (تک) نہیں گیا اور تم پر پانی تک بند کر دیا گیا۔ میں خوف کے مارے ہلاکت کے نزدیک تھا کہ میں ایک بل میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آنے والے دو مرد اور ایک مستور تھی۔ جب کہ ان کے اردگرد جم غفیر اکٹھا تھا۔ ہر طرف لوگ اور ملائکہؑ کھڑے تھے۔ وہ تین مرد نزدیک ہوئے اور بین کیے:

یَا اَبنَاہُ' یَا وَلَدَاہُ' یَا حُسَینُ' فِدَاکَ جَدُّکَ وَ اَبُوکَ' وَاُمُّکَ وَ اَخُوکَ

"اے میرے بیٹے! اے میرے فرزند! اے حسینؑ! تمھارا ناناؐ تمھارا باباؑ' ماںؑ اور بھائیؑ نثار ہوں۔"

میں نے دیکھا کہ سید الشہداء علیہ السلام اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آپؑ کا مبارک سر بدن سے ملحق ہو گیا اور آپؑ نے فرمایا:

لبیك یا جداہ یا رسولَ اللّٰه و ابتاہ یا امیرالمومنین یا اماہ یا فاطمة الزھرا و اخا المقتول بالسم علیكم منی السلام

"لبیک اے میرے نانا رسولِ خداؐ! اے بابا امیر المومنین علیہ السلام! اے مادرِ گرامی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا! اے مسموم بھائیؑ! آپؑ سب پر میرا

سلام ہو۔"

اور پھر گریہ شروع کر دیا اور فرمایا:

"اے نانا! خدا کی قسم! مردوں نے مجھے قتل کیا اور عورتوں نے مجھے لوٹا۔ خدا کی قسم! میرے بڑوں اور بچوں سب کو قتل کر دیا گیا۔ اے نانا! خدا کی قسم! آپؐ کا مجھے اس طرح دیکھنا یقیناً بہت دشوار ہوگا۔ آپؐ نے دیکھا ہوگا کہ اس قوم اشقیا نے آپؐ کی اہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔"

امیرالمومنین علیہ السلام' حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام بیٹھ کر گریہ فرمانے لگے۔ مخدومۂ کونینؑ نے فرمایا: اے بابا! آپؐ دیکھ رہے ہیں نا! آپؐ کی اُمت نے میرے حسین علیہ السلام پر کتنے ظلم کیے؟ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اپنے محاسن اور چہرے کو اپنے فرزند کے خون سے رنگین کرسکوں تاکہ اس طرح اور اس حالت میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوسکوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہؑ! خونِ حسین علیہ السلام کو لو اور اپنے چہرے' محاسن اور بالوں کو رنگین کرلو۔ میں بھی ایسا ہی کروں گا اور خود بھی خضاب لگاؤں گا۔

میں نے دیکھا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے محاسن سے خون سیدالشہداء علیہ السلام کو لیا اور اپنی پیشانی پر ملنا شروع کر دیا۔ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' علی مرتضیٰ علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بھی خون ملا اور اپنے اپنے محاسن کو رنگین کیا۔ اپنے گلے اور سینے پر خون ملا۔

میں نے سنا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حسین علیہ السلام! تم پر قربان ہو جاؤں' تمھیں اس حالت میں دیکھنا بڑا مشکل ہے۔ میں نے اپنے سر' چہرے اور پیشانی پر تمھارا خون مل لیا ہے۔ تمھاری پشت سے خون بہہ رہا ہے۔ جب کہ تمھارا لباس بھی ریت اور خون سے تر ہو چکا ہے۔ تم مقتول پڑے ہو حسین علیہ السلام تمھارے ہاتھ بھی کٹے ہوئے ہیں۔

اے حسینؑ! تمھارا داہنا ہاتھ کس (لعین) نے کاٹا اور بایاں ہاتھ کس ملعون نے قطع کیا؟

اس وقت سیدالشہداء علیہ السلام نے جواب دیا: اے نانا! جب میں مدینے سے نکلا تو ایک

ساربان میرے ساتھ تھا۔ میں جب بھی وضو کرنے لگتا' اپنی شلوار اسے پکڑا دیتا۔ اس کے دل میں لالچ پیدا ہوتا۔ وہ اس کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اس کے دل میں لالچ موجود ہے مگر میں نے اسے یہ شلوار نہ بخشی۔

جب میں قتل ہو گیا تو وہ چھپ کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور مجھے گنج شہداء میں ڈھونڈ نکالا۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ وہ میری شلوار لوٹنا چاہتا تھا۔ چوں کہ اس کی کئی گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے انھیں کھولنا شروع کر دیا۔

میں نے دائیں ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ملعون شمشیر کا ٹکڑا لے آیا اور اس سے میرا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس نے جب دوبارہ گرہیں کھولنا چاہیں تو میں نے بایاں ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ وہ گرہیں کھولنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک آپؐ کے گریہ وبکا کی آواز سن کر ایک بل میں داخل ہو گیا ہے۔

جب رسولِ خداﷺ نے یہ گفتگو سماعت فرمائی تو شدید گریہ کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور کھڑے ہو کر (اُس ساربان کے بارے میں) فرمایا: اے ساربان! تمھیں مجھ سے اور میرے اہلِ بیتؑ سے کیا کام ہے؟ تم نے میرے نواسے کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے ہیں۔ جب کہ ملائکہؑ تو ان ہاتھوں کو چوم چوم کر تھکتے نہ تھے۔ تمام ملائکہؑ اور زمین و آسمان کے باشندے ان سے محبت کرتے ہیں۔ انھیں باعثِ تبرک اور شرافت سمجھتے ہیں۔

اے ساربان! جو کچھ بنی اُمیہ اور فوجِ اشقیا نے انجام دیا کیا وہ کافی نہیں تھا؟ سیدالشہداءؑ کی شہادت کے بعد ان کے اصحاب اور جاں نثاروں کی شہادت کے بعد خواتین اور بچوں کو رُسوا کیا گیا۔ ان کے خیام لباس اور مال و اسباب لائے گئے۔ خداوندِ متعال ان کے چہروں کو دنیا و آخرت میں سیاہ کرے اور تمھارے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو قطع فرمائے اور تمھیں کفار اور فوجِ اشقیا کے ساتھ محشور فرمائے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ہمارا خون بہایا ہے اور پروردگارِ عالم کے حضور جسارت کی ہے۔

اس کافر نے کہا: ابھی سرکارِ دو عالمﷺ کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ میرے دونوں ہاتھ

مفلوج ہوئے اور کٹ گئے۔ میرا چہرہ شب کی مثل تاریک ہو گیا۔ میں اب یہاں حاضر ہوا ہوں تا کہ خانۂ خدا میں اپنی مغفرت کی دعا کر سکوں۔ جب کہ مجھے علم ہے اور یقین ہے کہ خدا مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

سارے اہل مکہ اور کے میں موجود تمام افراد نے اس ملعون کی داستان سنی اور سب نے اس پر لعنت کی۔ یہ داستان ایک دوسرے طریقوں سے بھی نقل کی گئی ہے۔ بعض نے اسے عبداللہ الحجازی سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں کام انجام دینے کی غرض سے مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا کہ میری نظر جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ ان کا ہاتھ ان کے غلام نے تھام رکھا تھا (چوں کہ ان دنوں میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ آنکھوں سے نابینا ہو چکے تھے)۔ میں نے دیکھا کہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مانند بچے اور عورتیں گریہ کر رہے تھے۔ میں یہ حالت دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔

میں نے کہا: اے جابر رضی اللہ عنہ! اس طرح کیوں گریہ کر رہے ہو؟ کیا فقر کی وجہ سے کسی نے آپؓ پر تہمت لگائی ہے یا کسی کے مقروض ہو؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ان میں سے کوئی بھی بات میرے گریے کا سبب نہیں ہے۔ میں ابھی ابھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر آ رہا ہوں۔ مجھے میرے غلام نے بتایا ہے کہ اس نے ایک مکروہ حلیے والے شخص کو دیکھا ہے جسے دیکھ کر اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ عام بازار میں گھوم رہا ہے۔

میں نے پوچھا: کیا وہ شخص مرد ہے؟

فرمایا: جی ہاں!

میں نے کہا: اس کی شکل اور حلیہ کیا ہے؟

کہنے لگا: اس کا چہرہ سیاہ قبر کے مانند، بال جلے ہوئے اور آنکھیں دیوانوں کی طرح چہرے پر ڈراؤنی سی سرخی اور اس کے ہاتھ گویا آرے سے کاٹے گئے ہوں۔ میں نے غلام سے کہا: جاؤ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ اسے لے آیا۔ میں نے غلام سے کہا: بازار سے باہر چلتے

ہیں۔ ہم بازار سے دُور جا کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے پوچھا: اے شخص! تمھارا تعلق کس سرزمین سے ہے؟

کہنے لگا: میں اہل کوفہ میں سے ہوں۔

میں نے پوچھا: اس مصیبت میں کیوں مبتلا ہوئے ہو؟

اس نے شروع میں تو انکار کیا مگر جب اسے خدا کی قسم دی گئی تو اس نے اپنا نام بتایا اور حقیقتِ حال کی تشریح کی اور کہا: مجھ سے ڈرو۔

وہ کہتا ہے کہ میں نے جب پہلی بار آپؓ کو دیکھا تو پہچان لیا تھا کہ آپؓ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ مگر آپؓ مجھے نہیں پہچانتے ہیں۔

میں نے کہا: اگر تمھیں پہچانتے ہوتے تو سوال نہ کرتے۔

کہنے لگا: میں بریدہ بن وائل، سید الشہداء علیہ السلام کا ساربان ہوں۔

اس نے پھر گریہ کیا اور کہا: اے جابر رضی اللہ عنہ! خواہشاتِ نفس نے مجھ پر غلبہ پا لیا تھا۔ میری سنگ دلی نے میری مدد کی۔ ان تمام احسانات کے باوجود جو سید الشہداءؑ نے عمر بھر مجھ پر اور اہل وعیال پر کیے تھے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ میں امامِ مظلوم علیہ السلام کی شلوار کا ایک قطعہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میرے دل نے مجھے مجبور کیا۔ میں بھی حاکم سے انعام پانے کی خواہش کرنے لگا، لہٰذا شلوار کے حصول کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا: بالآخر سید الشہداء علیہ السلام شہید کر دیے گئے۔ میں ان افراد میں سے ہوں جنھیں امامؑ کی حجت اور اُن کے ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ جب مجھے امامؑ نے مطلع فرمایا: یہ کافر قوم میرا خون بہانا چاہتی ہے۔ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو تاکہ لوگوں کو بتا سکو کہ فرزندِ رسولؐ نے تجھے دھوکے میں نہیں رکھا۔ ہم سب چھوڑ گئے۔ آپؑ کی خدمت میں کوئی نہیں بچا۔ صرف آپؑ کی اولاد، بھائی اور ان کی اولاد اور اصحاب، مددگاروں کی ایک قلیل تعداد کل ملا کر ستر (۷۰) کے قریب بنتے تھے۔

میں اس صحرا سے باہر آ گیا اور کربلا کی مشرق والی سمت کو چل پڑا۔

یہاں تک کہ سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے یار و انصار سب شہید کر دیے گئے۔ اہل حرمؑ اور

مستورات عصمت و طہارت قیدی بنالی گئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور باقی شہداء کے سروں کو نیزوں پر بلند کر دیا گیا اور سب کوفہ کی طرف چل پڑے۔

میں صحرا سے پلٹ آیا۔ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیکر مطہر کو دیکھا کہ امامؑ نے کہنہ و پرانا لباس جسے آپؑ نے جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا تا کہ اسے کوئی لوٹ نہ لے۔ یہ لباس اور وہ میری مطلوبہ شلوار آپؑ کے بدن پر تھی' میں نے وہ شلوار کھولنا چاہی تا کہ وہ ٹکڑا حاصل کر سکوں۔ مگر اس پر کئی گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے انھیں کھولنا شروع کر دیا۔ آپؑ نے اپنے دائیں دستِ مبارک سے مجھے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے ساری توانائیاں صرف کیں' مگر ہاتھ نہیں چھڑا سکا۔ میں نے اپنا خنجر نکالا اور سید الشہداء علیہ السلام کے دستِ مبارک کو کاٹ ڈالا۔ جب میں نے دوبارہ گرہیں کھولنے کی سعی کی تو آپؑ نے بائیں ہاتھ سے پھر میرا ہاتھ جکڑ لیا۔ میں نے آپؑ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ میں جتنا بھی زور لگاتا تھا ہاتھ چھڑا نہیں پا رہا تھا۔

جب مجھے اپنے ہدف تک پہنچنے کا یقین ہو چلا تو میں نے اچانک گریہ زاری کی آواز سنی۔ مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں ہلاکت کے نزدیک ہو گیا۔ میرے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور خشک ہو گیا۔ آسمان سے ستاروں کے مانند نور نازل ہوا جو آنکھوں کو خیرہ کر گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو گڑھے میں چھپا لیا۔ ایک سفید محاسن والے نورانی شخص جو سید الشہداء علیہ السلام کے گلوئے مبارک کے قریب آ کر بیٹھے۔ جب میں نے خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا یہ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کے ہم راہ امیر المومنین علیہ السلام' حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا' امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ہم راہ بزرگان کی کثیر تعداد تھی' جنھیں میں نہیں پہچان سکا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوفہ کی طرف ہاتھ بڑھایا' حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقدس سر لائے اور اسے بدنِ مبارک کے ساتھ ملا دیا۔ خدا کی قسم! سید الشہداء علیہ السلام زندہ ہو گئے۔ جیسے شمر نے انھیں ذبح کیا ہی نہیں تھا۔

اپنے نانا کو دیکھ کر فرمایا: السلام علیک یا جداہ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیک السلام یا ولدی و یا ثمرۃ فواد۔

اے حسین علیہ السلام! تجھے اس حالت میں دیکھنا میرے لیے بڑا مشکل کام ہے۔ تیرا نورانی بدن پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ تیری ہڈیاں پیس دی گئی ہیں۔

آپؑ نے عرض کیا: نانا! سپاہِ کفر کے گھوڑوں کے سموں کے ذریعے میری ہڈیاں توڑی گئی ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گریہ زاری فرمائی اور فرمایا:

واویلا، وا ولداہ، وا مهجة قلباہ، وا حسیناہ!

پھر امیرالمومنین علیہ السلام نزدیک تشریف لائے اور فرمایا: یَا وَلَدِی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے حسین و جمیل محاسن خون میں رنگین ہیں۔ تمھاری نورانی صورت پر خاک اور ریت لگی ہوئی ہے۔ تمھیں تو ایک گوسفند کے مانند ذبح کیا گیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ہاں! بابا! شمر (لعنتی) نے قفا (سر کو پس پشت سے کاٹنا) سے میرا سر جدا کیا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے بہت گریہ فرمایا:

اے کاش! میں موجود ہوتا۔ لشکر اشقیا سے اس طرح جنگ کرتا کہ تمام کے تمام قتل ہو جاتے۔

اے کاش! اے میرے بیٹے! میری جان اور روح تم پر نثار ہو۔

پھر دکھیاری ماں! اپنے بیٹے کی لاش پر تشریف لائیں اور فرمایا: اے نور چشم! یہ کیا مصیبت ہے جو تم بیان کر رہے ہو؟ میں تیرے منور و پاکیزہ جسم کو خون و خاک میں غلطاں دیکھ رہی ہوں اور تیرا سر تو نیزہ پر بلند ہے۔

اے میری روح و چشم کی طاقت! تمھیں کیا ہو گیا ہے تم بغیر غسل و کفن کے کربلا میں پڑے ہو۔

آہ! تمھاری قبر ہماری قبروں سے دُور ہو گئی۔ پھر آپؑ نے اپنی پیشانی کو اپنے فرزندؑ کے خون سے خضاب کیا اور بین کیے: وَاوَلَدَاهُ، وَاحُسَيْنَاهُ، وَا جَدَّاهُ، وَا غُربَتَاهُ۔

حضرت فاطمہ صدیقہ طاہرہؑ کے چہرے پر خون جاری ہو گیا اور فرمایا میں اسی حالت میں اپنے ربّ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا یہ بین کر رہی تھیں۔ جب کہ آپؑ کے بابا، اماں (حضرت خدیجہؑ) اور فرزند (حضرت حسنؑ) بھی محو گریہ تھے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور آپؑ کا کٹا ہوا ہاتھ اُٹھایا اور ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا: اے میرے لختِ جگر! تمھارا یہ ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میرا ہاتھ میرے ساربان نے کاٹا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کا ہاتھ کاٹنے کا مقصد کیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: نانا جانؐ! میری شلوار اور قیمتی چیز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ جب بھی دست درازی کرتا میں اس کا ہاتھ پکڑ لیتا اور وہ میرا ہاتھ کاٹ دیتا۔ حتیٰ کہ اس لعین نے میرے دونوں ہاتھ کاٹ دیے۔ جب اس نے آپؑ کے گریہ کی آواز سنی تو ڈر کر ایک گڑھے میں جا چھپا۔

پیغمبر اکرمؐ نے ساربان کو مخاطب کر کے فرمایا:

یا اخسن الآنام علیک لعنۃ اللّٰہ الملک العلّام ......

"خدا اور ملائکہؑ کی لعنت ہو تم پر' تم پست ترین اور سب سے گھٹیا انسان ہو۔
تم نے میرے غریب' مظلوم اور پیاسے فرزند کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟
خدا تیرا چہرہ سیاہ کرے اور تیرے دونوں ہاتھ دنیا و آخرت میں کاٹ دے۔"

جمال ملعون کہنے لگا: اے جابرؓ! میں اسی لمحے سمجھ گیا میرے دونوں ہاتھ خمیر کی طرح زمین پر جا پڑے اور میری صورت سیاہ ہو گئی۔ اب میرے لیے دعا کرو تا کہ مجھے جلد موت آ جائے۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اُٹھا اور اسے وہیں چھوڑ دیا' صرف اتنا کہا:

اَلَا لَعنۃُ اللّٰہِ عَلَی القَومِ الظّٰلِمِینَ

......✿......

# سید الشہداء علیہ السلام سے سوال

اس حصے میں محبانِ اہل بیتؑ اور اہل یقین کے لیے ایک داستان نقل کر رہا ہوں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے بدلے خون جاری ہوگا اور خود بہ خود سینے اور چہرے پر ماتم کے لیے ہاتھ اُٹھیں گے: وَا حُسَینَاہُ، وَا اِمَامَاہُ، وَا غَرِیبَاہُ، وا عَطشَانَاہُ، وَا ذَبِیحَاہُ کی صدائیں منھ سے نکلیں گی۔ یہ آوازیں ملائے اعلیٰ اور آسمانوں کے ساکنین تک پہنچیں گی۔

اس لیے کہ اس واقعہ سے پنج تن پاکؑ اور بالخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام کے قلب نورانی کو درد اور دکھ سہنا پڑا ہے۔

اس مطلب کے راز سے خود آپؑ نے نقاب کشائی فرمائی ہے۔ میرے مولاؑ و آقاؑ خلیفۂ خداؑ ہیں۔ اس مقام پر ایک دقیق اور لطیف نکتہ موجود ہے جس کا تذکرہ یہاں ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عادل شخص نے میرے لیے نقل کیا ہے:

"میں ایک شب خواب میں سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ جب میں نے آپؑ کے مقامِ لطف و عنایت کا مشاہدہ کیا تو اپنی ہمتیں جمع کر کے جسارت کی جرأت کی۔ بعض واقعات جو شہادت سے پہلے انجام پا چکے تھے (جنھیں بعض کتب مقاتل نے بھی تحریر کیا تھا) کے متعلق اپنے امامؑ سے سوال کرنے لگا:

مثلاً: میں سوال کرتا ہوں کہ میرے مولاؑ و آقاؑ کیا فلاں واقعہ انجام پایا تھا اس کی کوئی بنیاد ہے؟

آپؑ فرماتے: ہاں! اس کی بنیاد اور اساس ہے۔

میں پھر سوال کرتا ہوں: فلاں واقعہ جسے بعض کتب میں درج کیا گیا ہے۔ کیا اس کی کوئی بنیاد ہے اور مستند ہے؟

آپؑ فرماتے: ہاں مستند ہے۔

اسی ترتیب سے میں سوال کرتا گیا۔ میں نے بہت زیادہ سوالات خدمتِ امامؑ میں پیش کیے اور آپؑ نے ان پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

میں نے پوچھا: اے میرے آقا! کیا جمال کا قصہ بھی حقیقت رکھتا ہے یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ آپؑ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا۔ آپؑ نے گریہ و بکا شروع کر دیا۔ جب قدرے سکوت فرمایا تو جواب نہیں دیا' کافی دیر کے بعد ارشاد فرمایا: ہاں! یہ بھی حقیقت رکھتا ہے۔ مگر اسے ذکر نہ کرنا اس لیے کہ مجھے حیا آتی ہے۔ جس شخص نے مجھے یہ قصہ سنایا وہ یہاں پہنچ کر ساکت ہو گیا۔"

یہ بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص پنج طاہرینؑ میں سے کسی کی خواب میں زیارت کرے تو وہ اُن کی سید جلیل القدر یا عالم ربانی یا مومن موحد کی صورت ہی میں زیارت کرے گا۔ وہ شیر وغیرہ کی صورت میں نہیں دیکھے گا۔ بشرطیکہ وہ یقین رکھتا ہو کہ یہ رسول خداؐ یا آئمۂ طاہرینؑ میں سے ایک ہیں۔

چوں کہ شیعہ سنی فریقین سے منقول روایات سے اس مطلب کا استفادہ ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

من رانی فی النوم فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی

"جس نے میری خواب میں زیارت کی۔ اس نے گویا بیداری میں میری زیارت کا شرف حاصل کیا ہے چوں کہ شیطان میری شکل نہیں اختیار کر سکتا۔"

اہل سنت اور اہل تشیع سے منقول روایت ہے:

من رانی فی النوم فقد رانی ومن رای احدا من اوصیای فقد راہ فان الشیطان لا یتمثل بی ولا باحد من اوصیائی

"جس کو خواب میں میری زیارت نصیب ہو یا میرے کسی وصی کی تو اس

نے گویا عالم بیداری میں ہماری زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ چوں کہ شیطان میری یا میرے کسی وصی کی شکل نہیں اختیار کر سکتا۔"

میرے نزدیک بھی خواب میں معصوم علیہم السلام کی زیارت حجت ہے۔ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ اگر معصومعلیہم السلام خواب میں کوئی ارشاد فرمائیں تو اس کے ذریعے حکم شرعی کا استنباط بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہ معصوم علیہم السلام کا کلام جو خواب میں ارشاد فرمائیں وہ اس کلام کے مانند ہے جو بیداری میں ارشاد فرماتے ہیں۔ جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے خواب میں اپنے ایک محب کو حکم دیا:

إن کلامنا فی المنام مثل کلامنا فی الیقظه

"جو بھی ہمارا کلام حالت خواب میں سنے وہ اس کلام کے مانند ہے جو حالت بیداری میں سنے۔"

## ایک اعتقادی نکتہ

روایات سے بہت زیادہ استفادہ ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کربلائے معلٰی میں اطفال اور بچے بھی ذبح ہوئے ہیں اور ان کی ایک کثیر تعداد تھی۔ ذبح ہونے والوں میں صرف علی اصغرؑ اور عبداللہؑ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ ساربان کی روایت سے بھی اس مطلب کا استفادہ ہوتا ہے اور ہم نے اس کی طرف تکراراً اشارہ کیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم تکراراً مداراً عرض کر رہے ہیں:

مذہب امامیہ کے محکم اُصول اور قواعد کی روشنی میں کتاب "تمر المذاب" کے معنف نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ مبنی بر کذب و افترا ہے۔ اس نے تحریر کیا ہے کہ آپؑ کی شلوار بھی لوٹ لی گئی۔ جب کہ یہ کلام مذہب شیعہ کے اُصول سے سازگار نہیں ہے۔ اس کی وجہ خود سید الشہداء علیہ السلام نے ساربان کی روایت میں بیان کی ہے اور فرمایا: نانا! اس لیے میں نے اس ملعون کا ہاتھ پکڑ لیا......

دوبارہ عرضِ خدمت ہے: اس قسم کے عقائد و نظریات (جن میں یہ بیان ہوا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شلوار لوٹی گئی) مبنی پر کفر ہیں اور اس پر کفر کا حکم لگانا بعید نہیں ہے۔ مگر یہ کہ اگر کوئی جہالت، اشتباہ وغیرہ کی وجہ سے بیان کرے تو سبحان اللہ! عجیب حالت ہے لوگوں کی، وہ جس سے بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مناقب، فضائل اور آثار و خواص کا تذکرہ سنتے ہیں اسے شیعہ شمار کرتے ہیں۔ ولایتِ مطلقہ کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہتے ہیں وہی ارادۂ پروردگار ہوتا ہے۔ چوں کہ خدا نے انھیں اپنے اسمائے حسنہ اور صفاتِ کبریٰ کے مظاہر قرار دیا ہے۔ وہ علم، قدرت، حلم، کرم، رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر ہیں۔ اس کے باوجود اس اہل سنت مصنف سے اشتباہ ہوا ہے لہٰذا ہم نے جو ضروری وضاحت تھی، پیش کر دی ہے۔

# فصل نہم

# محمدؐ وآلِ محمدؐ کے خون کی طہارت

# اور

# اسرار کے بیان میں

# خونِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خون پاکیزہ ترین بل کہ پاکیزہ ترین اجسام اور نورانی جواہر میں سے ہے۔ اس مدعا پر محکم دلائل اور شواہد موجود ہیں۔ سب سے بڑھ کر قرآنِ کریم اور شریعتِ مقدسہ میں یہ قولِ پروردگار اس مدعا پر بہترین دلیل ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (سورۂ احزاب، آیت ۳۳)

"اللہ یہ چاہتا ہے کہ رجس کو تم اہلِ بیتؑ سے دُور کرے اور تمھیں پاک و پاکیزہ قرار دے۔"

مذکورہ آیتِ کریمہ سے ماخوذ مطالب علما و محققین کے نزدیک ہمارے مدعا پر بہترین دلالت کرتے ہیں۔ چوں کہ یہ آیت اہلِ بیت علیہم السلام کی عصمت کاملہ و تامہ پر دلالت کرتی ہے اور بہت سارے اُمور کو ثابت کرتی ہے۔

اس آیت سے استفادہ کرتے ہوئے مذہب تشیع کے بہت سارے قوانین اور محکم قواعد کا استنباط ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اہلِ سنت کے بعض علما اور محققین نے بھی اس سلسلے میں انصاف سے کام لیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا تمام معاصی و گناہوں سے معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی آلِ محمدؐ ہر قسم کے گناہوں، ذنوب، خطاؤں، جرائم اور جہالت کی زشتی و پلیدی سے بھی پاک و منزہ ہیں۔

اگر کوئی آلِ محمدؐ کی طرف جہالت کی نسبت دیتا ہے تو یہ نسبت دینے والے کی اپنی نادانی اور جہالت ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں طہارتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ (کہ وہ نقائص و جہالت سے پاک ہیں) کو ثابت کیا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ تمام علما نے اس مسئلے کو عنوان بنایا ہے کہ خونِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی طہارت کا مسئلہ ان مسائل میں شامل ہے کہ جس کا قائل صرف ایک گروہ ہوا ہے اور اس

مسئلے میں کسی قسم کا اجماع موجود نہیں ہے؟

ہم جواب میں کہیں گے کہ کسی بھی مسئلے میں صرف مخالفت کے احتمال کی وجہ سے اسے اختلافی مسائل میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے' مگر اس قسم کے مسائل عقائد و اعتقادات کی دنیا میں موجود ہیں۔ جیسے عالم برزخ میں روح کے موجود ہونے کا مسئلہ۔ یہ مسئلہ علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے تک اختلافی مسئلہ تھا اور اکثر علمائے علم کلام (خاصہ و عامہ دونوں) کی اکثریت اس بات کی قائل تھی کہ عالم برزخ موجود ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے کہ روح امر عرضی ہے جو موت کے ساتھ ہی فانی ہو جاتا ہے اور ثواب و عذاب' عقاب و درجات اور حشر و نشر کا مسئلہ قیامت سے متعلقہ ہے اور علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ تھا کہ جو شخص بھی عالم برزخ میں روح کی بقا کا قائل ہے' وہ خطا کار ہے۔

مگر بحمد اللہ ایک مدت ہو گئی ہے دونوں مسئلے معرض ہو گئے ہیں اور اجماعی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ وہ بھی محکم اور قاطع دلائل کی روشنی میں (مسئلہ طہارت اور مسئلہ بقائے روح در عالم برزخ) اجماعی مسائل میں شمار ہو گئے ہیں۔

بہر حال خونِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی طہارت پر دلائل شمار کی حد سے بھی زیادہ ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کو استدلال کے ذریعے ثابت کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

مثلاً حجامت کراتے ہوئے جب رسالت مآبؐ کے بدنِ مبارک سے خون نکلا تو ایک صحابی نے وہ خون کھا لیا۔ آپؐ نے فرمایا: اب تمھارے اوپر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی۔ اب دوبارہ یہ کام نہ کرنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاءؑ و اوصیا کا خون پاک و طاہر ہوتا ہے۔

اس مقام کو آقای سید مہدی طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ خوب سمجھتے ہیں۔ انھوں نے منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے:

اکثر من الصلوٰۃ فی المشاھد
خیر البقاع افضل المعابد

والسر فی مفضل صلوة المسجد
قبر معصوم به مستشهد
برئة من دمه مطهرة
طهره الله بعد ذکره

"نماز کو مشاہد مشرفہ میں ادا کرو۔ اس لیے کہ عبادت کے لیے بہترین جگہ بقعہ (بقعۂ نور) ہی ہوتی ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا راز یہ ہے کہ وہاں معصومینؑ کی قبریں ہیں۔ یہ جگہیں معصومینؑ کے مطہر خون سے پاک کی گئی ہیں اور جو یہاں ذکر کرے گا خدا اسے بھی پاک کر دے گا۔"

البتہ سید بزرگوار نے یہ مضمون ایک صحیح حدیث سے اخذ فرمایا ہے۔ جو چند اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ حدیث کا مضمون یہ ہے:

قال قلت له ای للصادقؑ انی لاکره ان اصلی فی مساجد فقال لا والله مامن مسجد الاوقد بنی علی قبر نبی اووصی نبی قتل فاصاب تلك البقعهة قطرة من دمه فاحب الله ان یذکر فیها فادوا فیها الفرائض و اکثر و فیها النوافل

راوی کہتا ہے:

"مجھے مخالفین کی مسجد میں نماز پسند نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا: نہیں، نہیں ایسا مت کہو۔ اس کرۂ ارض پر جتنی بھی مساجد تعمیر ہوئی ہیں (بڑی ہوں یا چھوٹی، شیعوں کی ہوں یا اہل سنت کی یا مخالف فرقوں کی) تو وہاں کسی نبیؑ یا وصیؑ کا خون ضرور بہایا گیا ہے اور اس کی قبر ضرور ہے اور اس مسجد کو اس شہید کے خون سے منور کیا گیا ہے۔ یہ خداوند کریم کا ازلی ارادہ ہے کہ جہاں جہاں کسی نبیؑ یا وصیؑ کے خون کا قطرہ گرا ہے وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ وہاں مومنین اور نمازی اپنے ربّ کو پکارتے اور یاد کرتے ہیں۔

پس اے شیعو! اپنی واجب اور مستحب نمازیں مساجد میں ادا کیا کرو۔"

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کا ترجمہ' تفسیر اور الفاظ کی تشریح کی صورت میں کیا گیا ہے۔ جب کہ فہم مطالب کے مقام پر کہا جا سکتا ہے کہ امامؑ کا مقصد یہ تھا کہ زمین کے جس حصے پر بھی مسجد بنائی جائے (چاہے صحرا میں یا پہاڑوں کے دامن میں) ایک پسندیدہ اور مستحب مؤکدہ فعل ہے۔ بے شک وہ مسجد اپنے حجم کے اعتبار سے چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو۔ کسی بھی قطعۂ زمین کا مسجد بن جانا خدا کے ازلی ارادے کو عملی شکل دینے والی بات ہے۔ اس طرح کہ پیغمبرؐ یا وصی پیغمبرؐ کی قبر یا خون کا قطرہ نہ گرا ہو وہاں مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی۔

نتیجہ یہ ہو گا کہ جہاں بھی مسجد تعمیر ہو گی یا بنائی جائے گی وہاں نبیؐ یا وصیؑ کے خون کا قطرہ ضرور موجود ہو گا یا پھر خدا کے پیغمبر یا وصی پیغمبر کی قبر ضرور ہو گی۔

اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں کسی نبیؐ یا وصیؑ کے خون کی طہارت کا تذکرہ نہیں ہے تو بزرگ عالم سید مہدی طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے معصومینؑ کے خون کی تطہیر کو کس طرح ثابت کیا ہے؟

جواب ایک مشہور عبارت ہے "الکنایة ابلغ من التصریح" (اشارۃً گفتگو کرنا صریح کلام سے جلدی دلالت کرتا ہے)۔ جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے' اس کی عظمت و بزرگی کا سبب وہ قطرۂ خون ہی تو ہے ورنہ جس جگہ کسی معصومؑ (نبیؐ و وصیؑ) کے خون کا قطرہ نہیں پہنچا' وہ مسجد اور عبادت خانہ نہیں بن سکتی۔ اس جملے سے بہترین اور متین کیا چیز سمجھی جا سکتی ہے؟

اگر آپ چاہتے ہیں تو اس سے بھی واضح انداز میں بیان کیے دیتے ہیں کہ جملوں میں دقت کرو۔ امامؑ نے فرمایا:

"فاحب اللہ ان یذکر فیھا" کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے معصومؑ کے ایک قطرۂ خون کی عظمت' شرافت' قدر و منزلت کرتے ہوئے حکم دیا ہے: جہاں معصومؑ کے خون کا ایک قطرہ گر جائے وہ جگہ مسلمانوں کا معبد اور مسجد قرار دی جائے تاکہ لوگ خدا کو یاد کریں اور سب سے افضل طریقۂ قرب و شرف کا یعنی نماز وہاں (مسجد) میں ادا کی جائے۔ پس اس سے محکم تر

اور موثق تر دلیل شرعی کوئی ہو ہی نہیں سکتی؟

چوں کہ یہ دلیل ہر عاقل و ذی شعور کے لیے واضح اور روشن ہے کہ خدا کسی بھی قسم کی پلید، نجس اور خبیث چیز کو پسند نہیں کرتا ہے۔

جب ہماری بحث خونِ انبیاءؑ، اوصیا کی بابت مکمل ہوتی ہے تو اس کے ذریعے سردار انبیاءؑ اور ان کے اوصیاؑ کے خون کی بحث بھی بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ چوں کہ یہ تو افضل ترین اور بدترین واوّلین مخلوق ہے۔

خونِ آئمۂ اطہارؑ کا طاہر و مطہر ہونا ایک بلند وارفع مرتبہ ہے۔ جس کے ذریعے ان کے مقام و منزلت اور عزت و قدر میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ جس کا احاطہ ہزاروں تحریریں بھی نہیں کر سکتی ہیں۔ مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب اور دین کے اُصول، قواعد، نتائج اور ثمرات (کہ جن کی طرف بعض کتابوں میں اشارہ کیا گیا ہے) میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔

ہم مزید وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں: اگر ہم اس سلسلے میں منقولہ صحیح روایات میں دقت سے کام لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سیدالشہداء علیہ السلام کا نورانی اور ملکوتی خون جو طاہر و مطہر ہے (چاہے وہ زخموں سے نکلا ہو یا ذبح کرتے وقت حلق مبارک سے) اور یہ خون مقرب ملائکہ اور کروبیوں کے ذریعے جمع ہوا ہے اور اسے ملکوتی اور عرشِ الٰہی والی شیشی میں محفوظ کیا گیا ہے۔ اس کے فلسفے اور راز کو خدا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ولی خداؑ، اوصیا و معصومینؑ اور مقرب ملائکہؑ ہی جانتے ہیں۔ ان اَسرارات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ خون طاہر و مطہر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت حاصل کرنے والے اسباب میں سرفہرست ہے۔

دوسری بات: یہ خون عرشِ الٰہی پر ذخیرہ کیا گیا ہے۔ اس سے عرش کی زینت، نورانیت اور تزئین کا کام لیا جا رہا ہے جو اہلِ بہشت اور بہشت کے لیے زیارت گاہ ہے۔

دوسرا راز یہ ہے کہ یہ نورانی خون ایک بہت بڑے طشت میں موجود ہے، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دھرا رہتا ہے۔ اس کا ایک قطرہ، مخالفین اور دشمنوں پر لگا کر انھیں بینائی سے

محروم کر دیا جاتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ روزِ عاشور اور اس کے ایک دن بعد متعدد پرندوں نے اپنے آپؑ کو سید الشہداء علیہ السلام کے خون میں غلطاں کیا۔ اس طرح سے دو تین دن تک ان میں سے خون بہتا رہا۔ ان میں سے ہر پرندہ زمین کے ایک مقام پر پرواز کرتا ہے۔ اب اگر پرواز کے دوران میں اس خون میں سے کوئی قطرہ بیماروں' درد کے ماروں اور لاعلاج مریضوں تک پہنچتا ہے تو وہ لباسِ حیات زیب تن کر لیتے ہیں یا پھر پرواز کے دوران میں کوئی قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اس جگہ مسجد تعمیر ہو جاتی ہے یا ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ مشخص ہو جاتا ہے۔ اب تک زمین پر جتنی بھی مساجد تعمیر کی گئی ہیں یا قیامت تک مساجد بنیں گی وہ سید الشہداء علیہ السلام کے خون کی برکات ہیں۔ اسی طرح جو مساجد ویران اور برباد ہوتی ہیں (اگرچہ تعداد میں کم ہیں)۔ یقیناً وہاں تک خونِ سید الشہداء علیہ السلام کے چھینٹے نہیں پڑے ہوں گے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے ان نورانی قطرات کی کیفیت کچھ اس ترتیب سے ہے کہ خون پرندوں کے بال و پر یا بادِ نسیم اور تیز آندھیوں کے ذریعے خدا کے اِذن سے جب خاک و تراب میں جا کر ملتا ہے تو دنیا کے مختلف حصوں تک جا پہنچا ہے۔ دوسرا دنیا میں پھیلنے کا سبب وہ ملائکہؑ ہیں جنھوں نے اپنے ربّ کے اِذن سے اس ملکوتی خون کو دنیا میں پھیلایا۔ جہاں مسجد تعمیر ہو رہی ہیں۔

اب اگر کوئی سوال کرتا ہے اور کہتا ہے: زمین کربلا پر سید الشہداء علیہ السلام کا کتنی مقدار میں خون بہایا گیا ہے۔ چوں کہ مقتل گاہ تو تھوڑی سی ہے۔ اس میں پرندے غوطہ زن ہوتے رہے۔ اس تھوڑے خون کو سارے جہاں میں کس طرح پہنچایا گیا؟ مثلاً ترکی کے شہر استنبول میں چھوٹی بڑی تیس (۳۰) ہزار مساجد موجود ہیں۔ کیا سب تک خونِ امامؑ کے قطرے پہنچے ہیں؟ اب پورے جہاں میں موجود شیعہ سنی مساجد کا حساب آپ خود کر لیں۔

اس کا جواب یہ ہے خونِ سید الشہداء علیہ السلام کی عظمت' جلالت' فضیلت اور رفعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے ایک علیحدہ فصل تحریر کی جائے تاکہ مطالب شیعوں اور محبوں کے لیے مفید بن سکے۔ کربلا میں بہائے گئے خونِ امامؑ کے اَسرار بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس

باب میں ایک مثال اور نظیر پیش کی جائے۔ یقیناً یہ نمونہ بھی تو آلِ محمدؐ کے مناقب کا ایک حصّہ ہوگا۔ مگر درحقیقت خونِ سید الشہداء علیہ السلام کی کثرت کے اسرار ایبان کرنے کا یہ مقدمہ بنے گا۔

## بختیشوع طبیب

شہر "رَے" میں ایک طبیب رہتا تھا۔ اس نے طویل عمر پائی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں کی بات سناتا تھا کہ میں بختیشوع نصرانی طبیب و حکیم کا شاگرد ہوں جو متوکل عباسی کا معالج رہا ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت اور شفقت کرتا تھا۔ اس نے میری تربیت بھی اسی انداز میں کی تھی۔ ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے "بختیشوع کے لیے پیغام آیا جس میں آپؑ نے فرمایا: اپنے کسی خاص شاگرد یا دوست کو بھیجو تاکہ وہ میرے فصد کھولے۔

بختیشوع نے مجھے کہا: ابن الرضا علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ فصد کھولنے کے لیے کسی کو بھیجو۔

بختیشوع اگرچہ نصرانی تھا مگر حجت خداؑ سے بڑا مخلص تھا اور مجھے تاکید کی۔ آپؑ کی خدمت انتہائی ادب، محنت اور خلوص سے کرنی ہے اور یہ بھی کہنے لگا: یقین کرنا آج کرۂ ارض پر ان سے دانا و عالم کوئی نہیں ہے، لہٰذا اپنی طرف سے سعی کر کہ کہیں ان کی حکم عدولی نہ ہونے پائے۔

مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے دولت خانے پر حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: باہر موجود ایک کمرے میں انتظار کرو۔ میں تمھیں بلاتا ہوں۔ میں نے جب آپؑ کے بیتِ اشرف میں قدم رکھا تو وہ وقت طب و نجوم دونوں کے لحاظ سے بہت اچھا اور مبارک وقت تھا۔ میں کمرے میں بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ میری باریابی کا وقت آ پہنچا۔ مجھے فصد کھلوانے کے لیے بلوایا گیا اور حکم دیا گیا: ایک بہت بڑا طشت لایا جائے۔

جب طشت لایا گیا تو آپؑ نے مجھے اکحل رگ سے فصد کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فصد کیا اور آپؑ کا مبارک اور نورانی خون اس طشت میں ڈالتا رہا، جب وہ طشت لبالب بھر گیا۔ آپؑ نے فرمایا: بس کرو۔ میں نے آپؑ کے دستِ مبارک کو دھو کر باندھ دیا۔ آپؑ نے حکم دیا: میں کمرے میں ہی موجود رہوں۔ آپؑ کے غلاموں نے میرے سامنے انواع واقسام کے کھانے، گرم اور ٹھنڈے ہر طرح کے چن دیے۔ میں عصر تک حجرے ہی میں رہا۔ مجھے دوبارہ

زیارت کا موقع نصیب کیا گیا۔ آپؑ نے دوبارہ فصد کا حکم دیا اور دوبارہ وہی طشت منگوایا گیا۔ پھر جب وہ طشت لبالب بھر گیا تو آپؑ نے فرمایا: بس کرو۔ میں نے دوبارہ دستِ مبارک دھو کر باندھ دیا۔ آپؑ نے مجھے وہیں شب بسر کرنے کا حکم دیا۔ میں بیرونی کمرے میں سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو مجھے طلب فرمایا اور حکم دیا: طشت پھر لاؤ۔ میں نے دوبارہ فصد کیا تو اب کی بار خون تازہ دودھ کے مانند نکل رہا تھا۔ جب طشت خون سے پھر بھر گیا تو میں نے دستِ مبارک دھو کر باندھ دیا۔ آپؑ نے اپنے لباس میں سے پچاس دینار نکال کر بڑے باحیا انداز میں میرے ہاتھ پر رکھے اور عذر خواہی فرمائی۔

میں نے عرض کیا: آقا و مولاؑ! اگر کوئی اور خدمت ہو تو بندہ حاضر ہے؟

فرمایا: تم نے اپنا کام احسن طریقے سے کیا ہے۔ تم ہمیشہ اچھوں کی صحبت اختیار کرنا' بالخصوص اس کی جو تم سے زیادہ عقل مند۔

میں اپنے استاد بختیشوع کی خدمت میں پہنچا اور اسے ابتدا سے انتہا تک سارا قصہ سنایا۔ اس نے بڑا تعجب کیا اور کہا: تمام حکما و اطبا اس بات پر متفق ہیں کہ ایک انسان کے اندر سات من...... (مجھے اس مَن کے بارے میں تردد ہے چوں کہ ایران میں ایک من تین کلو کا بھی دیکھا ہے۔ مترجم) یہ سات من بھی انتہائی صحت مند اور تنومند جسم میں ہوتا ہے۔ میرے لیے تعجب کا مقام یہ ہے کہ تیسری بار تم کہہ رہے ہو کہ خون تازہ دودھ کے مانند نکلنے لگا۔ مگر جو کچھ کہہ رہے ہو اگر تم یہ بھی کہہ دیتے کہ پانی کے چشمے جاری ہو گئے ہیں تو پھر بھی تعجب خیز نہیں ہے۔

میرا اُستاد ایک گھنٹے تک محوِ فکر و تامل رہا۔ پھر تین دن رات میں نے اور میرے استاد نے حکمت و طب کی ساری کتب کھنگال ڈالیں تو یہ ملا کہ ایسا واقعہ تاریخ میں ایک ہی بار وقوع پذیر ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں کچھ بھی نہ ملا۔

بختیشوع کہنے لگا: نصرانیوں کے ہاں اس وقت عقل مند ترین اور حکمت و طب میں ید طولیٰ رکھنے والی ایک شخصیت اس راہب کی ہے جو دیر عاقول میں زندگی بسر کرتا ہے۔ استاد نے سارا واقعہ خط میں لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا: دیر عاقول جاؤ۔ میں رات کو سوار ہوا اور دیر عاقول

کی سمت چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ اس راہب کا گھر ایک قلعہ نما عمارت میں تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔ اس نے قلعہ کی دیوار سے سر نکالا اور پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے جواب دیا: میں طبیب بختیشوع کا شاگرد اور دوست ہوں۔

اس نے پوچھا: کوئی خط لائے ہو؟

میں نے جواب دیا: جی۔

اس نے ٹوکری رسی سے باندھ رکھی تھی۔ وہ ٹوکری نیچے لٹکائی اور حکم دیا: خط اس میں رکھ دو۔ پھر وہ ٹوکری اوپر کھینچ کر لے گیا۔ خط کھول کر پڑھنے لگا اور فوراً قلعے سے نیچے اُترا۔ دروازہ کھولا اور استفسار کیا کہ تم وہی ہو جس نے اس جلیل القدر شخصیت کے فصد کھولے ہیں؟

میں نے جواب دیا: جی۔

کہنے لگا: یہ تمھاری اور تمھاری ماں کی خوش بختی ہے۔

اس نے بڑی عجلت میں اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر سامرہ کی طرف چل پڑا۔ ابھی رات کا تیسرا پہر باقی تھا کہ ہم سامرہ پہنچ گئے۔

میں نے کہا: آپ پہلے استاد کے ہاں تشریف لے جانا پسند کریں گے یا سید جلیل القدر کے درِ دولت پر حاضری دینا؟

کہنے لگا: پہلے اس سید جلیل القدر کے حضور۔

ہم اذانِ صبح سے قبل حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے درِ اشرف پر کھڑے تھے۔

دق الباب کیا تو ایک سیاہ رنگ کے حبشی غلام نے دروازہ کھولا اور کہنے لگا: کیا تم میں کوئی دیرِ عاقول کا راہب بھی ہے؟

راہب نے عرض کیا: میں ہوں، قربان جاؤں۔

غلام نے کہا: سواری سے اُتر آؤ۔

جب راہب نیچے اُترا تو غلام نے مجھ سے کہا: تم یہاں راہب کے مرکب کا خیال رکھو۔

پھر وہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گیا۔ میں صبح تک بلکہ سورج کافی حد تک چڑھ

آنے کے بعد تک بھی وہیں کھڑا رہا۔ میں نے دیکھا کہ راہب گھر سے باہر آیا ہے۔ لیکن اب کی بار اس کے بدن پر نصرانیوں والا نہیں بل کہ مسلمانوں والا سفید لباس تھا۔ وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے ہاں مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔

راہب نے مجھے حکم دیا: اب تمھارے استاد بختیشوع کے گھر چلتے ہیں۔ جب ہم بختیشوع کے گھر پہنچے اور اُس نے ہمیں دیکھا تو ہماری طرف دوڑ پڑا۔ ہمارے پاس پہنچ کر کہنے لگا: کیا ہوا ہے تم نے اپنا دین کیوں چھوڑ دیا ہے؟

اس راہب نے جواب دیا: میں نے مسیحؑ کو پا لیا ہے اور اس مسیحؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔

بختیشوع نے پوچھا: کیا تم نے مسیح کو پا لیا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں میں نے مسیح کی مثل کو پا لیا ہے۔ چوں کہ اس طرح کی فصد اب تک تاریخ عالم میں صرف حضرت مسیح کی کھولی گئی ہے یا پھر ان آقاؑ و مولاؑ کی جو خلیفۂ خداوند اور حضرت مسیحؑ کی مثل و نظیر ہیں۔ آیات اور براہین ان کے مسیح کی مثل ہونے پر کثرت سے دلالت کر رہی ہیں۔

پھر وہ آپؑ کے بیت الشرف کی طرف چلا گیا اور ساری عمر آپؑ کی خدمت میں بسر کر دی۔

## حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی فصد کے اُسرار و فوائد

ان اُسرار کو سمجھنے کے لیے چند مطالب کا تذکرہ ضروری ہے۔ جیسا کہ اصحاب فکر و ذکاوت آگاہی رکھتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق عناصر اربعہ (پانی، مٹی، آگ، ہوا) پر ہوئی ہے۔ جب اِذنِ پروردگار سے ان چاروں عناصر کا امتزاج ہوتا ہے اس تضاد سے قطع نظر جو ان کے درمیان ہے (جیسے سردی، گرمی، خشکی اور تری) یہ اِرادہ الٰہی کے عین مطابق نقطۂ اعتدال تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر فیض رحمانی کے اثر سے ان کے اندر حیات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور پھر اسی خالق کون و مکان کے فیض سے یہ ترکیب ایک شکل اختیار کر لیتی ہے، جس کو اصطلاح میں معدن کہا جاتا ہے۔ جیسے معدنِ طلا، چاندی، الماس، یاقوت، زمرد، لعل، زمرد وغیرہ۔

اس مرحلے کے بعد عدالت و وحدت کا نقطۂ انتہا یہ ہے۔ ان پر حیات کے دوسرے اثرات مترتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک اثر جو بغیر کسی تردید کے پہلے والے مرحلے سے بلند تر ہوتا ہے۔ یہ اثر ہوتا ہے غذا اور طعام کو قبول کرنا۔ اسی مرحلے میں حرکت بھی وجود میں آتی ہے اور جب معادن اور نباتات کو جمع کیا جائے تو اس کا لازمہ یہ بنتا ہے کہ اصل حیات کو قبول کیا جائے۔ ارادہ و اختیار کی قید و شرط کے ساتھ اس وقت نفس حیوانی کے لیے دو قوتیں موجود ہوتی ہیں ایک قوۃِ مدرکہ اور دوسری قوۃِ محرکہ۔

اس توضیح اور تشریح کی روشنی میں علما اور عرفا نے اس آیت قرآنی:

وجائت کل نفس معها سائق و شهید

''جو نفس بھی آتا ہے اس کے ساتھ ایک سائق اور شاہد ضرور ہوتا ہے۔''

کی یوں تاویل کی ہے قوۃ مدرکہ' حواسِ خمسہ' باصرہ' سامعہ' ذائقہ' شامہ اور لامسہ میں تقسیم ہوتی ہے۔

ایک دوسری تقسیم میں حواسِ پنجگانہ کو قوۃ حس' قوۃ خیالیہ' متعرفہ' واہمہ اور حافظہ میں تقسیم کرتے ہیں یا پانچویں صرف حیوانات کے اندر اپنے نقطۂ کمال پر ہوتی ہیں۔ جب کہ قوتِ متحرکہ اپنی دو قسموں قوتِ باعثہ اور فاعلہ کے ذریعے دو شعبوں میں تقسیم ہوتی ہیں: ایک قوتِ شہوتیہ اور دوسری قوتِ غضبیہ۔

قوۃ فاعلہ کا کام جذب و کشش اور رگوں کو سست کرنا ہے۔ ان اُمور کا وسیلہ وہ اعصاب ہوتے ہیں جو مغز اور نخاع میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ پانچوں طاقتوں کی حامل روح بخاری ہوتی ہے' جسے طبی و طبیعی بھی کہتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک لطیف سا سوراخ ہوتا ہے جس کے ذریعے غذا حاصل کی جاتی ہے۔

اس سے بھی سادہ الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں: اس لطیف سوراخ کے ذریعے' خون' بلغم' صفرا اور سودا حاصل ہوتے ہیں۔

اَرواحِ طبیعیہ کی منشا قلب ہوتا ہے جس طرح تمام رگوں کی منشا بھی قلب ہوتا ہے۔ وہ رگیں جو دل سے ہو کر اعضا میں جاتی ہیں ان میں توانائی کی کثرت اور خون کی کمی ہوتی ہے اور

جو رگیں جگر سے ہو کر اعضا کی طرف جاتی ہیں۔ ان میں خون کی کثرت اور توانائی کی کمی ہوتی ہے اور اعصاب جو مغز اور نخاع سے منشعب ہوتے ہیں۔ سارے کے سارے صامت ہوئے ہوتے ہیں۔ سوائے ان اعصاب کے جنھیں ملتقی النورین کہا جاتا ہے اور یہ آنکھوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ بہرحال روح جس کا خالق خدا ہوتا ہے' وہ بدن اور اعضا میں سفیر اور رسول کی حیثیت رکھتی ہے۔ قلب جو روح بخاری سے منشا وحیات پاتا ہے' وہ صنوبر کی شکل کا گرم اور دھڑکنے والا ہوتا ہے۔ جب یہ لطافت کی انتہا پر ہوتا ہے۔ زندگی اور نفس ناطقہ انسان کی حرکت کا باعث بنتا ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ معصومین علیہم السلام میں قلب کو فواد' لُب' عقل' روح انسانی' نفس کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ خداوند کریم نے شرافت اور خلقت اختصاصی کے سبب اسے مورد اضافہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

"میں جوں ہی اسے تیار کروں اور اس میں اپنی روح پھونکوں۔"

انبیاءؑ' پیغمبرانؑ' ان کے اوصیاءؑ میں نفوس اور اَرواحِ انسانی اپنے نقطہ کمال و اتم و اعتدال پر موجود ہوتی ہیں۔ جس طرح پانچ قوتیں اور حواسِ ظاہر اپنے اوج اور کمال پر ہوتے ہیں۔ یہی بات ان کے قلب کی بھی ہوتی ہے جو ان کی شریانوں اور حیات کی منشا ہوتی ہے اور جگر جو خون کے لیے منشا ہوتی ہے وہ تصدیق کرتا ہے کہ (انبیاءؑ و اوصیاؑ) کے علاوہ باقی انسانوں کے اندر اس کے درجات و مراتب میں اتنا تفاوت ہوتا ہے جسے شمار نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں ہماری تحقیق کا محور صاحبانِ ولایتِ مطلقہ یعنی خاندانِ سردارِ انبیاءؐ ہوتا ہے کہ جن کے اندر جلالت' عظمت' شرافت اور اَرواح و نفوس اس اعلیٰ و ارفع حد پر ہوتے ہیں کہ جن کا حساب و کتاب باطنی و ظاہری قوتوں (جگر' قلوب اور دوسرے اعضائے بدن) حتیٰ کہ جن و انس بھی اگر چاہیں تو نہیں کر سکتے ہیں۔

کسی بھی جن وانس کے لیے ان کی فضیلت کی حقیقت کے دریا کے ایک قطرہ یا درخشندہ آفتاب کے ایک ذرّے کو پانا بھی ممکن نہیں ہے۔

آپ مختصر الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ انسانِ کامل و کبیر جو خلقتِ عالم و ملک و ملکوت کا ہدفِ حقیقی ہوتا ہے۔

خلیفۃ اللہ وہ ہوتا ہے کہ خداوند (عالم تصرف' ولایت اور حفظ میں اس کا خیال رکھے) اور اپنی صفات و اسما کی تمام خلعتیں اور لباس اس کے بدن پر پہنا دے۔ اس طرح اسے اپنی مسند پر بٹھائے۔ خداوند کریم نے اپنے دستِ تصرف سے خزائن ملکوت و ملک اس کے سپرد کیے ہیں اور ساری مخلوق کو اس کے سامنے مسخر و مطیع بنایا ہے۔

وہ آیات اور شواہد جن کا اس جانب اشارہ کیا گیا ہے' موجود ہیں۔ بہر حال کوئی بھی عضوِ انسانی اعضا کا ان ہستیوں کے اندر بدرجہ اتم و اکمل موجود ہوتا ہے اور اس پر ہزاروں براہین بھی موجود ہیں۔ جیسے آن حضرت محمد مصطفیٰ کی چشم مبارک کے لیے آپ نے ارشاد فرمایا:

یا یسبقونی بالرکوع فانی أراکم من خلفی کما أراکم من امامی

''مجھ سے پہلے رکوع مت کرو۔ یہ صحیح ہے کہ میں پچھلی جانب بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے کی طرف دیکھتا ہوں۔''

اس کے علاوہ آپ کی آنکھوں پر ایک برہان بھی پیش کی گئی۔ آیتِ قرآنی ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (سورۂ نجم' آیت ۱۷)

''جو کچھ اس نے دیکھ لیا ہے اس سے انحراف کرو اور نہ حکم عدولی کرو۔''

پھر رسولِ اکرم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

زویت الی الارض فاریت مشارقها و مغاربها

''خداوند کریم نے میرے لیے زمین کو قابلِ دید (مرئی) بنا دیا' میرے لیے تمام کے تمام مشارق و مغارب قابلِ دیدار (رویت پذیر) ہیں۔''

آپ کے گوشِ مبارک پر دلیل آپ سے منقولہ حدیث ہے:

اطت اسماء و حق لها ان تاطالیس فیها موضع قدم الا وفیه ملك مساجد او راکع

"آسمانوں نے صدا دی ہو گی اور وہ صدا دینے کے زیادہ لائق اور مستحق ہیں۔ چوں کہ وہاں صرف ان ملائکہ کے قدم ہیں جو رکوع کر رہے ہیں یا سجدے میں ہیں۔"

آپ کے مشام پر دلیل آپ کی حدیث شریف ہے جو آپ نے اُویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی:

انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمن

"میں دائیں طرف سے نفس رحمانی (کی خوش بو) کو پا رہا ہوں۔"

اپنے ذوق کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان ھذا الذراع مسموم

"یہ جو گوسفند کی ران کا کباب بنایا گیا ہے یہ مسموم ہے۔"

آپ کے لمس کی دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے:

وضع اللّٰہ یدہ بین کتفی فاحسنت بردہ

"خدا نے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا اور مجھے اس کا احساس بھی ہوا۔"

آپ کی لسانِ مبارک کے اُلوہی ہونے پر ارشاد ہو رہا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۂ نجم آیات ۳،۴)

"میرے حبیبؐ! اپنی ہوا و ہوس کے تحت گفتگو نہیں فرماتے۔ یہ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں، وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔"

آپ کے لعابِ دہن کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جنگِ خندق میں آپ نے ارشاد فرمایا:

اے جابرؓ! گندھے ہوئے آٹے اور گوشت کی دیگ کو تب تک ہاتھ مت لگانا جب تک میں نہ آ جاؤں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ آپ نے آٹے کے خمیر اور گوشت

کی دیگ میں اپنا لعاب دہن ملایا۔ خدا کی قسم! مجھے یاد ہے کہ ہزار کے قریب افراد نے وہ آب گوشت (شوربے والا گوشت) کھایا اور سب سیر ہو گئے۔ جب کہ آٹا اور گوشت اپنی اسی حالت پر باقی رہے۔ ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئے۔ لگتا تھا ان میں سے کسی نے کچھ تناول ہی نہیں کیا۔

آپؐ کے لعاب دہن پر دوسری دلیل جنگ خیبر کے دن حضرت علی علیہ السلام کو لاحق شدید قسم کا آشوب چشم تھا۔ آپؐ نے جب اپنا لعاب دہن لگایا تو درد فوراً زائل ہو گیا۔ اس کے بعد کبھی حضرت علی علیہ السلام کو آشوب چشم نہیں ہوا۔ آپؐ کے دست مبارک کے متعلق رب دو جہاں نے ارشاد فرمایا:

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۂ انفال، آیت ۱۷)

''جب دشمن کی طرف تیر چلایا تو حکم ہوا کہ اے میرے حبیبؐ! یہ تیر تم نے نہیں چلایا بل کہ یہ خدا ہے کہ جس نے تیر چلایا ہے۔''

اسی طرح آپؐ کے ہاتھوں پر سنگ ریزوں کی تسبیح کرنا اور جب آپؐ نے انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور اسی طرح اُنگلیوں سے جب پانی کا چشمہ جاری کرنا چاہا تو فوراً ایسے چشمے جاری ہوئے کہ سارے لوگ سیراب ہو گئے۔

آپؐ کے سینہ مبارکہ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (سورۂ انشراح، آیت ۱)

''کیا تیرے سینے کو کشادہ نہیں کیا گیا؟''

آپؐ کے سینہ مبارک سے ایسی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ گویا کسی دیگ میں اُبال آیا ہو۔ آپؐ کے قلب مبارک اور اَنوار قدسیہ کا کرشمہ تھا کہ جب سوتے اور آنکھیں بند ہوتیں، تو بھی آپؐ کے نورانی قلب کو نیند نہیں آتی تھی۔ جیسا کہ آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (سورۂ نجم، آیت ۱۱)

''جو کچھ دل دیکھتا ہے اس کا انکار نہ کر۔''

اسی طرح آپؐ کے ظاہری وجود مقدس پر جو براہین اور دلائل دلالت کر رہی ہے، وہ حد

شمار سے کہیں زیادہ ہیں۔ البتہ پوشیدہ قوتوں پر بھی کثیر تعداد میں ادلہ دلالت کرتی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند پر اکتفا کر رہے ہیں:

علمی قوت پر دلیل امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰہ أَلفَ بَابٍ مِنَ العِلمِ فَاستَنبَطتُ مِن کُلِّ بَابٍ أَلفَ بَابٍ

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے علم کے ہزار باب سکھائے۔ میں نے بھی ہر ایک باب سے ہزار ہزار باب کا استخراج کیا۔"

قوت محرکہ علیہ کے عروج کے متعلق کہ اسی جسم مبارک سے آسمان تک پہنچے یعنی سدرۃ المنتہی پر پہنچے اور "قَابَ قَوسَینِ اَوْ اَدْنٰی" (سورۂ نجم آیت ۹) کے مقام پر فائز ہونے پر برہان قائم ہے اور آپؐ کی عقل عملی کے متعلق ارشاد ہوا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۂ قلم آیت ۴)

"بے شک تم اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہو۔"

اسی طرح آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخلَاق

"بہ تحقیق مجھے اخلاق کے مدارج اور مراتب کی تکمیل کے لیے خلق کیا گیا۔"

حضرت سید المرسلینؐ صاحبِ مقامِ نبوت مطلقہ ہیں۔ اس براہین کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں کہ ان میں سے تمام ایک اعضا و جوارح' جزا ظاہری قوتوں اور وجودِ مشہود پر دلالت کر رہی ہیں۔ یہی اَدّلہ آپؐ کے طیب و طاہر خاندان کے دوسرے معصوم حضراتؑ پر بھی دلالت کر رہی ہیں۔ چوں کہ یہ سب بھی اولیائے خدا اور خلفائے ربِّ کریم اور صاحبانِ ولایتِ مطلقہ ہیں۔

پس اگر کوئی مومن چراغ ایمان کے ہوتے ہوئے اوہام و افکار کے ظلمات کا شکار ہو جائے کہ کثرتِ خون اور اس کی کیفیتِ رنگ کہ جیسے فصد کھلوانے کے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا رگ کٹوانا بعید نہیں ہے۔ ہم قوتِ الٰہی اور توفیقِ ربِ کریم

کے ذریعے اس حدیث میں موجود أسرار کو بیان کرنے کی سعی کریں گے۔ یہ أسرار خداوند کریم کے نزدیک محفوظ ہیں یا حجج طاہر کے ہاں۔ البتہ وہ علما و فضلا جنھوں نے علوم و معارف کی تحصیل میں اپنی عمریں صَرف کر دی تھیں اور مسلسل ریاضت و تحقیقات کے ذریعے ان أسرار کو جاننے اور پانے کا عندیہ دیا ہے' اُن کے ہاں یہ جائز بھی ہے اور ضروری بھی۔

صنوبری شکل کا قلبِ مبارک حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے بدن شریف کا حصّہ روحِ نطقی کا محلِ استقرار اور نفسِ نورانی ہے۔ یہ قلب چشمۂ حیات سے منور اور اضافاتِ الٰہی کا منبع ہے۔

پس خون کا مخلوط ہونا اور انجرہ (سوراخ) لطیفہ جو اس قلب سے پھوٹتا ہوتا ہے یہی مادہ حیات و زندگانی ہے۔ چوں کہ خداوند کریم اپنی مخلوقات تک اپنا فیض اور نعمتیں حجتِ کبریٰ کے ذریعے ہی تو پہنچاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا نے جتنی بھی حیات اور زندگانی خلق کی ہے اس کی نعمتیں اور فیوض و برکات خلیفۂ خدا کے ارادے اور مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ قضیہ فصد اور رگ کاٹنا بھی اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ صاحبِ ولایتِ مطلقہ کا بدن اور جسم پاک عام لوگوں کے بدن اور جسم کے مانند نہیں ہے۔ چوں کہ چاروں (خون' بلغم' صفرا' سودا) کا مخلوط ہو جانا لوگوں کے جسموں میں کھانے پینے میں کمی بیشی کی وجہ سے ہوتا ہے جب کہ ان چاروں کے بدنِ امامؑ میں مخلوط ہونے کی ایک ملکوتی طرز ہے' جو أسرار میں سے ایک بہتر ہے۔

چوں کہ ان ہستیوں کے أرواح اور أبدان' أرواحِ اخیار اور خلق ابرار کی طینت سے خلق ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ارادے اور مشیت کی مقدار کے لحاظ سے ان کے قلوب منبعِ حیات اور چشمۂ فیض ہیں۔ خون فوارے کی شکل جاری ہوتا ہے۔ بالخصوص جب دشمن سے انتقام کا اِرادہ کرتے ہیں تو البتہ خون کا دودھ کے رنگ کا ہو جانا اور رگوں کا تیسری مرتبہ فصد کھلوانا۔ تو عرض کیا ہے کہ امامِ معصومؑ کا ہر عضو منبع حیات اور فیض کا چشمہ ہوتا ہے۔ بنا بر ایں آپؑ کے مقدس بدن کا ہر عضو علوم و معارف کا معدن اور حقائق الٰہیہ کا مخزن ہے۔ ہمیشہ علم کو دودھ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک عبارت میں ذکر ہے:

ان حقیقة العلم و اللبن الحلیب حقیقه واحدة و تعدد

الصور انما بحسب انشأت و العوالم

"یہ تحقیق علم اور دودھ کی حقیقت ایک ہے۔ صرف ظاہر کے لحاظ سے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اس حساب سے کہ دونوں کا تعلق دو علیحدہ علیحدہ عالم سے ہے اور دونوں مختلف قسم کے وجود رکھتے ہیں۔"

جب یہ مطلب اور ملکوتی اَسرار بیان ہو چکے ہیں تو ہم امام حسن عسکری علیہ السلام کے فصد کھلوانے اور رگ کٹوانے کے فوائد کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

**فائدہ اوّل:**

سرکارؑ کا مقصد یہ تھا کہ بعض اُمور کے اُصول جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے' مشخص و معین ہو جائیں۔ اس سے بھی واضح عبارت یہ ہے کہ آپؑ نے اِرادہ کیا کہ خلافت کلیہ' ولایت مُطلقہ' اس کے آثار و خواص اور اس خلافت و ولایت کے معانی لوگوں کے ذریعے پہنچوائے جائیں۔ بہ ایں معنی کہ پیغمبرؐ کے جانشین' آلِ طاہرینؑ اور اوصیا سب۔ کے سب معصوم ہیں۔

**فائدہ دوّم:**

خداوند کریم کی عنایت ازلی مقدر ہو چکی ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اور برہان' دیرعاقول کے راہب کا ایمان لانا ہے۔ اس کی وجہ اور سبب محض امامؑ کا فصد کھلوانا ہے۔

**فائدہ سوّم:**

اس قسم کی آیات و بینات تاکید اور تائید کرتی ہیں کہ وہ آیات اور بینات جو سید المرسلینؐ اور آئمۂ معصومین علیہم السلام سے صادر ہوتی ہیں وہ دین اسلام کی حقیقت اور دوسرے ادیان و ملل کو طریقۂ امامت سمجھانے کے لیے اور بالکل خورشید کی مثل روشن ہوتا ہے۔ اس قسم کے موضوعات (جیسے راہب اور بختیشوع حکیم کے درمیان ہونے والی خط و کتابت اور دوسری گفتگو) اسلام کی ترویج کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے ذریعے لوگوں کو رشد و ہدایت نصیب ہوتی ہے:

لیھلك من ھلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة

"تا کہ جو شخص ہلاک ہونا چاہتا ہے ضروری ہے کہ وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا اور نجات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ بھی واضح دلیل کے ذریعے زندہ رہے یا نجات پائے۔"

**فائدۂ چہارم:**

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فصد کھلوانا یا رگ کٹوانا' پھر خون کی کیفیت' اس کا رنگ وغیرہ۔ یہ سب کچھ اس عالم میں ایک بار ہی ایسا ہوا ہے کہ اس سے قبل انبیاءؑ میں سے صرف حضرت عیسیٰؑ نے ایسا کروایا تھا۔ جب کہ یہ مذکورہ قضیہ زمانے کو بتا رہا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آلِ طاہرینؑ کی امامت اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ صرف نبی سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جب کہ سلسلۂ امامت جاری ہے۔ اس قسم کے موضوعات اور واقعات پیغمبر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیا کی امامت وولایت پر دلیل بنتے ہیں۔ یہاں راہب کی خبر دینا اور اعتراف کرنا نصرانی طائفوں اور مسیحوں کے لیے ان کی عاقبت کے سنوارنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

**فائدہ پنجم:**

دوسرا اس ذریعے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام' حضرت امام حسین علیہ السلام کا کثیر خون والے واقعہ کا بھی دفاع کر سکیں۔ وہ خون جس میں پرندے غوطے لگاتے رہے ہیں اور پھر سارے پرندے اس دنیا کے مختلف مقامات کی طرف پرواز کر گئے تا کہ ساری دنیا میں خونِ امامؑ کو پھیلایا جائے تا کہ اس خون کی برکتوں سے مساجد کی تعمیر کا سلسلہ چلتا رہے۔ جو اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ سب اس جگہ بن رہی ہیں جہاں تک حضرت امام علیہ السلام کے خون کے قطرے پہنچے ہیں۔

آہ! مظلومِ حسین علیہ السلام! مقتل گاہ میں کس قدر خون تھا؟ اب تو ہم اس خون کا ذکر کر رہے ہیں جو مقتل گاہ میں تھا (اور اس میں پرندے غوطے لگا رہے تھے) اور وہ خون جو مبارزے اور مقابلے کے دوران میں میدانِ کربلا میں مختلف مقامات پر گرا ہے (جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے

کہ روز عاشور بہتر (۷۲) گھنٹوں کو محیط تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے تیس (۳۰) گھنٹے تک جنگ لڑی ہے)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فصد کے ذریعے جو خون نکلوایا اس کا وزن تقریباً ایک سو پچاس من تبریزی ہوگا۔ چوں کہ عربوں کے ہاں بڑے سے بڑے طشت کی ظرفیت پچاس یا ساٹھ من ہوتی تھی۔ اگر امام حسن عسکری علیہ السلام کے خون کو ایک سو اسی (۱۸۰) من تبریزی فرض کیا جائے تو روز عاشورا حضرت امام حسین علیہ السلام کا جو خون بہایا گیا ہے وہ اس کے چند یں برابر تھا۔

اس سلسلے کے باقی مطالب کو بعد میں ذکر کریں گے۔

# سید الشہداء علیہ السلام کے خون کی کثرت کا فلسفہ

مقتل گاہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کی کثرت کے تین سبب ہو سکتے ہیں:

① پہلا سبب:

جب امامؑ خاک کربلا پر اُترے تو بہت ہی کم زور ہو چکے تھے۔ آپؑ نے لشکر کے نعرے اور آوازیں سنی تھیں، وہ کہہ رہے تھے: حرمِ رسولؐ پر حملہ کر دو۔ خلیفۂ خدا، سلطنتِ غیرت کے مطلق العنان بادشاہ نے اپنے زانوؤں اور سینے کے ذریعے حرکت کی اور انھیں للکارا۔ اس کا اثر آپؑ کے قلبِ منور پر بہت زیادہ ہوا۔ چوں کہ اس وقت حرمِ رسولؐ کا دفاع کرتے ہوئے جنگ نہیں لڑ سکتے تھے۔ آپؑ کے قلب میں خون کا فشار بڑھا اور اس نے جوش مارنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں خون کی ایک نہر بہنے لگی اور مقتل گاہ خون سے بھر گئی۔ وَاشَہِیدَاہُ وَا ذَبِیحَاہُ!

اے دل و جگر جل اُٹھو قبل اس کے کہ دوسرا سبب ذکر کروں۔

② دوسرا سبب:

یہ ہے کہ جب مظلومِ کربلا علیہ السلام کربلا کی ریتِ گرم پر اُترے، لشکرِ کفار نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ اس دوران میں تلواروں، نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی گئی۔ آپؑ کے بدنِ اطہر کو نیزوں سے پرو دیا گیا۔ جس کے سبب مقتل گاہ میں خون کی نہر جاری ہوئی اور ساری مقتل گاہ خون سے بھر گئی۔

سبحان اللہ! آج شبِ جمعہ اور پندرہ (۱۵) رمضان المبارک ہے۔ میں نے چند راتیں قبل عالمِ رؤیا میں دیکھا ہے کہ میں ایک ایسے مقام پر کھڑا ہوں جہاں لوگوں کا جم غفیر نیزے تانے کھڑا ہے۔ سرداروں نے صفیں درست کیں۔ سب نے اکٹھے ہو کر ایک کمرے پر حملہ کر دیا۔ وہ کمرہ زمین دوز بنا ہوا تھا، جسے فارسی میں سرداب اور انگلش میں بیسمنٹ (basement) کہتے ہیں۔

میں نے ایک شخص سے پوچھا: ان لوگوں کا مقصد کیا ہے؟ یہ اس طرح کمرے میں کیوں

داخل ہوئے ہیں؟ کیا کمرے میں کوئی ہے؟

اس نے جواب دیا: وہاں ایک غریب اور مظلوم شخص ہے وہ اسے تیزوں کے ذریعے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے پوچھا: کیا وہ شخص بھی مسلح اور آمادہ بہ جنگ ہے؟

اس نے کہا: اس کے پاس فی الحال جنگی اسلحہ نہیں ہے۔

میں نے کہا: سبحان اللہ! اے شخص! تجھے قسم دیتا ہوں بتاؤ یہ شخص کون ہے؟ جس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے نہ اس کے پاس اسلحہ ہے وہ تو قتل کر دیا جائے گا۔ تم ہی بتاؤ اس مظلوم کا انجام کیا ہوگا؟

اس نے مجھ سے استفسار کیا۔ تمھیں نہیں معلوم یہ مظلوم کون ہے؟

میں نے کہا: نہیں واللہ نہیں۔

اس نے جواب دیا۔ وہ غریب مظلومؑ نورِ چشم مصطفیٰؐ، دلِ علی علیہ السلام و بتولؑ کی دھڑکن حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔

میں شدید اضطراب کی کیفیت میں خواب سے بیدار ہوا۔ چوں کہ ان دنوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خونِ اطہر کے متعلق ہی لکھ رہا تھا۔ ان ایام میں ایسا خواب غیبی الہام اور سچا خواب ہی ہوتا ہے۔

### ۲ تیسرا سبب:

میں کس طرح ضبط تحریر میں لاؤں صرف ذبح ہونے اور مقتول ہو جانے سے اتنا خون نہیں بہایا گیا بل کہ اس کی علت کوئی اور چیز ہے۔ جب شہادت کے دوران میں شمر (لعنتی) آپؑ کے سینۂ اقدس پر سوار ہوا اور اس نے آپؑ کے محاسن اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے اور وہ اس عالم کے بسنے والوں کے سروں پر خاک ڈلوانا چاہتا تھا تو آپؑ کی بیٹیاںؑ اور تمام مستوراتؑ مخدراتِ عصمت وطہارتؑ خیام سے نکل کر مقتل گاہ کی جانب آ گئیں۔

جب آپؑ نے انھیں آتا دیکھا تو گریہ زاری اور فریاد کی۔ یہ حالت دیکھ کر آپؑ کا

قلب منور جل اُٹھا اور اس پر صدمات کا کوہِ ہمالیہ گرا۔ جس کے سبب مقتل گاہ میں آپؑ کا بہت زیادہ خون بہہ گیا اور مقتل گاہ پُر ہوگئی۔ مخلص مومنین ان مطالب کو اچھے طریقے سے سمجھیں گے اور مطالعہ کتاب کے دوران میں خوب دقت کیجیے گا اور مطالب کے ذکر کرنے والے بندۂ حقیر کو فراموش نہ کیجیے گا۔

## خون آلودہ پروں والے پرندے

تمام علمائے اہل بیتؑ نے روایت کی ہے کہ جب سید الشہداء علیہ السلام کربلا کی خاک پر گرے تو آپؑ کا لاشہ بغیر کفن دفن کے پڑا ہوا تھا۔ ایک سفید رنگ کے پرندے نے آپؑ کے خون میں اپنے پروں کو رنگین کیا اور پھر وہ پرواز کر گیا۔ اس کے بعد کثیر تعداد میں پرندے پہنچے جو درختوں کے سائے میں استراحت کر رہے تھے۔

ایک پرندے نے فریاد کی: وائے ہو تم پر! تم دنیاوی کھیل میں مصروف ہو؟ کیا دیکھ نہیں رہے کہ کتنی گرمی میں سید الشہداء علیہ السلام کا بدنِ اطہر پڑا ہے۔ کربلا کی ریت گرم اور خاک اُڑ اُڑ کر پڑ رہی ہے جب کہ مولاؑ و آقاؑ پیاسے ذبح کیے گئے ہیں۔

پرندوں نے جب یہ خبر سنی تو سب کے سب کربلا کی طرف پرواز کرنے لگے۔ جب میدانِ کربلا میں پہنچے تو سب نے دیکھا کہ خلیفۂ خداؑ کا جسم اطہر بغیر غسل و کفن زمین پر پڑا ہے۔ اس پر ہوائیں چل رہی ہیں۔ ہڈیاں تو گھوڑوں کے سموں سے چکنا چور ہو گئی ہیں۔ اس مقدس جسم کے زائرین جنگل کے حیوانات اور پرندے ہیں جب کہ گریہ کرنے والے جنات ہیں۔ جن کا مسکن صحرا اور پہاڑ ہوتے ہیں۔ اس نورانی بدن کے ذریعے فضائیں اور ہوائیں معطر ہیں۔ پرندوں نے جب یہ حالات دیکھے تو صدائے گریہ بلند کی اور سید الشہداء علیہ السلام کے خون میں غوطے لگانے لگے۔ انھی رنگین پروں کے ساتھ وہ زمین کے مختلف نقاط کی طرف پرواز کر گئے تا کہ سید الشہداء علیہ السلام کے قتل ہونے کا اعلان کر سکیں۔ ان میں سے ایک پرندہ مدینہ منورہ کی طرف پرواز کر کے آیا اور اپنے رنگین پروں کے ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر پر پہنچا۔ اس نے قبر مطہر کا طواف شروع کر دیا اور نوحہ پڑھنے لگا:

الا قتل الحسینؑ بکربلا الا ذبح الحسینؑ بکربلا

"جان لیجیے کہ حسین علیہ السلام کربلا میں قتل کر دیے گئے۔ جان لیجیے کہ حسین علیہ السلام کا گلا کاٹ دیا گیا۔"

تمام پرندوں نے جمع ہو کر گریہ زاری شروع کر دی۔ جب اہل مدینہ نے یہ حالت دیکھی کہ پرندے کے پَر و بال پر خون لگا ہے۔ وہ نہ سمجھ سکے کہ کیا حادثہ رُونما ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ تھوڑے عرصے بعد امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خبر مدینے پہنچی۔

دوسری روایت میں اس طرح منقول ہے: جس دن وہ پرندہ مدینے پہنچا' مدینے میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس کی بیٹی جذام کے مرض میں مبتلا تھی۔ اس یہودی کا مدینہ سے باہر ایک باغ تھا' وہ اپنی بیٹی کو باغ میں لے آیا کہ شاید اس کے مرض میں کمی آ جائے۔ خدا کا کرنا کہ وہی خونِ حسین علیہ السلام سے رنگین پَروں والا پرندہ ایک درخت پر آ بیٹھا۔ یہودی رات کے پہلے پہر کام کی غرض سے مدینے گیا ہوا تھا' وہ لوٹنا چاہتا تھا مگر واپس نہ آ سکا۔

جب بیٹی نے دیکھا کہ اس کا باپ نہیں آیا تو وہ پریشان ہو گئی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ چوں کہ اس کا باپ اسے بڑی پیاری کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ اس کی دل داری کرتا تھا۔ تب جا کر یہ سوتی تھی۔ وہ پرندہ رات سے سحر تک گریہ میں مشغول رہا۔ صبح اس کی آواز اس لڑکی نے بھی سنی۔ اس پرندے کی گریہ زاری کی برکتوں سے یہ آواز اسے سننا نصیب ہوئی۔ وہ لڑکی اپنے سینے اور شکم کے زور پر چلتی ہوئی اس درخت کے نیچے آئی جس پر پرندہ بیٹھا تھا' جوں ہی پرندہ روتا اس بچی کا دل مغموم و محزون ہو جاتا اس دوران میں اس پرندے کے پَروں سے خون کا ایک قطرہ اس بچی کی آنکھ پر پڑا۔ اس نے دیکھنا شروع کر دیا۔

اسی طرح دوسری آنکھ پر بھی ایک قطرہ گرا۔ ایک قطرہ اس کے پاؤں پر اور دوسرا ہاتھوں پر گرا جس کے بعد وہ لڑکی مکمل طور پر صحت مند ہو گئی۔ صبح اس لڑکی نے خون کا ایک قطرہ اپنے جسم پر مل لیا۔ اسے سید الشہداء علیہ السلام کے خون کی برکت سے صحت یابی نصیب ہوئی۔

جب صبح اس کا باپ آیا تو اس نے دیکھا کہ بیٹی تو کھیلنے میں مصروف ہے اور وہ اسے

پہچان نہ سکا اور کہنے لگا: میں تو اس باغ میں اپنی بیمار بیٹی چھوڑ کر گیا تھا' جو حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اسے ڈھونڈنے کی پوری کوشش کی' مگر میں اسے ڈھونڈ نہ سکا۔

بیٹی نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں وہی تو ہوں۔ جب اس یہودی نے بیٹی کی حالت کا مشاہدہ کیا تو سارا قصہ سن کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے لڑکی کو لیا اور بچی کو لے کر اس درخت کے نیچے آیا جس کی ٹہنی پر پرندہ بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اب بھی وہ پرندہ محوِ گریہ ہے۔

یہودی نے اس پرندے کو مخاطب کر کے عرض کیا: اے پرندے! میں تجھے حق تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں مجھ سے کلام کرو اور اپنے حالات بیان کرو۔ یہ عجیب و غریب حالات کیوں ہیں؟ تم اس طرح گریہ کیوں کر رہے ہو؟

قوتِ الٰہی سے پرندے کے اندر طاقتِ گویائی آئی اور اس نے جواب دیا: اے یہودی! میں بہت سارے پرندوں کے ہم راہ گرمی کی شدت کے سبب درختوں کے سائے میں آرام کر رہا تھا۔ اچانک دیکھا کہ ایک پرندے نے آواز دی: اے پرندو! تم کھا پی رہے ہو اور ناز و نعمت میں ہو جب کہ سید الشہداء علیہ السلام اس گرمی میں تشنہ لب زمین کربلا پر خون اور ریت میں غلطاں پڑے ہوئے ہیں اور قتل کر دیے گئے ہیں۔ آپؑ کے حلق اور جسم سے خون جاری تھا۔ آپؑ کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر بلند تھا۔ ان کی مستورات کو قیدی بنا کر کوفہ کی طرف لے گئے ہیں۔

جب ہم نے پرندے کی گفتگو سنی تو کربلا کی طرف پرواز کرنے لگے۔ ہم نے کربلا پہنچ کر دیکھا کہ خلیفۂ خدا' حجتِ کبریا خاک اور ریت پر خون میں غلطاں پڑے ہیں اور خون نہر کی صورت میں پیکرِ مطہر سے جاری تھا۔ ان کا کفن کربلا کی ریت گرم تھی چوں کہ ہوا اس ریت کو بدن شریف پر لگا رہی تھی۔ ہم سب جا کر پیکرِ مطہر پر گر پڑے۔ ہم نے پیکرِ مطہر کے بوسے لیے۔ نوحہ و زاری کی اور اس مقدس خون میں غوطے لگانے لگے۔ اس کے بعد سارے پرندے اُڑ کر دنیا کے مختلف حصوں کی طرف پرواز کر گئے اور میں یہاں پہنچا ہوں۔

اس یہودی نے جب پرندے کی گفتگو سنی تو بڑا تعجب کیا۔ اس طرح اسے اپنے ربّ کی

رحمت واسعہ کا ادراک نصیب ہوا کہ سید الشہداء علیہ السلام کا رب کریم کے نزدیک خصوصی مقام اور منزلت ہے (وہ حجت خدا اور خلیفۂ خدا ہیں) ان کے پاک خون سے دردوں اور مریضوں کو شفا ملتی ہے۔ ورنہ اس پرندے کے ساتھ یہ عجیب وغریب حالات پیش نہ آتے۔

اس یہودی اور اس کی بیٹی نے اپنی قوم کو یہ واقعہ سنایا۔ جسے سن کر ان کی قوم اور برادری کے پانچ سو یہودی مسلمان ہو گئے۔

## کوے کی داستان

بعض علمائے کرام نے' جن میں صاحب کتاب مناقب نے حضرت امام سجاد علیہ السلام سے ایک مستند حدیث نقل کی ہے:

جب سید الشہداء علیہ السلام کا لاشہ کربلا کی ریت گرم پر بغیر سر کے پڑا تھا اور خون کا دریا بہہ رہا تھا تو ایک کوے نے اپنے آپ کو امام مظلوم علیہ السلام کے مقدس خون میں ڈالا اور پھر پرواز کر گیا' حتیٰ کہ وہ مدینہ منورہ پہنچا۔

وہ حضرت فاطمہؑ بنت امام حسین علیہ السلام جو کہ ان دنوں شدید بیمار تھیں' کے گھر کی دیوار پر آ بیٹھا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور اپنا سر بلند کر کے کوے کو اس حالت میں دیکھا تو گریہ شروع کر دیا۔ لحظہ بہ لحظہ اس کا گریہ بڑھتا چلا گیا۔ پھر اس مخدومہؑ نے چند اشعار بھی کہے:

نعب الغراب فقلت من تنعی ویلك یا غراب
قال الامام فقلت من قال الموفق للصواب
ان الحسین بکربلا بین الاسنة و الضراب
فابکی الحسین نرجوا الا له مع الثواب
قلت الحسین فقال لی حقًا لقد سکن التراب
ثم استقل الجناح فلم یطق به الجواب
فبکبت مماحل بی بعد الدعاء المستجاب

ان اشعار کا مضمون یہ ہے:

"کوے نے آواز دی۔ میں نے پوچھا: اے کوے کس کے مرنے کی خبر لائے ہو؟

کہنے لگا: شہادت حسین علیہ السلام کی۔

میں نے پوچھا: تمھارا مقصد کیا ہے؟

کہنے لگا: وہ صدق وثواب کے پیکر تھے یعنی ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام یہ سچ ہے کہ انھیں کربلا میں نیزوں اور تلواروں سے ذبح کر دیا گیا۔

میں نے پوچھا: اے کوے! کیا میرے بابا کو قتل کر دیا گیا ہے؟

کہنے لگا: خدا کی قسم! وہ قتل کر دیے گئے۔ ان کے مزار کی خاک کربلا میں ہے۔"

بی بی فاطمہؑ فرماتی ہیں: اس کے بعد کوا پرواز کر گیا۔ اس کے بعد وہ سوال و جواب پر قادر نہ تھا۔ ان مصائب کی بنا پر جو مجھ پر آئے میں نے گریہ شروع کر دیا۔

مختصر یہ کہ بی بی فاطمہؑ نے کوے والی داستان حضرت محمد حنفیہ علیہ السلام کو سنائی اور حضرت محمد حنفیہ علیہ السلام نے اہل مدینہ کو سارا واقعہ سنایا۔ منافقین مدینہ نے کہا: فاطمہؑ نے ہمارے لیے فرزندانِ عبدالمطلب علیہ السلام کی بابت سحر و جادو سنایا ہے۔ چند دن ہی گزرے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر مدینے پہنچ گئی۔

## مقدس خون کے روحانی اثرات

نورانی دلوں والے اور دولتِ ایمان سے مالا مال شیعیانِ حیدر کرارؑ پر مخفی و پنہاں نہیں ہے۔ جس طرح ہر صاحبِ علم وعقل اور فہم وفراست ان اخبار و روایات میں جو پرندوں کے متعلق نقل کی گئی ہے اگر تامل و تفکر سے کام لے تو وہ مقامات و درجات کی بلندی اور ملکوتی درجات کے آثار اور اس مقدس خون کے معنوی ثمرات کو بہ خوبی پا لے گا۔ سبحان اللہ! اس مقدس خون کی کیا شان وشوکت ہے۔

بعض مقرب ملائکہؑ حتیٰ کہ حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ بھی اسمائے الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ یہ خون بھی تو آثار وخواص کے مجموعے کا مظہر ہے۔ یعنی اس خون کے ذریعے پرندوں کے اندر علمؑ

عقل، شعور اور نورانی حیات کی شمع روشن ہوئی۔ جو ایک عارف و عاقل کے اندر روشن ہوتی ہے۔ اس خون کے کرشموں اور کرامات میں مردوں کو زندہ کرنا، کفر ضلالت میں ڈوبے افراد کو نور ایمان اور یقین کی دولت عطا کرنا، بیماروں کو شفا دینا، زندگی سے مایوس افراد کے اندر زندگی کی اُمید نو پیدا کرنا شامل ہے۔

جی! اُصولِ عقلی و ملکوتی اور ایمان و یقین کی عِلّتِ لازمہ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ بعض ولایتِ مطلقہ اور خلافت کی طبیعت اسمائے الٰہی کی مظہر ہوتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا خون بھی اسمائے الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔ لیکن کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جن پرندوں نے خونِ حسین علیہ السلام میں غوطہ لگایا اور پھر پرواز کر گئے اور وہ شبانہ روز پرواز کرتے رہے (چاہے پرواز کر رہے ہوں یا ٹھہرے ہوئے ہوں) اور ان کے پَر و بال سے کیا مسلسل خون جاری رہ سکتا ہے اور بارش کی طرح برس سکتا ہے؟

ہم نے جو ابھی اُوپر اصل نقل کی، اس کے ذریعے ایک دوسرے مطلب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وہ پرندے جنھوں نے خونِ حسین علیہ السلام میں غوطہ لگایا ان کی کثیر تعداد تھی اور وہ پرندے ساری دنیا کو ہر کونے میں پہنچے اور ہر جگہ اس خون کے قطرے ٹپکے، جہاں مساجد کی تعمیر ہوئی (اور قیامت تک) جاری رہے گی۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی (وہ دو سو، تین سو یا پانچ سو) کے لگ بھگ ہوں گے۔ ہم نے گزشتہ بحث میں جو اصل (قانون) پیش کیا، بابِ مساجد میں کام آسان ہو سکتا ہے۔

سیدالشہداء علیہ السلام کے مقدس خون کے معنوی و روحانی اثرات و ثمرات کے سبب ان پرندوں کے پَر و بال میں گویا چشمۂ حیات جاری ہو گیا۔ بہ الفاظ دیگر جوں ہی پرندوں نے مقدس خون میں غوطہ لگایا تو وہ عقل و عرفان کے کامل ترین درجات تک پہنچ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ جس قدر بھی ارادہ کرتے ہیں ان کے پَر و بال سے خون کی گویا تلاش سی شروع ہو جاتی ہے۔ چوں کہ وہ مادۂ حیات کی بارش سے فیض یاب ہو چکے تھے۔

ان ظریف اور دقیق نکات پر توجہ دینے سے ایک نیا نکتہ آشکار ہو جاتا ہے اگر مقتل گاہ

میں خون کی مقدار کم ذکر کی جائے تو پھر بھی ہمارا مطلب ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم اسی قانون کے تحت دنیا بھر میں تعمیر شدہ یا تعمیر ہونے والی مساجد کی بات ثابت کر سکتے ہیں۔

ہم نے اب تک جتنی بھی بحث کی ہے وہ سید الشہداء علیہ السلام کے اس مقدس خون کی بابت تھی جو مقتل میں بہایا گیا۔ جب کہ وہ روایات جو ثابت کرتی ہیں کہ کربلا سے کوفہ تک سر اقدس سے خون کی بارش جاری رہی یا پھر کوفہ سے شام تک خون بہنے کا جو سلسلہ جاری رہا یا اس کے علاوہ متعدد مقامات جیسے خولی کا تنور وغیرہ ذکر کیے گئے ہیں؛ کے متعلق ہم مناسب موقع پر بحث پیش کریں گے۔

دوسرا مرحلہ: اس مطلب کا ادراک ہے۔ اب تک شہادتِ امامؑ کو تقریباً ۱۲۰۰[1] سال گزر چکے ہیں۔ اگر (استجیر باللہ و معاذ اللہ) آپؑ کی مرقد مطہر کو کھولا جائے تو دنیا دیکھے گی کہ اس خلیفۂ خداؑ کے جسم اقدس پر لگنے والے تمام زخم تازہ ہیں اور ان سے ابھی تک خون جاری ہے؛ بل کہ جاری رہے گا۔

جیسا کہ متوکل ملعون کے دورِ حکومت میں اس کے ایک عامل نے قبر کشائی کی جرأت کی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ سید الشہداء علیہ السلام کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ شخص بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب ہوش میں آیا تو فوراً قبر بند کر کے توبہ و استغفار میں مشغول ہو گیا۔

مخفی نہ رہے کہ اس فضیلت میں دوسرے شہدائے کربلا بھی سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ وہ بھی اس عظیم الشان ہستی سے توسل اور معنوی اتصالِ قرب کے سبب ان مقامات پر فائز ہیں۔ اگر ان کی قبور کو کھولا جائے تو ان کے سینے، حلقوم اور جسم کے دوسرے اعضا سے خون بہتا ہوا نظر آئے گا۔ اس سلسلے میں شہدائے بنی ہاشمؑ اور شہدائے اصحاب رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

**صلواۃ اللّٰہ و سلام علی سیدنا و سیدھم و علیھم اجمعین**

---

(۱) گویا کتاب ہذا ۱۲۳۱ سال قبل تصنیف کی گئی۔

## دو قصے:

اگرچہ یہ ذکر کسی دلیل، شاہد اور بینہ کا محتاج نہیں ہے۔ جہاں تک اس ذکر کو محکم وملکوتی اُصول سے ثابت کرنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں منقول و سند اوّل روایات بہ کثرت موجود ہیں۔ ہم ان کی زیادہ سے زیادہ توضیح اور تفسیر کریں گے:

(۱) ایک دن بادشاہ "خدا بندہ" حضرت حُر ریاحیؓ کی قبر پر پہنچا۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ حضرت حُر ریاحیؓ کی قوم نے ان کا سر نہیں کاٹنے دیا تھا اور وہ ان کا لاشہ بھی گنج شہدا سے اُٹھا کر لے گئے تھے اور جہاں ان کی مرقد مطہر ہے، وہاں تک لائے تھے۔ اسی طرح اس نے سن رکھا تھا کہ سید الشہداء علیہ السلام نے اپنا رومال حضرت حُر ریاحیؓ کے زخم پر باندھا تھا۔ بادشاہ بندہ خدا نے اس رومال کے لالچ میں آ کر کہ (اسے اپنے لیے توشۂ آخرت بنائے گا) حکم دیا کہ حضرت حُر ریاحیؓ کی قبر کو کھولا جائے۔ جب نبشِ قبر ہو چکی تو اس نے دیکھا کہ حضرت حُر ریاحیؓ کا جسد پاک بالکل اسی طرح رکھا ہوا ہے جیسے دفن کیے گئے تھے اور سید الشہداء علیہ السلام کا رومال اب تک حضرت حُر ریاحیؓ کے سر پر بندھا ہوا ہے۔ وہ جوں ہی ہاتھ بڑھا کر رومال کھولنا چاہتا اس سے خون جاری ہو جاتا ہے جیسے اس کے پیچھے کوئی چشمہ موجود ہو وہ اس رومال کے علاوہ جس چیز سے بھی خون کو روکنے کی کوشش کرتے، خون نہ رُکتا۔

بالآخر "بادشاہ خدا بندہ" سمجھ گیا اس نے توبہ کی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا رومال باندھ دیا، خون فوراً بند ہو گیا۔

ترکی زبان کے شاعر نے اپنی زبان میں ایک نظم بھی لکھی ہے، جس کا ایک شعر ہے:

شاہ خطایی چقدی سیرہ
احدی حرین قبرنی

(۲) دوسری داستان یہ ہے کہ اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے، جو نادر بادشاہ کا ہے۔ اگرچہ یہ داستان بھی، "سلطان شاہ خدا بندہ" کی داستان کے مانند شہرت حاصل نہ کر سکی ہے۔

نادر بادشاہ نے جرأت وجسارت یا اشتباہ کے سبب حضرت حبیب ابن مظاہر رضی اللہ عنہ کی قبر نبش کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ دیکھ سکے کہ ان کے جسم پاک سے تروتازگی معدوم ہوگئی ہے یا ہنوز موجود ہے؟

جب خاک ہٹائی گئی اور آپؑ کا جسم نمایاں ہوا تو عالم میں تلاطم برپا ہوگیا۔ ہوا کے جھکڑ چلنے لگے بجلیاں کڑکنے لگیں۔ نزدیک تھا کہ ہر چیز تہس نہس ہو جاتی کہ وہ سر بریدہ اُٹھ کر بیٹھ گئے جب کہ ہنوز اس کے حلق سے خون پانی کے مانند بہہ رہا تھا۔

ایک آواز سنائی دی:

هل قامت الساعة

''کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟''

ایک شخص جو نادر شاہ کے نزدیک کھڑا تھا اُس نے فوراً جواب دیا:

ما قامت الساعة

''قرب قیامت دور ہے۔''

تو وہ پیکر منور اپنی جگہ پر دوبارہ لیٹ گیا۔

ان مشاہدات میں جو ہولناکیاں اور خوف و ہراس طاری ہوا اس سے دیکھنے والے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو وہ گریہ زاری اور توبہ کرنے لگے۔

……✷……

# فصل دہم

# قاتلوں سے پیغمبر اکرم ﷺ کا انتقام

# اور

# عزاداروں پر سیدہ صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی عنایت

# کثرتِ خون پر دوسرے دلائل

میں جب اس مقام سے اپنا بیان شروع کرنے کا اِرادہ کرتا ہوں تو خیالات و افکار کی کثرت مجھ پر حملہ کر دیتی ہے کہ مت لکھو جو کچھ اس مقدس خون کی بابت تحریر ہو چکا ہے' اسی پر اکتفا کرو۔ چوں کہ جاہل طبقہ جس کے افکار و خیالات میں شیطانی وسوسے بہ کثرت ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ شاید میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہوں اور اغراق کر رہا ہوں (استجیر باللّٰہ و معاذ اللّٰہ)۔

آج ۱۹ ماہِ مبارک رمضان ہے' اس کی قسم جو شبِ قدر ہے۔ میں نے قرآنِ مجید سے استخارہ لیا ہے تو یہ آیت نکلی ہے:

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (سورہ سجدہ آیات ۱ تا ۳)

"اس میں کچھ شک نہیں کہ کتاب (قرآن) کا نازل کرنا سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ (یہ) کہتے ہیں کہ اس کو اس شخص (رسولؐ) نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ نہیں! یہ بالکل تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تاکہ تم ان لوگوں کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تاکہ یہ لوگ راہ پر آئیں۔"

مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے حکم دیا جا رہا ہے اس باب کو مکمل کرو۔ عوام اور جہلا کے مجادلے اور لایعنی باتوں کی بالکل بھی پروا نہ کرو۔ میں خداوند کے قرب کی خاطر جو کچھ محکم اور ملکوتی استنباط ہوتا ہے اور کتابِ خدا اور احادیثِ معصومینؑ سے جو کچھ ماخوذ ہے وہی پیش کرتا ہوں۔

آپؑ کے مقدس خون کے خواص اور آثار اس حد تک ہیں کہ تھوڑی سی تشریح کے ساتھ تمام جن وانس انھیں ضبطِ تحریر میں لانے سے قاصر ہیں۔ آپؑ کے مقدس خون کے کم سے کم اثرات اور خواص میں بیماروں کی شفا' مصائب و دکھوں کا مداوا' ناامید لوگوں میں زندگی کی شمع اُمید کا روشن کرنا (انھیں حسی' معنوی اور عقلی موت) سے نجات دلانا شامل ہیں۔

آپ ان خواص کی بابت کہہ سکتے ہیں کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے جسم اطہر کے اعضا و جوارح خداوندِ متعال کے نزدیک ہر قسم کے جسم اور اعضا و جوارح (جیسے عرش' کرسی' جنت) سے اشرف اور محبوب ترین ہیں۔ آپ بطور نتیجہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خواص و آثار جو اس ملکوتی خون کے اندر رکھے گئے ہیں' جیسے بیماروں کو شفا' اہلِ درد کو دوا' ناامید لوگوں کو زندگی و حیات عطا کرنا' ہدایت و نجات عطا کرنا وغیرہ سب کچھ اِذنِ خدا سے ہو رہا ہے۔

بعض گزشتہ مقامات پر ہم نے سامرہ والے واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اگر اس سے بھی زیادہ چاہ رہے ہو تو کہہ دو: سیدالشہداء علیہ السلام کا ہر عضو اور ان کے خون کا ہر قطرہ' مبلغ الخیرات والحیات والانوار ہے۔ نہ کہ صرف چند جہات سے جن کا تذکرہ ہم نے کیا ہے بل کہ تمام وجوہات کے لحاظ سے جو حد و حصر کی سرحدوں سے متجاوز اور ناقابل شمار ہیں۔

مثال کے طور پر چشمۂ آبِ حیات جو عرفِ عام میں بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس کی صرف ایک خاصیت ہے' جب کہ خونِ سیدالشہداء علیہ السلام کے اجزا و ذرات میں ہزاروں کی تعداد میں خواص و آثار پنہاں ہیں۔ جس کی کم سے کم خاصیت "عیون الحیواۃ" (چشمۂ زندگی) ہے۔

اگر اس سے زیادہ سننا چاہتے ہو تو سنو: جو کچھ اصحاب و صاحبانِ نفوسِ عظیمہ اور اَرواحِ کبیرہ' حضرت جبرئیل علیہ السلام' اسرافیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے ظاہر ہو کر مسندِ شہود پر آتا ہے' وہ بھی تو سیدالشہداء علیہ السلام کے مقدس خون کا ایک اثر ہے۔

حاشا و کلا ثم کلا

اگر تم سوچ رہے ہو کہ میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہوں تو اے صاحبانِ عقل و فہم!

خداوند متعال ارشاد فرما رہا ہے:

**انا دیته**

"میں سید الشہداء علیہ السلام کا خون بہا ہوں۔"

جب کہ ذاتِ خدا تو اس سے کہیں اعلیٰ و اشرف ہے۔ چوں کہ عیب و نقص کو تو صفاتِ خدا میں راستا ہی نہیں ملتا۔

**الله عن ذلك علوًا كبيرًا**

وہ معانی جو سید الشہداء علیہ السلام کی عظمت کو بیان کرتے ہیں ان کی حیثیت صرف استعارے اور کنائے سے بڑھ کر نہیں ہے کہ خداوند کریم نے یوں اپنا ارادہ ملکوتی فرمایا تھا۔

گزشتہ مطالب سے سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے مقدس خون کی عظمت و بزرگی ثابت ہوتی ہے (مگر تدبر و تفکر شرط ہے)۔

آپؑ سے منقول دعائے عرفہ کے چند جملوں میں اس جانب اشارہ ملتا ہے:

**وانا اشهد يا الهی بحقيقة ايمانی و عقد عزمات يقينی و خالص صريح توحيدی و باطن مكنون ضميری و علايق مجاری نور بصری و اسارير صفحه جبينی و خرق مسارب نفسی...... دمی و شعری و بشری و عصبی و قصبی و عظامی و مخی و عروقی و جميع جوارحی وما انتسج علی ذلك ايام رضاعی وما اقلت الأرض ونومی و يقظتی و سكونی و حركات ركوعی و سجودی**

"اے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں اپنے ایمان کی حقیقت کی اور یقینی و متعین تصمیمات کی، اپنے خالص عقیدۂ توحید کی اور اپنے نہ دکھائی دینے والے باطن کی۔ میں نے اس کے نور سے پیوستگی کا مشاہدہ کیا ہے اور اپنی

پیشانی کے صفحات کے خطوط ملاحظہ کیے ہیں اور اپنے تنفس کی رختہ اندازی کا بھی...... میرا خون' بال' پوست' مغز' اعصاب' ہڈیاں' دماغ' رگیں اور میرے بدن کے تمام اعضا اور جو کچھ دودھ پیتے وقت مجھ پر بیتی اور جو کچھ اب تک گزر رہی ہے میں سب کا شاہد ہوں۔ سوتے ہوئے بھی اور جاگتے ہوئے بھی' سکون وحرکت کے دوران میں بھی اور رکوع وسجود کی حالت میں بھی۔"

جب ان فقروں میں تفکر اور تدبر کیا جائے تو ایک نیا مطلب حاصل ہوتا ہے کہ محمدؐ وآلؑ محمدؐ نے ذاتِ پروردگار کی دعوت پر لبیک کہنے میں تمام موجودات عالم پر سبقت حاصل کی تھی۔ یہ سبقت وبرتری بصورتِ مطلق تمام موجودات پر روح' نفس' جسم' اعضا' جوارح' خون (باطنی ہو یا ظاہری وغیرہ) سب پر تھی۔

اس توجیہ کے بعد اگر کوئی صاحب تامل وتدبر شخص غور وفکر سے کام لے تو وہ بہ خوبی سمجھ جائے گا کہ میں جو خونِ سید الشہداء علیہ السلام کے متعلق بحث کر رہا ہوں' یہ مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ یہ اس بحث کی اساسِ محکم نیز آسمانی اُصول اور قواعد ہیں۔ اس زاویہ نگاہ سے آپؑ کو بعض اَسرار بھی سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ جیسے شہادت کے متعلق گفتگو کرنا' سر مقدس کا نوکِ نیزہ پر قرآن کی تلاوت کرنا' بغیر سر کے بدن کا بولنا' پرندوں کے بال وپر سے خون کا برسنا' خون کا مقتل میں تروتازہ صورت میں باقی رہنا' ان سے یقیناً اَسرار آشکارا ہوں گے۔ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ اس خون ملکوتی کی بنیاد طینتِ ملکوتی کی حقیقت اور جوہر ہے جو اپنی ملکوتی اصل پر باقی رہی ہیں۔ انھوں نے تبھی تو اپنی تروتازگی اور طراوت کو محفوظ رکھا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کے خونِ اَنور ومطہر کے خواص' آثار' صفات اور بے شمار بلند مقامات ہیں' ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے۔

سبحان اللہ! ملکِ مقرب کا طریقہ یہ ہے کہ خونِ مقدس کو آسمانی شیشی میں جمع کیا گیا ہے اور یہ شیشی آسمانی خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یہ بھی ایک شان ہے جس کے ذریعے کربلا

کی جنگ کو گلستان بنا دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ بھی شان کا ایک انداز ہے کہ پرندے خونِ مطہر میں غوطہ زن ہوئے ہیں اور ان کے پر و بال کے خون کے قطروں پر مساجد تعمیر ہوتی رہیں۔ اس شان کا ایک انداز وہ طشت یا ظرف ہے جو حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے سامنے رکھا گیا ہے اور دوسرا طشت پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے دھرا رہتا ہے۔

ایک دوسری شان یہ ہے کہ یہ دشمنوں اور منافقوں کے مال اور حالات پر اثر انداز ہوتا ہے اور مخلص حب داروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے رکھے گئے خون سے بھرے طشت والا قصہ بیان کیا جائے۔

.......*.......

# پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے خون کا طشت

بعض علمائے اعلام نے ابن ریاح کی روایت ذکر کی ہے۔ کہتے ہیں: میں نے روز عاشور ایک اندھے شخص کو کربلا میں دیکھا اور اس سے اندھے پن کی علت اور سبب پوچھا؟

وہ کہنے لگا: میں کربلا میں نو (۹) افراد پر رئیس مقرر تھا' نہ میں نے نیزہ مارا' نہ ہی تیر پھینکا' نہ تلوار چلائی۔ میں جب اپنے گھر پلٹا' نماز مغرب وعشا ادا کر کے سو گیا۔ خواب میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھے کہا کہ تجھے پیغمبر اکرم ﷺ نے طلب فرمایا ہے؟ میں نے کہا: رسول پاک ﷺ کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ اس شخص نے میرا گریبان پکڑا اور کھینچ کر خدمت پیغمبر اکرم ﷺ میں لے آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ ایک صحرا میں تشریف فرما ہیں۔ آستینیں چڑھا رکھی ہیں اور ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ رکھا ہے۔ آپؐ کے ساتھ ایک فرشتہ بھی کھڑا ہے' جس کے ہاتھ میں آتشیں تلوار ہے۔ اس فرشتے نے میرے ماتحت ان افراد کو ایک ایک ضرب لگائی اور سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔

میں نزدیک ہوا اور آپؐ کے قدموں کے پاس بیٹھ کر عرض کیا:

السلام علیکم یا رسول اللہ

آپؐ نے جواب نہیں دیا اور اپنا سر بلند کر کے فرمایا: اے دشمن خدا! تم نے میری حرمت پامال کی اور میری عترت کو قتل کر ڈالا اور میرے حق کو پامال کیا۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں کربلا میں موجود ضرور تھا مگر میں نے تلوار' نیزہ' تیر کوئی بھی تو نہیں چلایا۔

آپؐ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ مگر تم لشکر کفار کی کثرت کا سبب بنے ہو۔

پھر فرمایا: میرے نزدیک آؤ۔ میں نے جب نزدیک جا کر دیکھا تو خون سے بھرا ہوا ایک طشت پڑا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: یہ میرے فرزند حسین علیہ السلام کا خون ہے۔

اس خون میں سے تھوڑا سا میری آنکھوں پر لگایا۔ میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ تب سے اب تک میری آنکھیں اندھی اور نابینا ہو گئی ہیں۔

بعض علما نے ابن حصین کی روایت یوں بیان کی ہے۔ ابن حصین کہتا ہے: میں نے ایک اندھے شخص کو دیکھا اور اس کے اندھے پن کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا: میں کوفے کا رہنے والا ہوں۔ میں نے ایک شب پیغمبر اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ان کے سامنے ایک بہت بڑا طشت پڑا ہے جو خون سے بھرا ہوا ہے۔

تمام اہل کوفہ کو پکڑ پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لایا جا رہا تھا۔ آپؐ سب کی آنکھوں پر اس خونِ سید الشہداءؑ میں سے تھوڑا تھوڑا لگا رہے تھے۔ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تیر مارا ہے نہ تلوار اور نیزہ' اور نہ لشکر کے سپاہیوں میں سے تھا۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہہ رہے ہو مگر کیا تم اہل کوفہ میں سے نہیں ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! اہل کوفہ ہی سے ہوں۔

فرمایا: پھر میرے فرزند کی مدد کو کیوں نہیں نکلے؟ کیوں اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا؟ تم دوست رکھتے تھے کہ میرا نورِ نظر قتل کیا جائے' لہٰذا اس لحاظ سے تم بھی ابن زیاد کے لشکر کا حصہ ہی ہو۔

پھر آپؐ نے اپنی انگشتِ مبارک سے میری طرف اشارہ فرمایا۔ میں جب بیدار ہوا تو اندھا ہو چکا تھا۔ خدا کی قسم! اگر سرخ بالوں والے تمام اُونٹ میری ملکیت میں دے دیے جائیں تو مجھے ذرا بھی خوشی نہیں ہو گی۔ میری آرزو اور خواہش ہے کہ میں سید الشہداء علیہ السلام کے دوستوں میں شمار ہوتا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوتا۔

## لوہار کی داستان

تمام علمائے کرام نے کوفے کے ایک لوہار کی داستان اس طرح نقل کی ہے کہ وہ شخص خود بیان کرتا ہے: جب ابن زیاد کا لشکر کوفے سے نکلا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے میں نے اپنا ساز و سامان اور آلات اُٹھائے اور لشکر کے ہم راہ کوفے سے باہر نکل آیا۔ میں وہاں آ گیا جہاں لشکر نے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ میں بھی وہاں رہنے لگا اور

سارا دن لشکر کے کام مثلاً میخیں لگانا' خیام کی زنجیریں ٹھیک کرنا' خراب شدہ خنجروں' تلواروں' نیزوں اور تیروں کو ٹھیک کرتا تھا۔ اس طرح میں نے کافی دولت کمالی۔ لوگوں کے درمیان کافی شہرت بھی پائی۔ جب سید الشہداء علیہ السلام اپنے خاندان کے ہم راہ کربلا پہنچے تو ہم اقامت گاہ سے نکلے اور کربلا پہنچ گئے اور نہر علقمہ کے کنارے خیمہ لگا لیا۔ روزِ عاشور آتش جنگ بھڑک اٹھی۔ لشکر نے فرات کا پانی سید الشہداء علیہ السلام پر بند کر دیا۔ آپؑ اور آپؑ کا خاندان تشنہ لب تھا۔ ہمارا سفر اُنیس (۱۹) دنوں پر محیط تھا۔ جب میں اس سفر سے واپس لوٹا تو میں کافی امیر ہو چکا تھا۔

اہل بیتؑ کے اسیر' خاندانِ علی علیہ السلام و بتولؑ بھی ہمارے ساتھ ہی داخل کوفہ ہوا تھا۔ چند دنوں کے بعد ابن زیاد (لعین) نے حکم دیا: انھیں یزید ملعون کے پاس شام روانہ کر دو۔ میں چند دن گھر ہی میں رہا۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے' سب حیران و مضطرب ہیں۔ لوگ راستا بھولے ہوئے لوگوں کی طرح اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے ان کی زبانیں لٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے سب سے زیادہ پیاس لگی ہوئی ہے اور شدتِ پیاس کے سبب میرے کانوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گرمی اور حرارت نے میرے دماغ کو جلا کر رکھ دیا تھا اور قدموں میں چلنے کی سکت ختم ہو چکی تھی۔

پیاس کا یہ عالم تھا میں چاہتا تھا کہ اپنے بدن کا گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس میں موجود سارا خون پانی کی جگہ پی ڈالوں۔ اس عظیم مصیبت کی گھڑی میں میری نظر ایک نورانی چہرے پر پڑی جو گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے محاسن سفید رنگ کے تھے۔ انبیاءؑ' اوصیاءؑ' صدیقین' صالحین میں سے ہزاروں افراد آپؑ کے گرد احاطہ کیے ہوئے تھا۔ وہ بادِ صبا کی طرح ہمارے موقف (اقامت گاہ) کے پاس سے گزر گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آ رہا ہے۔ اس کا حُسن چاند کے حُسن کو شرما رہا ہے اور ہزاروں افراد اس کے تحت فرمان ہیں۔

وہ شخصیت موقف میں ٹھہر گئی' تمام لوگ ان کی ہیبت سے خوف زدہ ہو کر اِضطراب و تزلزل کا شکار ہو گئے۔ میں نے بھی جب اس شخصیت کو دیکھا تو خوف کے مارے سہم گیا اور

حاضرین سے پوچھا: یہ کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟

اچانک وہ شخصیت رکابوں پر زور ڈال کر کھڑی ہو گئی اور حکم دیا: اسے پکڑ لو۔ ایک شخص آگے بڑھا اور مجھے بازو سے پکڑ کر آتشیں نیزے کی زد پر رکھ لیا اور مجھے سوار کی طرف لے گیا۔ میں نے گمان کیا کہ شاید میرا کاندھا کٹ کر رہ گیا ہے۔ میں نے منتیں کرنا شروع کر دیں۔ مگر وہ مجھے زبردست طریقے سے گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔

میں نے پوچھا: تجھے اس کی قسم جس نے تجھے مجھ پر مسلط کیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا: میں خدائے جبار کا فرشتہ ہوں۔

میں نے پوچھا: یہ ہستی کون ہیں؟

جواب ملا: حیدر کرار علیہ السلام۔

میں نے پوچھا: پہلے کون تھا؟

جواب ملا: محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

میں نے کہا: اور جن لوگوں نے انھیں گھیر رکھا تھا' وہ کون تھے؟

جواب ملا: انبیاءؑ' اوصیاءؑ' شہدا' صلحا و مومنین تھے۔

میں نے کہا: میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا' پھر حیدر کرار علیہ السلام نے تجھے کیوں حکم دیا ہے مجھ پر عذاب کرنے کا؟

اس فرشتے نے جواب دیا: تمام اُمور اور کاموں کے سربراہ وہی ہیں۔ تمھارا حال بھی تو اس جماعت والا ہے۔ میں نے نظر دوڑائی تو مجھے ابن سعد (لعنتی) نظر آیا۔ جو اپنی بہت بڑی جماعت کے ہم راہ وہاں موجود تھا۔ میں سب کو نہیں پہچانتا تھا۔ ابن سعد (لعنتی) آہنی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور کانوں سے آگ نکل رہی تھی۔ ان کے درمیان بھی ایک گروہ تھا' جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور وہ آتشیں نیزوں کے سائے میں حرکت کر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ اب ہلاکت نزدیک ہے۔

میں نے دیکھا کہ ایک فرد فرشتے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ رہے تھے وہ تخت نشین تھے

جس کے نور سے سارا موقف جسمہ نور بنا ہوا تھا۔ دو سفید محاسن اور نورانی چہروں والے بزرگ آپؑ کی دائیں طرف تشریف فرما تھے۔

میں نے فرشتے سے پوچھا: یہ بزرگ کون ہیں؟

اس نے جواب دیا: ایک حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی علیہ السلام! کیا کیا ہے؟

آپؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تمام قاتلانِ حسین علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے آیا ہوں۔ میں نے اس موقع پر شکریہ ادا کیا کہ میں قاتلوں میں سے نہیں ہوں۔ چناں چہ میری عقل اور ہوش قدرے بحال ہو گئی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب کو پیش کیا جائے۔

آپؑ نے گریہ شروع کر دیا۔ جس کے سبب وہاں موجود حاضرین گریہ کرنے لگے۔ ان کے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپؑ نے سوال کیا: بتاؤ تم نے میرے نورِ چشم کے ساتھ کربلا میں کیا سلوک کیا؟

ایک نے جواب دیا: میں نے آپؑ پر پانی بند کیا تھا۔

دوسرے نے جواب دیا: میں نے گھوڑوں کے سموں سے لاش پامال کی تھی۔

ایک نے کہا: میں نے اُنؑ کے بیمار فرزندؑ پر ظلم کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نالہ فریاد کی: واویلا' واقِلّۃ ناصراہ' واحسیناہ' واعلیاہ۔

اے علی علیہ السلام! میری عترت پر میرے بعد اتنے ظلم ہوئے ہیں؟ پھر آپ انبیاءؑ کی طرف مڑے اور فرمایا:

اُنظر یا ابی آدم یا اخی نوح

دیکھو! میری اُمت نے میرے بعد میرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ نے گریہ و فریاد شروع کر دی' جس سے محشر بپا ہو گیا۔

اس کے بعد آپؑ نے حکم دیا تو فرشتے ایک ایک کو پکڑ کر جہنم میں ڈالنے لگے۔ حتیٰ کہ

ایک شخص کو لایا گیا۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: تم نے کربلا میں کیا کیا تھا؟

اس نے جواب دیا: میں نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نجار (بڑھئی) نہیں ہو؟

اس نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کربلا میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ صرف تند ہوا نے حصین بن نمیر (لعنتی) کے خیمے کی چوب توڑی تھی تو میں نے اسے صحیح کر دیا تھا۔

آپؐ نے پھر گریہ فرمایا اور اسے مخاطب کر کے فرمایا: تم میرے فرزندؑ کے مخالف لشکر کا حصّہ تھے اور حسین علیہ السلام کے دشمنوں میں شامل تھے۔

پھر فرمایا: اسے بھی جہنم میں ڈال دو۔ اہل محشر گریہ کرنے لگے۔

آپؐ نے فرمایا: آہن گر (لوہار) کو لایا جائے۔

مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو چلا تھا۔ ملائکہؑ مجھے گھسیٹ کر لے گئے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔ میں نے آہنگری لوہار کے متعلق جتنے کام کیے تھے وہ سب بیان کیے۔ ملائکہؑ کو حکم دیا گیا: مجھے بھی آگ میں ڈال دیں۔ فرشتوں نے مجھے قتل کیا ہی تھا کہ مجھے جاگ آ گئی اور میں اُٹھ بیٹھا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

# اُم المصائبؑ

بعض موثق افراد نے ایک قابل اطمینان شخص سے روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ شخص بحرین کے شہر "محا" کا رہنے والا تھا۔ وہ روایت کرتا ہے: مجھےحضرت امام حسین علیہ السلام کے مرثیے اور نوحے سننے کا بہت شوق تھا۔ میں دن رات مجالس عزا میں شرکت کرتا۔ ایک رات (۹ محرم کی رات) میں ایک مجلس ماتم وعزا میں شریک تھا' میں نے بہت گریہ کیا۔ جب گھر آ کر سویا تو عالم رؤیا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ایسا باغ ہے' جس میں درختوں کے جھنڈ ہیں۔ ان درختوں کی شاخوں پر بے شمار پرندے بیٹھے ہیں' جو اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں۔ مگر ان کی آوازوں میں بلا کا سوز' غم اور حزن موجود ہے۔ میں نے بڑے تعجب کے ساتھ سب پرندوں کی آوازیں سنیں۔ ان آوازوں میں سے ایک رونے کی آواز بلند ہوئی' جس نے میرے دل وجگر کو تڑپا کے رکھ دیا۔

میں نے دل میں سوچا: کاش! اس رونے والے کو پہچان پاتا کہ یہ کون ہے؟ اور یہ عزا و گریہ کس کے لیے ہے؟

میں چند قدم آگے بڑھا اور ایک حوض کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس حوض کے کنارے ایک باعظمت مخدومہؑ تشریف فرما ہیں۔ جو مثل آفتاب درخشاں تھیں۔ ان کے مبارک ہاتھوں میں ایک پیراہن ہے' جس پر خون لگا ہوا ہے اور جگہ جگہ پر سوراخ بنے ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ معظمہؑ حوض کے پانی سے اس پیراہن کو دھو رہی ہیں اور پیراہن میں موجود سوراخوں کو مسلسل دیکھے جا رہی ہیں نیز بلند آواز اور زخمی دل سے گریہ کر رہی ہیں۔ پیراہن سے عنبر و مشک کی سی خوش بو نکل رہی تھی' جس سے فضا معطر ہے اور مخدومہؑ خود کلامی کے انداز میں بین کیے جا رہی تھیں: یَا اَبَتَاهُ یَا رَسُولَ اللّٰہ۔

کیا آپؐ جانتے ہیں کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی اُمت نے اہل بیتؑ پر کیا کیا ظلم کیے؟ کیسے آگ لگائی گئی۔ اے بابا! میرا حق غصب کیا گیا۔ مجھے گھر سے بے گھر کر دیا گیا۔ میرے پہلو کو شکستہ کیا گیا' میری میراث لوٹی گئی' میرے گواہ جھٹلائے گئے اور ان کی گواہی قبول نہیں کی

گئی۔ آپؐ نے جو مجھے سند لکھ کر دی تھی اسے پارہ پارہ کر دیا گیا۔ میری اہانت کی گئی۔ مجھ سے منھ موڑ لیا گیا' کوئی میری شکایت سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ مجھے رُسوا اور خوار کیا گیا۔ مجھے دکھ پہنچانے کے بہانے ڈھونڈے گئے۔ کسی نے بھی آپؐ کے اہل بیتؑ کی نصرت کے لیے قدم نہیں اُٹھایا۔ اس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بل کہ سب جمع ہو کر میرے دروازے پر آئے اور میرے دروازے پر لکڑیاں اکٹھی کی گئیں۔ ان کا پروگرام مجھے اور میری اولاد کو آگ لگانا تھا۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ میرے گھر کو جلانے پر بضد ہیں تو میں نے دروازہ کھولا اور خود دروازے کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئی۔ انھوں نے مجھے دیوار اور دروازے کے درمیان کچل ڈالا۔ میں مرنے کے قریب تھی اور میرا محسن علیہ السلام قتل ہو گیا۔ اس پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا۔ میرے ہم راہ امیر المومنین علیہ السلام جو آپؐ کے چچازاد' دوست' ہم راز اور قریبی تھے' پر حملہ کر دیا۔ شمشیر کی حمائل آپؑ کی گردن میں ڈالی گئی اور انھیں اُونٹ کے مثل کھینچ کر لے گئے۔ ان کے اصحاب نے بھی ان کی کوئی مدد نہ کی۔ اگر علی علیہ السلام کے سامنے آپؐ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ میرے بعد صبر کرنا' تو وہ سب کو قتل کر کے واصل جہنم کر دیتے۔

میں نے جب اپنے ہم سرؑ کی یہ حالت دیکھی تو میرے اعضائے بدن ٹوٹ کر رہ گئے۔ میرے جسم کی رگیں تن چکی تھیں۔ میں نے پھر بھی سر پر مقنع لیا اور چادر اوڑھی اور گھر سے باہر نکل آئی۔ اس اُمید کے ساتھ کہ شاید میرا احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے گا اور آپؐ کی وصیت اور تاکید کا خیال رکھا جائے گا۔ صرف میرا احترام ہی بالائے طاق نہیں رکھا گیا بل کہ میری توہین کی گئی اور مجھے نازیبا کلمات تک کہے گئے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بل کہ میرے پہلو پر تازیانے بھی مارے گئے اور میری پسلیاں توڑ دی گئیں۔ آج بھی ان تازیانوں کے نشانات میرے جسم پر موجود ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے' یہاں تک کہ میں آپؐ کو دکھلا نہ لوں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپؐ نے اپنے ان دو لخت ہائے جگر (امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام) کو دیکھا ہوتا کہ وہ کس حال میں تھے تو آپؐ کا صبر ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور آرام و سکون رُخصت ہو جاتا۔ وہ اپنے بابا! کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے دوڑ رہے تھے اور اس ظالم قوم

کو آوازیں دے رہے تھے: اے لوگو! ہمارے بابا کو لے کر کہاں جا رہے ہو؟ امیرالمومنین علیہ السلام نے جب دیکھا ان کے اور ان کے بچوں کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا ہے تو آپؑ نے خود بچوں کی مدد فرمائی تا کہ کہیں وہ کسی ظالم کے ظلم کا شکار نہ ہو جائیں۔

وہ گریہ زاری کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: یَا جَدَّاهُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ!

آیئے اور ہماری حالت دیکھیے' ہم کس قدر رُسوا ہو رہے ہیں؟ آ کر دیکھیے کہ کتنے توہین آمیز طریقے سے ہمارے بابا کو بیعت کے لیے لے جایا جا رہا ہے؟ آپؑ کی دُختر کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔

اے نانا! آپؑ کی معصوم عترتؑ کو گلیوں میں دوڑایا جا رہا ہے۔ جو لوگ خود کو ہمارا حب دار کہتے تھے انھوں نے ہمیں رُسوا کیا اور خیانت کی' ہم سے دُوری اختیار کر لی اور اپنے گھروں کے دروازے ہمارے لیے بند کر دیے۔ گویا وہ ہمیں ''ذوالقربیٰ'' میں شمار ہی نہیں کرتے ہیں۔

انھوں نے تو خداوند متعال کے فرمان وکلام (محکم) کی بے حرمتی کی ہے' چوں کہ ارشاد ہے:

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى (سورۂ مبارکہ شوریٰ آیت ۲۳)

''میرے رسول ﷺ! کہہ دو میں تم سے کوئی چیز نہیں چاہتا صرف میرے ذوالقربیٰ سے مودّت کرو۔''

اس لمحے اس مخدومہؑ و معظمہؑ کا گریہ شدت اختیار کر گیا۔ اتنا ہی نہیں میرے حسین علیہ السلام کو خطوط لکھے گئے اور کوفہ آنے کی دعوت دی گئی اور ان خطوط میں تحریر تھا:

اے حسین علیہ السلام! آپؑ خلیفۂ خدا' حجت کبریا اور ولی خدا ہیں۔ اگر آپؑ کوفہ تشریف نہیں لاتے ہیں تو بروز قیامت خدا کے حضور شکوہ کریں گے۔ لیکن جب حسین علیہ السلام نے ان کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تو وہ ظالم میرے حسین علیہ السلام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے راستے روکے گئے' اس کی اولاد و انصار کو قتل کیا گیا اور میرے حسین علیہ السلام کو ذبح کر دیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بل کہ شہادت کے بعد لاشۂ حسین علیہ السلام پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ جس سے میرے حسین علیہ السلام کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں' اس کا مال لُوٹ لیا گیا اور اہل حرمؑ کو اسیر بنا کر بغیر

پالانوں کے اُونٹوں پر بٹھا کر مختلف شہروں میں پھرایا گیا۔

آہ! اس وقت حمزہ علیہ السلام تھے' نہ جعفر علیہ السلام' نہ عقیل علیہ السلام اور نہ جوانانِ بنی ہاشمؑ میں سے کوئی اپنی جان نثار کرنے کے لیے بچا۔

وہ مخلص مومن کہتا ہے: میں نے جب مخدومہؑ و معظمہؑ سے یہ بین سنے اور وہ پھٹا ہوا پیراہن دیکھا تو مجھے اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں حیران کھڑا تھا کہ یہ معظمہؑ کون ہیں؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ یقیناً یہ باغ اس معظمہؑ بی بی کا ہے۔ یہ پیراہن جو خون سے تر ہے اور جگہ جگہ سوراخ ہوئے ہیں یہ اس کے عزیز کا ہوگا جو قتل ہوا ہے۔ تب اس معظمہؑ کے دائیں بائیں توجہ کی اور فرمایا: اے میرے فرزندؑ! تم نے کربلا میں اپنا نام' اپنے بابا' اور نانا کا نام کیوں نہیں بتایا؟ شاید پہچاننے کے بعد وہ تمھارے قتل کے ارادے سے باز رہتے۔

اچانک ایک صدا سنائی دی:

یا اما قلت لهم جدی محمد المصطفیٰ و ابی علی المرتضیٰ و امی فاطمةؑ الزهرا و جدتی خدیجةؑ الکبریٰ و اخی الحسنؑ المجتبیٰ

''اے مادرِ گرامی! میں نے انھیں بتایا' لوگو! محمد مصطفیٰؐ میرے نانا' علی مرتضیٰ علیہ السلام میرے بابا' فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا میری ماں' خدیجۃ الکبریٰؑ میری نانی اور حسن مجتبیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں۔''

انھوں نے میری بات سنی تک نہیں' انھوں نے میرے مقام کی بھی پروا نہیں کی۔ انھوں نے نہر فرات کا پانی اور اس کے تمام راستے بند کر دیے۔ اس فرات سے حیوانات' کتے اور سؤر تک پانی پیتے رہے لیکن اس کا ایک ایک قطرہ اور ایک ایک بوند مجھ پر اور میری عترت پر حرام کر دی گئی۔ مجھے لب دریا تشنہ قتل کیا گیا اور پھر گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔ میری ہڈیاں پیس دی گئیں' میرے حرمؑ کو قیدی بنا کر ننگی پیٹھ والے اُونٹوں پر سوار کیا گیا۔

میں نے جب یہ کلام سنا تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میرے بدن کے بال کھڑے ہو گئے۔ میں تھوڑا اور نزدیک چلا گیا۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ انھوں نے مجھے جواب دیا۔

میں نے عرض کیا: آپؑ کو قسم دے کر جسارت کر رہا ہوں آپؑ کون ہیں؟

جواب ملا: میں اس مظلومؑ کی ماں ہوں' دختر محمد مصطفیٰ ﷺ' فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہوں۔ یہ میرا حسین علیہ السلام ہے' جسے اشقیا نے تنہا دیکھ کر قتل کر دیا تھا۔

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد بلند آواز سے گریہ فرمایا: اتنی دیر میں مستورات کی کثیر تعداد آپؑ کی محفل میں پہنچ گئی' ایسی ہستیاں تشریف لائیں جن کی نورانیت سے شمس و قمر پر بھی سایہ پڑنے لگے۔ وہ سب کی سب گریہ و عزا اور سوگ وار حالت میں تھیں۔

ایک بی بیؑ سر برہنہ تھی' دوسری بیبیوںؑ کے گریبان چاک تھے۔

میں نے عرض کیا: یہ بیبیاںؑ کون ہیں؟

جواب ملا: یہ زینبؑ' کلثومؑ' سکینہؑ' رقیہؑ اور رُبابؑ ہیں۔

میں نے عرض کیا: اے میرے سردارو! میرا بابا آپؑ کا مرثیہ خواں تھا۔

میرا بابا عزائے حسینؑ میں بہت زیادہ مرثیے پڑھتا تھا۔ اب وہ دنیا میں نہیں ہے' اس کا اُس عالم میں کیا حال ہے؟

فرمایا: تمھارے بابا کے محل کی دیواریں ہمارے محل کی دیواروں کے ساتھ ہیں۔

میں نے عرض کیا: یہ فرما دیں کہ جو بندہ سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ کرے یا عزاداری پر اپنا مال خرچ کرے یا حزن و ملال کے سبب رات بھر نہ سوئے یا کوئی مجلس میں شریک عزاداروں کی خدمت کرے یعنی پانی وغیرہ پلائے اور جو آپؑ کے دشمنوں پر لعنت کرے' ان سب کا اجر کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ سب کے سب جنتی ہیں۔ وہ خوش ہو جائیں' ایسی جماعت کو بشارت دے دوں کہ ان کی قیام گاہیں ہم اہل بیتؑ کے محلات سے متصل ہوں گی۔

میں قسم کھاتی ہوں' اپنے بابا' شوہر اور اپنی اولاد کے حق کی اور شہادت حسین علیہ السلام کے حق کی تب تک جنت میں نہیں جاؤں گی جب تک ان کا ایک ایک بچہ جنت میں نہ چلا جائے۔ ان سب کو میری طرف سے یہ خوش خبری سنا دو: والحمد للہ رب العالمین۔

## مجالس عزا برائے حسین علیہ السلام

اس خادمِ سید الشہداء علیہ السلام کی یہ عادت رہی ہے کہ ہمیشہ بڑی عزت، وقار، احترام اور ادب و آداب کے ساتھ شیعیانِ حیدرِ کرار علیہ السلام اور عزادارانِ حسین علیہ السلام کی خدمت میں نصیحتیں بھی پیش کرتا رہتا ہوں (چوں کہ میں ان مجالس کو اہم ترین اُمور میں شمار کرتا ہوں)۔

مجالس کے آداب اور اعمال میں ظاہری اور باطنی ہر دو لحاظ سے (طہارت، خضوع، خشوع، ترکِ دنیا وغیرہ) کا خیال رکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان مجالس کے دوران میں پانی پینا اور چائے نوشی وغیرہ تک ترک کر دی جاتی ہیں۔ چوں کہ یہ چیزیں خلافِ عقیدت سمجھی جاتی ہیں۔

جیسا کہ میں متعدد بار عرض کر چکا ہوں اور پھر بھی تذکرہ کیے دیتا ہوں۔ زیارتِ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے غم میں گریہ زاری (حتیٰ کہ اپنے خاندان اور اہل و عیال کے ساتھ مل کر) تمام عبادات سے افضل عبادت ہے۔ یہ انصاف کے منافی ہوگا اگر ان مجالسِ عزا اور اس اعلیٰ و ارفع عبادت کے دوران میں ان آداب اور تعظیم کا خیال نہ رکھا جائے اور ظاہری احترام و اکرام کا خیال نہ رکھا جائے۔ جب کہ بزرگانِ دین، علما، فضلا، عرفا، بادشاہوں، سلاطین کی محافل میں تو خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا فہم و ادراک دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور جب بندے کا عقیدہ یہ ہو کہ ماتم حسین علیہ السلام اور مجالسِ عزا میں ملائکہ، اَرواحِ انبیاءؑ، اوصیاءؑ، صدیقین مسلسل موجود رہتے ہیں۔ بے شک حاضرینِ مجلس کی ظاہری تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ان محافلِ عزا و ماتم داری میں صاحبانِ نفوس و اَرواح جبروتی اپنے برزخی و مثالی اَجسام کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ جیسے صدیقۂ عظمیٰ فاطمۃ الکبریٰؑ، ملائکہؑ، اَرواحِ انبیاءؑ، صدیقینؑ، اوصیاؑ، حضرت خدیجہؑ، حضرت زینبؑ، حضرت اُمِ کلثومؑ، حضرت سکینہؑ، حضرت رقیہؑ وغیرہ تشریف لاتی ہیں۔

بندے کا تو عقیدہ ہے کہ مجالسِ عزا اور مصائب کے دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون آلود کرتا بھی ساتھ لے کر آتی ہیں۔

اگر یہی مجالسِ عزا مساجد میں قائم کی جائیں تو پھر ان کے احترام اور آداب کا زیادہ

اہتمام کیا جاتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ اس وصیت کا راز ہم پر واضح ہے۔ اس لیے کہ مساجد مسلمانوں کے معابد ہوتے ہیں اور خدا کے گھر کہلواتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ایک قطرۂ خون بھی تو شامل ہے۔ جو خونِ مقدسِ سید الشہداء علیہ السلام ہے۔ جب ذکر مصائب کی رقت طاری ہوتی ہے تو وہ خون بھی تو اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ بالخصوص جب بین کیے جاتے ہیں' بلند آواز سے آہیں بھری جاتی ہیں اور اس مجلس میں اگر حجت کبریٰ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا بھی تشریف فرما ہوں تو کیا کہنا۔

تبھی تو مساجد میں گریہ زاری اور مصائب کا بیان بہ خوبی انجام پاتا ہے۔ بہر حال ذکر مصائب کی محافل و مجالس (چاہے مسجد میں یا مسجد کے علاوہ) بہت زیادہ ہوتی ہیں اور دوسری عبادات کی نسبت ان کے ظاہری آداب کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔

اگر کوئی بابصیرت شخص ریاضت' مجاہداتِ نفسانی اور چشم برزخی سے مسجد کے باطن پر معنوی نگاہ ڈالے اور آلِ رسولؐ کے مصائب پر نظر کرے تو اُسے عجیب و غریب اُمور اور اَن گنت فوائد مشاہدہ کرنے کے لیے ملیں گے جو عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہوتے ہیں۔

اس مطلب کی وضاحت کے لیے ہم آپ کے سامنے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اور چند ایسے مقامات کا ذکر پیش کرتے ہیں جو اس کتاب کا حصہ نہیں ہیں۔ مگر بعض قلبی و باطنی الہامات اور قرآنِ کریم سے استخارہ کے بعد ان کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

## تہران میں مجلس عزا

آج سے ڈیڑھ برس قبل ایک شخص جو صاحبِ صنائع جیسے عجیب نام سے مشہور تھا اور اس کا اصلی نام میرزا احمد ساعت ساز (گھڑی ساز) تھا' وہ بندہ کے پاس دارالسلطنۃ تہران آیا اور کہنے لگا: میں نے چند شب پہلے ایک خواب دیکھا ہے جس میں آپ سے رابطہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خواب کا خلاصہ اسی کی زبانی سنیے: میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ میں سید اَجل امام زادہ شاہ عبدالعظیم کے مزارِ اقدس کے پاس ہوں۔ جہاں اس مزار کے نزدیک ایک بزرگ

مؤمن کے لیے قبر کھودی جا رہی ہے تاکہ ان کی وہاں تدفین عمل میں لائی جا سکے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی قبر کے پاس سے ایک بڑا وسیع و عریض راستا نکل رہا ہے جو ایک باغ میں جا کر منتہی ہوتا ہے۔ اس باغ جیسا حسین و جمیل اور دل فریب نظاروں والا باغ میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھا تھا۔ جب اس مؤمن کو قبر میں اُتارا گیا تو منکر و نکیر کے سوالات نہیں ہوئے اور مؤمن اس وسیع راستے سے ہوتا ہوا باغ میں پہنچ گیا۔

میں نے بڑا تعجب کیا اور خود سے سوال کیا: کاش! میرا کام بھی اسی طرح انجام پائے۔ پس میں نے حکم دیا: میرے لیے بھی قبر کشائی کی جائے۔ میں بھی قبر میں داخل ہو گیا۔ میری قبر سے بھی ایک راستا باغ کی طرف جاتا تھا۔ میں بھی اسی راستے سے ہوتا ہوا باغ میں جا پہنچا۔ وہاں میں نے ایک جماعت دیکھی مگر ایک گھنٹے بعد میرے افکار و خیالات نے جوش مارا۔ ارے! یہ کیا میں نے تو اپنے اہل و عیال کو خدا حافظی بھی نہیں کی، نہ کوئی وصیت کی ہے، نہ کسی کو اپنا وصی مقرر کیا ہے۔ میں نے جو لوگوں سے لین دین کرنا تھا اس کا کیا بنے گا؟ اس وجہ سے میں باغ میں پہنچ کر پشیمان ہو گیا۔

میں نے حاضرین کے سامنے اپنے حالات بیان کیے۔ انھوں نے جواب دیا: اب پشیمان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے چوں کہ اب تم اس باغ سے باہر نہیں جا سکتے ہو کہ دنیا میں جا کر اپنے اُمور نمٹا سکو۔

میں انھی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر باغ کے ایک کونے پر پڑی۔ وہاں ایک عمارت نظر آ رہی تھی۔ میں تیزی سے اس کی سمت بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک نورانی شخصیت تشریف فرما ہے۔ انھوں نے اشارہ فرمایا: اب میں ان کی خدمت میں ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا: حاجی میرزا احمد! کیا وہ جلیل القدر سید آئمہ معصومینؑ میں سے ہیں یا امام زادہ شاہ عبدالعظیم ہیں؟

جواب ملا: خدا کی قسم! میرے لیے بھی مشخص نہیں ہے، تم خود ہی کمال ادب و احترام سے ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھو۔

اس گفتگو کے بعد میں نے انھیں اپنا قصہ سنایا اور عرض کیا: اگر مجھے چھٹی دے دی جائے تا کہ میں جا کر اپنے کام نمٹا سکوں اور وصیت وغیرہ کر کے واپس آ جاؤں گا۔ تم نے سید جلیل القدر سے میرے متعلق اجازت طلب کی۔ پھر قدرے تامل و تفکر فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: ان کی خاطر میں تمھیں چھٹی دے رہا ہوں۔ مگر ایک شرط ہے کہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام اچھے طریقے سے بجا لاؤ۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی سستی نہ کرنا۔ اس بابت تمھیں بہت تاکید اور وصیت کرتا ہوں۔ اگرچہ ان کا مخاطب جمع کا صیغہ تھا' مگر مراد صرف میں تھا۔

تم اُٹھو گے تو وہ سید بزرگ وار تمھارے احترام کے لیے چند قدم آگے بڑھیں گے۔ پھر تم پلٹ جانا' میں تمھارے ساتھ امام زادہ شاہ عبدالعظیم کے صحن تک جاؤں گا۔ تم امر دینا وہاں منبر نصب ہوگا اور مرثیہ خواں حضرات میں سے کوئی مرثیہ پڑھے گا اور ذکرِ مصائب بلند ہوگا۔

اس طرح ایک شخص منبر پر گیا اور اُس نے ذکرِ مصائب کی سعادت حاصل کی۔ صحن مرد و زن سے بھرا ہوا تھا۔ گریہ زاری کا شور بلند تھا۔ مجلس و ماتم کے بعد تم صحن سے باہر آئے ہو۔ ایک سو پچاس قدم تک چلے ہو گے کہ تم نے حکم دیا: منبر لگاؤ اور ایک دوسرے شخص سے کہا: منبر پر جاؤ اور ذکر مصائب محمدؐ و آلِ محمدؐ کرو۔ وہ شخص بھی منبر پر گیا اور اس نے بھی آلِ محمدؐ کے مصائب پڑھے۔ پھر صدائے گریہ و ندبہ بلند ہوئی۔ اس مجلس کے گریہ کی آواز پہلے والی مجلس سے کہیں زیادہ تھی اور لوگ بھی زیادہ شریک تھے۔

اس کے بعد تہران شہر کا رُخ کر لیا گیا۔ ہر سَو قدم یا ایک سو پچاس قدم پر منبر لگانے اور ذکرِ مصائب کا حکم دیا گیا۔ البتہ آہستہ آہستہ پہلے کی نسبت لوگ بھی زیادہ ہوتے گئے اور گریہ زاری بھی۔ بعض دفعہ تم خود بھی منبر پر جانے کی سعادت حاصل کرتے رہے ہو اور ذکرِ مصائب کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے ہو۔ اسی طرح ہم ایک چشمے پر پہنچے۔ جو چشمۂ علی علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے حکم دیا: اس چشمے کے اُوپر کی طرف سے آؤ' وہ جگہ' آبِ منگا کے نام سے معروف ہے۔ اس طرف منبر نصب کرو۔ پہلے سے کئی گنا زیادہ مجمع موجود تھا۔ آپ خود منبر پر تشریف لے گئے۔ گریہ زاری اور فریاد کی اور اتنا مصائب پڑھا گیا' جو بیان سے باہر ہے۔

اس مجلس کے بعد ہم تہران کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ چند قدم آگے چار افراد ایک تابوت اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اس تابوت کی شکل مچھلی کی سی ہے۔ دو آدمیوں نے آگے سے اور دو آدمیوں نے پچھلی طرف سے اسے اُٹھا رکھا ہے۔ اس تابوت کے اندر ایک شخص موجود ہے جس کے ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑی لگی ہوئی ہے۔ جن دو بندوں نے تابوت آگے سے اُٹھا رکھا ہے' انھوں نے ہتھکڑی والی زنجیر تھام رکھی ہے۔ لوگوں نے یہ حالات دیکھے تو تعجب کا اظہار کیا مگر تم بڑے غم و غصے میں تھے۔

تمھاری حالت سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس تابوت کو عذاب و عقاب کے لیے کیوں اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ تابوت یا جنازہ لوگوں کے درمیان رکھ دیا گیا جو لوگ متعدد مجالس میں شرکت کر چکے ہیں۔ کیا اس جماعت کے احترام میں اسے اُٹھا لیا گیا ہے؟

جن چار بندوں نے تابوت اُٹھایا ہوا تھا' تم نے انھیں للکارا کہ یہ تابوت زمین پر رکھ دو۔ تم نے جا کر تابوت کا ایک سرا کھولا۔ ہم سب نے دیکھا کہ تابوت میں ایک شخص موجود ہے جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی ہے مگر وہ شخص نہ مردہ ہے نہ زندہ۔

تم نے قریب جا کر ہتھکڑی کو ہاتھ لگایا تو وہ قفل ٹوٹ گیا۔ تم نے زنجیر کھول دی اور کہا: اُٹھو اور اس جماعت میں شامل ہو جاؤ' جو سید الشہداء علیہ السلام پر ماتم و گریہ کر رہی ہے اور ڈرو مت صرف اس مظلومؑ پر بہت زیادہ گریہ و بکا کرو۔

وہ شخص اُٹھا اور اس جماعت میں شامل ہو گیا مگر اس کا خوف و اضطراب اپنی جگہ پر باقی رہا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر خود کو جماعت کے درمیان پہنچا دیا۔ اس کے بعد بھی چند مقامات پر منبر نصب کیا گیا۔ ذکرِ مصائب ہوا جو شخص تابوت سے اُٹھایا گیا تھا' اس نے سب سے زیادہ گریہ زاری کی۔

جب تہران کے دروازے کے نزدیک پہنچا وہاں بھی منبر نصب کیا گیا۔ وہاں تو لوگوں کا جم غفیر تھا کہ تہران کے گرد و نواح والے تمام صحرا اور زمینیں پُر تھیں۔ جب وہاں ذکرِ مصائب ہوا صدائے گریہ زاری بلند ہوئی اور نوحوں اور مرثیوں کی آواز آسمانوں تک پہنچی تو میں پریشان ہو کر

اُٹھ بیٹھا۔ اس وجہ سے مجھے آپ کے پاس آنے کا حکم دیا گیا۔

میں نے پوچھا: حاجی میرزا احمد! کیا اب زندہ ہے یا مردہ؟

کہنے لگا: زندہ۔

میں نے پوچھا: اس کا تعلق کس گروہ اور صنف سے ہے؟

کہنے لگا: ناصرالدین شاہ کے امرا' بزرگوں اور خاص ملازموں میں شمار ہوتا ہے۔

میں نے کہا: اس کا نام بتاؤ؟

جواب دیا: میں ڈرتا ہوں۔ میں بھی تو درحقیقت اس سے نسبت رکھنے والوں میں شامل ہوں۔

اس نے بہت زیادہ اصرار کے بعد مجھ سے کہا: وہ شخص شہزادہ اعظم اعتضاد السلطنۃ علی قلی میرزا ہے۔

بروز جمعہ برسر منبر کہا: مومنین و مومنات میں نے جو خواب دیکھا ہے' وہ اسی مسجد میں تمہارے سامنے نقل کر دیتا ہوں۔ پس میں نے خواب بیان کرنا شروع کر دیا۔ حاجی میرزا احمد کے حوالے سے جب کہ شہزادے کا نام نہیں لیا۔ مومنین و مومنات نے جو اس سلسلے میں خواب دیکھ رکھے تھے' ان کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے عالم رؤیا میں ان خواتین و حضرات سے فرمایا تھا: تہران میں جنایات' جرائم اور گناہانِ کبیرہ کے سبب لوگوں پر عذابِ الٰہی اور بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ مگر خداوند کریم نے ملا دربندی کے ہاں جامع مسجد میں جو عزاداری ہوتی ہے' اس کے سبب سے وہ عذاب ٹال دیا ہے۔ پس ملا دربندی سے جا کر میری طرف سے کہو کہ جب تک زندہ ہو تہران میں میرے نورِ چشمؑ کا ذکر مصائب رُکنے نہ پائے۔

ان خوابوں کو میں نے جامع مسجد میں کئی بار نقل کیا ہے۔ ایک دفعہ میرے مواعظ سے قبل ایک شخص جو اصلاح و تقویٰ اور ایمان و یقین میں بڑی شہرت رکھتا تھا' کھڑا ہو گیا اور منبر کے نزدیک آ کر بلند آواز سے کہنے لگا: اے لوگو! غور سے سنو۔ فلاں مومن صالح' فلاں مومن متقی' فلاں عادل ثقہ اور فلاں مومنہ صالحہ و صادقہ نے اس طرح خواب دیکھا۔ بیان کیا جاتا ہے اور پھر

آخر میں حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی فرمائش اور حکم سنا دیا جاتا ہے۔ جس کا ہم بھی اجمالاً اعتراف کرتے ہیں۔

دو تین ماہ بعد ایک فاتحہ خوانی کی مجلس میں میری ملاقات شہزادہ احتشام السلطنہ سے ہوئی۔ میں نے حاجی میرزا احمد والا خواب ابتدا سے آخر تک مکمل سنایا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور فکر و تدبر کی وادی میں چلا گیا۔

میں نے کہا: آلام سے نجات صرف اور صرف زیارتِ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی عزاداری میں مضمر ہے۔ اگر اس مجلس سے پہلے آپ کے پاس فرشِ عزا نہیں بچھتا تو اس کے بعد اس کا آغاز کر دو اور اگر پہلے سے فرشِ عزا بچھ رہا ہے تو اسے بہ خوبی انجام دو۔ اس میں اپنے اخلاص اور محبت و مودّت کا بڑھ چڑھ کر اظہار کرو۔ پس خوش ہو گیا اور کہنے لگا: مجلس عزا پہلے سے ہوتی ہے اب اسے ان شاء اللہ اچھے اور بہترین انداز میں قائم کریں گے۔

والحمدلله و صلى الله على محمد و آله المعصومين المظلومين

......✷......

# فصل یازدہم

# امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے دشمن کا انجام

# چند مختصر نکات

اس حصے میں ہم داستانیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جو معتبر طریق سے وارد ہوئی ہیں۔ ان قصص و روایات کو بیان ذکر کرنے کی چند وجوہات ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ داستان ان داستانوں کی نظیر ہے جنھیں ہم اس سے قبل بھی تحریر کر چکے ہیں جیسے دو نابینا اور ایک مرد آھن گر (لوہار) کی داستان جو شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے دوران میں کربلائے معلّٰی میں موجود تھے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے: اس قصے کو میں نے اپنی کتاب ''اکسیر العبادات فی أسرار الشہادات'' میں بھی ذکر کیا ہے' لہٰذا میرا دل چاہتا ہے کہ اس کتاب میں بھی اس کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے۔

لیکن اس کے ذکر کرنے کی سب سے عمدہ وجہ یہ ہے کہ میں آلِ محمدؐ کے مصائب میں مصروف رہا بلکہ میری سوچ اور فکر فقط مصائب آلِ محمدؐ پر آ کر رُک سی گئی۔ جس کے سبب دورانِ تحریر میرے قلب و جگر اور دماغ پر ایک عجیب سی مردنی کیفیت طاری ہے جیسے کوئی چیز مکمل مکمل کر فنا کی طرف جا رہی ہو اور طاقت و توانائی ساتھ چھوڑ رہی ہو۔ میں نے سوچا کہ اپنی توانائیاں بحال کرنے اور اس حزن و ملال والی کیفیت سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ چند سرور بخش اور پُر کیف داستانوں کا ذکر کیا جائے تا کہ قلب و دماغ اور جگر پر فرحت و شادمانی سی طاری ہو اور خدا کی وسیع رحمت کے سبب سے میری کھوئی ہوئی توانائیاں بحال ہو سکیں تا کہ اس طرح مصائبِ آلِ محمدؐ میں غور و فکر کا نیا راستا مل سکے اور اس دریا میں پھر سے غوطہ زن ہونے کی سعادت حاصل کر پاؤں۔

## داستانِ محمد بن صفوان

ہم آغاز کر رہے ہیں محمد بن صفوان ملعون کی داستان سے۔ کتاب ''الثاقب فی المناقب'' میں ابن عاصف سے روایت کی گئی ہے: وہ کہتا ہے کہ بنی اُمیہ کے نمک خواروں اور

تنخواہ دار ملازموں سے مجھے امیرالمومنین علیہ السلام پر سب وشتم کرنے کے لیے طلب کیا۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے فرار کو اقرار پر ترجیح دی۔ محمد بن صفوان جو ابی خلف جمحی کی نسل سے تھا' کو کسی نے میری طرف بھیج دیا۔ وہ میری سواری مدینہ منورہ لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی سواری اس کے سپرد نہ کی۔ وہ ملعون چار میل پیدل چل کر مدینے تک پہنچا۔ اس وقت ہشام بن عبدالملک کی طرف سے حاکم مدینہ منورہ خالد تھا۔ ابن صفوان' خالد کے پاس پہنچا جو اس وقت مسجد میں موجود تھا۔ خالد نے حکم دیا: اے ابن صفوان! اُٹھو اور منبر پر جاؤ۔

ابن صفوان منبر پر گیا اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر کہنے لگا: خدایا! گواہ رہنا میں امیرالمومنینؑ پر سب وشتم کسی طمع یا لالچ کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں۔ یہ کام فقط تیری خوش نودی کے حصول کی خاطر کر رہا ہوں۔ اس وقت مسجد میں موجود تمام لوگوں نے دیکھا کہ قبر رسولؐ میں شگاف پڑ گیا اور وہاں سے ایک ہاتھ باہر آیا جو زبانِ حال سے ارشاد فرما رہا تھا: اگر یہ دعویٰ مبنی بر صدق ہے تو تم پر خدا کی لعنت ہو اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تجھے اندھا کرے۔

ابن صفوان جوں ہی منبر سے اُترا' اپنے فرزند کو مخاطب کر کے کہنے لگا: بیٹا! میرا ہاتھ پکڑ۔ اس کے بیٹے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اہل مسجد وہاں سے اُٹھ کر جانے لگے۔ اس ملعون نے اپنے بیٹے سے کہا: کیا لوگوں پر عذاب نازل ہوا ہے کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہے۔

بیٹے نے کہا: بابا! ایسی تو کوئی بات نہیں' آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

وہ ملعون کہنے لگا: اس لیے کہ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

اس کے بیٹے نے کہا: بابا! اس لیے کہ تم نے اللہ کے حق میں جسارت کی ہے اور منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر جھوٹ بولا ہے۔

اس طرح وہ ملعون مرنے اور جہنم رسید ہونے تک نابینا ہی رہا۔

## داستانِ حارس

یہ قصہ حارس کا ہے جسے کتاب ''کشف الیقین'' سے نقل کیا گیا ہے: نہیفا نامی ایک شاعر تھا۔ اس نے ایک بادشاہ سے ملاقات کا اِرادہ کر لیا۔ مگر اتفاق سے بادشاہ شہر میں موجود نہیں تھا۔

وہ شکار پر گیا ہوا تھا۔ وزیر نے بادشاہ کو خط لکھا' جس میں نمیحا شاعر کی آمد کا تذکرہ کیا۔

بادشاہ نے جواب دیا: نمیحا شاعر کے لیے میرے آنے تک اقامت گاہ و طعام وغیرہ کا انتظام کرو۔ نمیحا ایک گھر میں سکونت پذیر ہو گیا۔ وہاں شہر اور گلی کوچوں میں اشراف کی سکونت گاہیں تھیں' نمیحا ہر رات کھڑکی کے قریب سوتا۔ حارس (رات کا نگہبان) ہر رات آدھی رات کو گھر سے باہر آتا اور بلند آواز سے کہتا: "یاغافلون اذکر واللّٰہ" اور اس کے بعد وہ امیرالمومنین علیہ السلام پر سب وشتم کرتا۔

نمیحا شاعر اس ملعون کی آواز سے تکلیف محسوس کرتا اور غصّے میں آ جاتا۔ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیرالمومنین علیہ السلام اسی گلی' اسی محلے میں اسی جگہ موجود ہیں جوں ہی حارس آیا تو یہ دونوں ہستیاں وہاں تشریف فرما ہوئیں۔ اس ملعون کے آتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن علیہ السلام! اس ملعون کو پکڑ لو۔ اب چالیس سال ہونے کو ہیں' یہ ملعون مسلسل آپؑ پر سب وشتم کر رہا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے حارس کو پکڑ لیا اور اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان ضرب ماری۔ نمیحا شاعر اضطراب اور حیرانی سے اُٹھ بیٹھا اور حارس کی آواز کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اس ملعون کی آواز نہیں آئی۔ اسے بڑا تعجب ہوا' اچانک اسے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں جو حارس کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ جو لوگ حارس کے گھر سے واپس آ رہے تھے اُن سے شاعر مذکور نے حادثے کا سبب دریافت کیا۔

جواب ملا: حارس کے دو کاندھوں کے درمیان ایک ضرب لگی ہے' جس سے ایک کاندھا اُتر کر رہ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ ملعون صحت یاب نہیں ہو سکا اور واصل جہنم ہوا۔ اس حالت میں اسے چالیس افراد نے دیکھا۔ الحمدللّٰہ!

## داستانِ احمد بن حمدون

موصل شہر میں' احمد بن حمدون نامی شخص رہتا تھا۔ جسے امیرالمومنین علیہ السلام کی ذات سے بے حد دشمنی تھی۔ موصل شہر کے بہت سارے افراد نے بیت اللّٰہ الحرام کی زیارت کا قصد کیا۔

ان میں سے ایک شخص احمد بن حمدون کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے حج کا ارادہ کر لیا ہے اگر تمھیں وہاں کوئی کام ہو تو بتاؤ میں انجام دے دوں گا۔

اس ملعون نے کہا: میری ایک اہم حاجت ہے' جس پر عمل کرنا تمھارے لیے آسان نہیں ہوگا۔

اس شخص نے کہا: بتاؤ میں عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

وہ کہنے لگا: جب مکہ سے واپس پلٹو اور مدینہ منورہ آؤ اور رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرو تو رسولِ اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے میری زبان سے کہنا: یارسول اللہ ﷺ! علیؑ میں کون سی چیز ہے' جس سے آپؐ خوش ہوئے کہ اسے اپنا داماد بھی بنا لیا۔ کیا علی علیہ السلام کا گنجا سر بڑھا ہوا شکم یا پھر پتلی پتلی پنڈلیاں پسند آئیں؟ (نعوذ باللہ)

وہ شخص مکہ سے مدینہ آیا اپنے ضروری کاموں سے فراغت پانے کے بعد احمد بن حمدون کی بات کو فراموش کر بیٹھا۔ اس نے رات امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ آپؑ فرما رہے تھے: تم نے احمد بن حمدون کی وصیت کو عملی شکل کیوں نہیں دی؟

وہ حاجی صبح سویرے اُٹھا اور قبرِ رسول ﷺ کی طرف چل پڑا اور احمد بن حمدون کے تمام الفاظ وہاں کھڑے ہو کر دُہرائے۔

آئندہ شب اس نے دوبارہ خواب میں امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا' آپؑ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے احمد بن حمدون کے گھر تک لائے۔ آپؑ نے دروازہ کھولا۔ آپؑ کے ہاتھ میں بہت بڑا چھرا تھا۔ آپؑ نے احمد بن حمدون کو اسی لحاف میں ذبح کر دیا جس میں وہ سویا پڑا تھا۔ اس چھرے پر لگا خون اسی لحاف سے صاف کیا اور پھر اپنے ہاتھ سے گھر کی چھت توڑی اور اس کے نیچے اس چھرے کو رکھ دیا اور گھر سے باہر تشریف لے آئے۔

وہ موصل والا حاجی خوف و اِضطراب کی حالت میں اُٹھ بیٹھا اور اس نے اپنے رفقا کو سارا خواب سنایا اور اس خواب کو تحریر کر ڈالا۔ اسی رات موصل کا سلطان لوگوں کے شور و غوغا کے سبب بیدار ہوا اور لوگوں سے حادثے کا سبب پوچھا؟

جواب ملا: احمد بن حمدون کو اس کے لحاف میں ذبح کر دیا گیا ہے۔

موصل کے سلطان نے تمام ہمسائیوں اور ان کے علاوہ بھی چند افراد کو قید میں ڈال دیا۔ سارے اہل موصل تعجب و حیرانی کا شکار تھے اور کہتے تھے: یہ حادثہ کس طرح ہوا ہے؟ دیوار توڑی گئی نہ دروازہ کھولا گیا' نہ قفل توڑا گیا۔ خود سلطان' بھی حیران و پریشان تھا کہ گھر میں کوئی داخل نہیں ہوا۔ اگر داخل ہوا ہے تو کوئی نشانی تو چھوڑتا۔ اس کے علاوہ گھر سے کوئی چیز چوری بھی نہیں کی گئی۔

جب کہ سب لوگ زندان میں محبوس پڑے تھے کہ حجاج واپس آئے اور موصل شہر میں داخل ہوئے۔ وہ شخص کہ جس نے خواب دیکھا تھا' اس نے دیکھا کہ اس کے ہمسائے ملاقات کے لیے نہیں آئے ہیں۔

اس نے اس کا سبب پوچھا تو ایک شخص نے جواب دیا: وہ سب تو زندان میں پڑے ہیں چوں کہ فلاں رات احمد بن حمدون کو اس کے لحاف میں قتل کر دیا گیا ہے اور اس کے قاتل کا سراغ نہیں مل رہا۔ جس کی وجہ سے سلطان نے چند افراد کو زندان میں قید کر رکھا ہے۔ جب کہ سلطان بھی حیران و پریشان ہے۔ اس حاجی نے تکبیر کی آواز بلند کی اور اپنے دوستوں سے کہا: ہم نے جو خواب مدینے میں تحریر کی تھی' اسے نکالو۔

سب نے دیکھا کہ احمد بن حمدون کے قتل کی رات اور خواب آنے کی رات ایک ہے اور وہ سب چل کر مقتول کے گھر آئے اور حکم دیا: لحاف کو لے کر آؤ اور خبر دی کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اس چھرے کو دو تین بار لحاف پر کھینچا ہے اور اس کا خون بھی اسی لحاف سے صاف کیا ہے۔ جب لحاف کا معائنہ کیا گیا تو بالکل ویسا ہی پایا گیا۔

پھر چھت اُٹھانے کا کہا گیا۔ اس کے نیچے سے وہ چھرا بھی مل گیا۔ اس وقت سب لوگوں نے اس حاجی کے خواب کی سچائی پر یقین کر لیا اور یوں قیدیوں کو رہائی ملی۔ اس علاقے کے اکثر لوگ امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت کا اِقرار کر کے شیعہ ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے الطاف میں سے ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے وسیلے سے نازل ہوا۔

## ایک شامی کی داستان

یہ کہانی شام کے ایک شخص کی ہے جو کتاب ''الثاقب فی المناقب'' میں قبیلہ قریش کے ایک شیخ سے نقل کی گئی ہے۔ وہ قریشی شیخ کہتا ہے: میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ سیاہ تھا' جو اس نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے اس چہرے کی سیاہی کی بابت سوال کیا تو وہ شخص جواب میں کہنے لگا: جو بھی مجھ سے سوال کرتا ہے میں اسے سچا جواب دیتا ہوں۔ اے شخص! جان لے میں حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم کرنے کے سلسلے میں ذرا حد سے بڑھ گیا تھا۔ میں تو یہاں تک کہتا تھا: وہ جانشین رسولؐ خدا بڑا صاحب مکر و فریب ہے۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا: تم امیرالمومنینؑ کے متعلق اس قدر بدزبانی کیوں کرتے ہو؟ اس کے بعد اس نے مجھے مارا۔ جس سے میرا نصف چہرہ سیاہ ہو گیا۔ میں جب سے بیدار ہوا ہوں اب تک میرے چہرے کی سیاہی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔

## ابوعبداللہ محدث کی داستان

یہ داستان بصرہ کے رہنے والے ایک شخص کی ہے۔ یہ روایت ''کتاب الثاقب فی المناقب'' میں جعفر دقاق سے نقل کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں: میرا ایک دوست تھا۔ جس سے میں تحصیل علم کے سلسلے میں مباحثہ بھی کرتا تھا۔ وہ شخص بصرہ کے محلہ باب البصرہ میں رہتا تھا اور روایات نقل کرتا تھا۔ لوگ روزانہ اس کی مجلس میں شریک ہوتے اور اس سے احادیث سن کر انھیں ضبط تحریر میں لاتے۔ اس کا نام ابوعبداللہ محدث تھا۔

میں اور میرا دوست دونوں ایک مدت تک اس ابوعبداللہ محدث کی محفل میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ ہم ابوعبداللہ کی احادیث کو تحریر کرنے کا کام کرتے۔ وہ ہمیشہ اہل بیتؑ رسولؐ کے فضائل میں احادیث بیان کرتا اور پھر اپنی زبان سے طعنہ بھی دیتا۔ اس دن اس نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے فضائل میں ایک حدیث روایت کی اور پھر کہا: یہ فضائل علی علیہ السلام کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ جب کہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے مسلمانوں کا قتل کیا ہے۔

اس کے بعد اس نے مخدومہ کونین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی شان میں زبان

درازی کی۔

میں نے اپنے دوست سے کہا: ہمارے لیے ان سے احادیث اخذ کرنا جائز نہیں ہے چوں کہ یہ شخص دین وریاضت سے محروم ہے۔ جب سے اس نے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حق میں زبان درازی کی ہے یہ مسلمان بھی نہیں رہا۔ میرے دوست نے میری باتوں کی تصدیق کی اور کہا: ہم کسی دوسرے شخص سے احادیث لینا شروع کرتے ہیں۔ اب اس شخص کی مجلس میں آنا حرام ہے۔ میں نے اس رات دیکھا کہ میں خواب میں جامع مسجد کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ یہ محدث اور امیر المومنین علیہ السلام جو ایک مصری گدھے پر سوار ہیں، وہ بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: اب تو علی علیہ السلام اسے تلوار ماریں گے۔ جوں ہی وہ ملعون نزدیک ہوا حضرت علی علیہ السلام نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار اس کی دائیں آنکھ پر دے ماری اور فرمایا: اے ملعون! مجھ پر اور فاطمہؑ پر سب وشتم کیوں کرتے ہو؟

اس ملعون نے اپنا ہاتھ آنکھ پر رکھ کر کہا: یا علی علیہ السلام! مجھے تو اندھا کر دیا ہے میں خواب سے بیدار ہوا اور اپنے دوست کے پاس گیا اور جا کر اسے سارا خواب سنایا۔ دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگا: جانتے ہو کہ کل رات کیا واقعہ ہوا ہے؟

میں نے کہا: نہیں، بتاؤ۔

وہ کہنے لگا: کل رات میں نے یوں یوں دیکھا ہے۔ اس کا خواب بھی بعینہٖ میرے خواب کے مانند تھا۔

میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ میں یہی تو تجھے بتانے آیا ہوں۔ اُٹھو ہم قرآن اُٹھا کر بے دین لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہم نے خواب میں کیا دیکھا ہے، شاید ان کے عقائد ٹھیک ہو جائیں۔

ہم اُٹھے اور اس شخص کے دروازے پر آ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ ہم نے دق الباب کیا تو ایک کنیز نے آ کر بتایا: فی الحال ملاقات ناممکن ہے۔ ہم ایک گھنٹہ بعد دوبارہ آئے۔ تو پھر کنیز نے یہی جواب دیا: ہم نے پوچھا آخر ہوا کیا ہے؟

وہ کنیز کہتی ہے: اس نے اپنا ہاتھ آنکھ پر رکھا ہوا ہے اور نصف شب سے اب تک صرف فریاد کیے جا رہا ہے: مجھے علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام نے اندھا کر دیا ہے اور درد چشم سے افاقہ نہیں ہو رہا' ہم نے کنیز سے کہا: دروازہ کھولو ہم بھی اسی سلسلے میں آئے ہیں۔

کنیز نے دروازہ کھولا۔ ہم گھر میں داخل ہوئے تو بدترین حالت میں دیکھا۔ وہ فریاد کر رہا تھا: میرا علی علیہ السلام سے کیا جھگڑا تھا اُس نے کل رات مجھے تلوار مار کر اندھا کر دیا ہے۔

ہم نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا' بیان کر دیا۔ ہم نے اسے کہا: ان فاسد عقائد اور شانِ امیرالمومنین علیہ السلام میں جو سب وشتم کرتے ہو'اس سے باز آ جاؤ۔

وہ ملعون غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: خدا تمھیں جزائے خیر نہ دے۔ اگر علی علیہ السلام میری دوسری آنکھ بھی پھوڑ ڈالے تو میں پھر بھی اس کی مدح نہیں کروں گا' نہ اس کی فضیلت میں ایک لفظ کہوں گا۔

ہم اُٹھے اور یہ کہہ کر چل پڑے کہ اس شخص سے خیر کی اُمید نہ رکھو۔ ہم تیسرے دن اس کے حالات کا پتا کرنے آئے تو پتا چلا کہ اس کی دوسری بھی اندھی ہو گئی ہے۔

ہم نے اس سے کہا: اب تو عبرت حاصل کرو' خدا سے ڈرو اور ان فاسد عقائد سے دست بردار ہو جاؤ۔

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے ان عقائد کو نہیں چھوڑوں گا۔ علی علیہ السلام جو چاہے کر لے' مجھے کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے۔ ہم پھر ایک ہفتہ بعد آئے تو پتا چلا کہ مر گیا ہے۔

اس کا ایک بیٹا تھا وہ علی علیہ السلام سے کینہ و بغض کے سبب سے کہ علی علیہ السلام نے اس کے باپ کو اندھا کیا ہے وہ مرتد ہو گیا تھا۔

## لعین کی سزا

یہ داستان' ایک بصرے والے شخص کا قصہ ہے جو عثمان بن عفان سنجری نے بیان کیا ہے: میں اپنے شہر سے تحصیل علم کی خاطر نکل کھڑا ہوا اور بصرہ پہنچ گیا اور محمد بن عباد جو صاحب و بزرگ بندوں میں سے تھا' کے پاس جا کر کہا: میں ایک پردیسی ہوں اور دُور دراز کا سفر طے کر

کے طلبِ علم کی خاطر یہاں تک آیا ہوں تاکہ آپ سے کچھ حاصل کر سکوں۔

اس نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

میں نے جواب دیا: بجستان سے۔

اس نے جواب دیا: یہ تو خارجیوں کا علاقہ ہے۔

میں نے کہا: اگر میں نے خارجی بننا ہے تو پھر مجھے اس علم کی چنداں ضرورت نہیں۔

وہ کہنے لگا: اگر چاہوں تو میں ایک حدیث نقل کیے دیتا ہوں تاکہ تم اپنے وطن تک لوگوں کو سناتے پھرو؟

میں نے کہا: سناؤ۔

وہ کہتا ہے: میرا ایک پڑوسی تھا جو بڑا پرہیزگار، متدین، عابد و زاہد تھا۔ اس نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ کے ارتحال کے بعد ان کی تدفین و تکفین ہو چکی ہے اور اب نشر و حشر کا وقت ہے۔

وہ کہتا ہے: میں رسول پاک ﷺ کے حوض پر پہنچا۔ موسن کے پاس دو جوان سید یعنی امام حسن علیہ السلام و حضرت امام حسین علیہ السلام موجود تھے، جو اس اُمت کو پانی پلانے میں مصروف تھے۔ میں نے جب ان سے پانی طلب کیا تو انھوں نے مجھے دینے سے انکار کر دیا اور پانی نہیں دیا۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: میں بھی تو آپؐ کی اُمت سے ہوں۔ میں نے دونوں شہ زادوںؑ سے پانی مانگا ہے جو انھوں نے عطا نہیں فرمایا۔

آپؐ نے جواب دیا: اگر تم امیر المومنین علیہ السلام سے بھی پانی مانگو گے تو وہ بھی تمھیں نہیں دیں گے۔

میں نے گریہ زاری شروع کر دی کہ میں تو شیعیانِ علی علیہ السلام میں سے ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: تمھارا ایک پڑوسی ہے جو امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کرتا ہے، تم نے اب تک اسے منع کیوں نہیں کیا؟

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ضعیف و ناتواں ہوں، وہ سلطان کے مقربین

میں سے ہے۔ آپؑ نے مجھے ایک بہت بڑا چھرا دیا اور فرمایا: جاؤ اسے ذبح کر ڈالو۔ میں اس کے گھر کی طرف گیا تو دیکھا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہے۔ میں گھر کے اندر داخل ہوا تو وہ کھڑا تھا۔ میں اسے ذبح کر کے واپس آ گیا اور خدمت رسول ﷺ میں عرض کیا: میں اسے ذبح کر آیا ہوں۔ یہ چھرا اس کے خون میں تر ہے۔ آپؑ نے مجھ سے چھرا لیا اور امام حسن علیہ السلام کو فرمایا: اس کو پانی دو اور خوب سیراب کرو (یعنی دھو ڈالو)۔

میں اسی وقت خواب سے اٹھ بیٹھا اور بہت ڈرا ہوا تھا۔ جب نوافلِ شب کے لیے آمادہ ہو رہا تھا تو میں نے عورتوں کے گریہ زاری کی آوازیں سنیں۔

اپنی کنیز سے پوچھا: یہ رونے کی آوازیں کیسی ہیں؟

اس نے جواب دیا: ہمارے پڑوسی کو بستر پر ذبح کر دیا گیا ہے۔

ایک گھنٹے بعد سلطان کی طرف سے لوگ آئے اور ہمسائیوں کو پکڑ لیا۔

میں نے جا کر سلطان کو بتایا: خدا سے ڈرو اور لوگوں کو تکلیف مت دو۔ یہ لوگ اس کے خون سے بری ہیں' اسے میں نے قتل کیا ہے۔

سلطان نے کہا: کیا کہہ رہے ہو؟ تم ہمارے نزدیک متہم نہیں ہو۔

میں نے اسے ابتدا سے آخر تک سارا قضیہ سنایا۔ اس نے کہا: جزاک اللہ! یہ سب لوگ بشمول تمہارے اس کے خون سے بری الذمہ ہیں۔

## دمشق کا خطیب

یہ قصہ دمشق کے خطیب کا ہے جو میں نے کتاب "الثاقب فی المناقب" سے لیا ہے۔

اہل سنت کا عالم واقدی اس کا راوی ہے۔ وہ کہتا ہے: ہارون رشید ہر سال عرفہ کے دن علما کی ایک محفل منعقد کرتا تھا۔ ان مجالس میں ایک دن شافعی بھی شریک ہوا۔ ہارون رشید نے اس کے ہاشمی ہونے کی وجہ سے اس کا احترام بھی کیا اور اسے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ جب کہ دوسرے علمائے کرام مثلاً محمد بن الحسن' ابن زفر اور ابو یوسف ہارون رشید کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ تقریباً ستر کے قریب علما جو اپنے اپنے علاقوں کے رہبر و رہنما

مانے جاتے تھے' موجود تھے۔

واقدی کا کہنا ہے: اس دن میں سب سے آخر میں داخل ہوا۔

ہارون نے کہا: بڑی دیر کر دی ہے۔

میں نے جواب دیا: میری تاخیر کا سبب ادبی گستاخی ہے' نہ سستی و کاہلی۔ بل کہ اس تاخیر کا سبب ایک ایسی چیز ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔

اس نے مجھے حکم دیا کہ سامنے بیٹھ جاؤ۔ تمام علمائے کرام مختلف علوم وفنون میں بحث و مناظرہ کر رہے تھے۔

ہارون نے شافعی کو مخاطب کر کے کہا: اے چچازاد! کیا علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں چند احادیث سنا سکتے ہو؟

شافعی نے جواب دیا: چار سو احادیث۔

ہارون نے کہا: ڈرو مت۔

شافعی نے کہا: پانچ سو یا اس سے کم وبیش۔

ہارون نے محمد بن حسن کو مخاطب کر کے کہا: اے کوفہ کے باشندے! تو فضیلت علی علیہ السلام میں کتنی احادیث سنا سکتے ہو؟

محمد بن حسن نے جواب دیا: ایک ہزار حدیث۔

اس نے پھر ابو یوسف کو مخاطب کیا اور کہا: اے کوفی! تم کتنی احادیث سنا سکتے ہو؟ ڈرو نہیں بتاؤ؟

ابو یوسف نے جواب دیا: اگر جان کی امان پاؤں تو عرض ہے کہ فضائل علی علیہ السلام کا کوئی حساب نہیں۔

ہارون نے پوچھا: تم کس سے ڈرتے ہو؟

ابو یوسف نے جواب دیا: آپ اور آپ کے حکومتی کارندوں سے۔

ہارون نے جواب دیا: تمھیں امان دی جاتی ہے۔ بتاؤ کتنی احادیث سنا سکتے ہو؟

ابو یوسف نے جواب دیا: پانچ ہزار مرسل احادیث اور پانچ ہزار مسند احادیث۔

واقدی کہتا ہے: ہارون! میری طرف مڑا اور کہنے لگا: تم اس باب میں کیا کہو گے؟

میں نے جواب دیا: میرا بھی یہی نظریہ ہے جو ابو یوسف کا ہے۔

ہارون کہتا ہے: میں اس بزرگ کی ایک فضیلت سے آگاہ ہوں۔

میں نے وہ فضیلت آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہے اور یہ فضیلت تمام فضائل پر بھاری ہے جو تم بیان کرو گے۔ میں نے ابو طالب علیہ السلام کی ذریت کی بدولت جو کچھ لیا ہے یا مجھ سے ہوا ہے بارگاہِ خدا میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔

واقدی کہتا ہے: ہم سب نے عرض کیا کہ ہمیں وہ فضیلت سناؤ؟

ہارون کہتا ہے: میں نے حجاج بن یوسف کو حاکم دمشق مقرر کیا۔ اسے عدل و انصاف اور رعایا کے ساتھ ان کے حق وحقوق کی ادائیگی کی نصیحت کی۔ مجھے خبر دی گئی کہ دمشق میں ایک خطیب ہے' جب وہ خطبہ دیتا ہے تو علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام پر سب وشتم کرتا ہے۔

میرا عامل اسے لے آیا تاکہ میں اس سے حقیقت جان سکوں اور وہ اپنے عمل کا اقرار کرے۔ پوچھا گیا: تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟

اس ملعون نے جواب دیا: چوں کہ علی علیہ السلام نے میرے آبا و اجداد کو قتل کیا تھا اس لیے' اور اس نے میرے آبا و اجداد کی اولاد کو قیدی بنایا اس لیے۔ اس وجہ سے میرا دل اس کے خلاف بغض و کینہ سے بھرا ہوا ہے۔ میں دشمنی علی علیہ السلام سے ہاتھ نہیں روک سکتا۔

حاکم نے اسے زنجیر پہنا کر قید میں ڈال دیا اور سارا قضیہ خط میں لکھ کر میری طرف روانہ کر دیا۔ میں نے جواب میں لکھا: اس خطیب کو قیدی کی حالت ہی میں میرے پاس بھیجا جائے۔ وہ جب میرے سامنے آیا تو میں نے اسے بُرا بھلا کہا اور اس سے پوچھا: تمہی ہو جو علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام پر سب وشتم کرتے ہو؟

کہنے لگا: جی۔

میں نے کہا: تم پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ اگر علی علیہ السلام نے تیرے آبا و اجداد کو قتل کیا یا

اسیر بنایا تو حکم خدا اور رسول ﷺ سے ایسا کیا ہو گا۔

وہ ملعون کہنے لگا: نہ جانے کیوں میں جب یہ کام چھوڑتا ہوں تو میرے دل کو آرام نہیں ملتا۔

میں نے اسی وقت جلادوں اور حدود جاری کرنے والوں کو بلایا اور اس کی پشت پر سو تازیانے لگوائے۔ اس نے بہت شور شرابا کیا۔ حتیٰ کہ اس کا پیشاب خطا ہو گیا۔ پھر میں نے حکم دیا: اسے فلاں گھر میں داخل کرو (اس نے ہمیں وہ گھر بھی دکھایا) اور اس کا دروازہ بند کر دو۔

ہارون کہتا ہے: رات دن گزرنے لگیں۔ میں وہیں رہا۔ ایک شب نماز عشا پڑھنے سے پہلے میں نے اس شخص کو قتل کرنے یا سزا دینے کا سوچا۔ کبھی سوچتا کہ اس کی گردن اُڑا دوں یا اس کے بدن کے چند اعضا کاٹ دوں یا پھر تازیانے مار مار کر اس کو مار دوں۔

میں یہی سوچ رہا تھا کہ نیند نے مجھ پر غلبہ پا لیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ زمین پر تشریف لا رہے ہیں اور آپؐ نے پانچ بہشتی حلّے زیب تن فرما رکھے ہیں۔

پھر حضرت علی علیہ السلام نے چار حلّے زیب تن فرمائے۔ امام حسن علیہ السلام نے تین حلّے جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک بہشتی حلّہ زیب تن فرما کر تشریف لائے۔ آخر میں حضرت جبرئیلؑ ایک کاسہ پانی کا لیے (جو دنیا کے تمام پانیوں سے زیادہ شفاف تھا) نازل ہوئے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اے جبرئیل علیہ السلام! یہ پانی کا کاسہ مجھے دے دو۔

جبرئیلؑ نے وہ کاسہ سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

رسولِ خدا ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: اے شیعیانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ! میرے اطرافؑ میرے خاندان اور میرے غلاموں میں سے چالیس افراد نے جواب دیا: "لبیک" جب کہ میرے گھر میں تب پانچ ہزار افراد موجود تھے۔

وہ چالیس افراد اس پانی سے سیراب ہوئے۔

پھر فرمایا: وہ شقی شخص کہاں ہے؟

میں نے دیکھا: خود بہ خود دروازہ کھلا اور وہ ملعون باہر آیا۔

جب امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اس نے بغیر کسی جرم کے مجھ پر سب وشتم کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے ابوالحسن علیہ السلام! اسے چھوڑ دو۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: تم علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام پر سب وشتم کرتے ہو؟

اس ملعون نے جواب دیا: جی۔

آپؐ نے فرمایا: اسے مسخ کرو اور اس سے انتقام لو۔

وہ ملعون فوراً مسخ ہو گیا اور ایک کتا بن گیا۔ میں نے اسے کتا بنتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر اسے اپنے گھر کی طرف پلٹا دیا اور آپؐ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے۔

اس دوران میں میں بیدار ہو گیا۔ میں سہما اور ڈرا ہوا تھا۔

میں نے اپنے غلام کو آواز دی اور کہا: اس شقی شخص کو لاؤ۔ جب لایا گیا تو دیکھا کہ وہ کتا بنا ہوا تھا۔

میں نے اسے مخاطب کیا: تم نے اپنے لیے خدا کے عذاب کو کیسا پایا؟ اس نے گویا سر ہلا کر ندامت کا اظہار کیا۔

جب ہارون کی حکایت اپنے اختتام کو پہنچی تو اس نے حکم دیا: اس ملعون کو لایا جائے۔ ایک غلام نے اس کے کان پکڑ رکھے تھے۔ سب نے دیکھا کہ اس کے دونوں کان انسانوں کے اور باقی صورت کتے کی تھی۔ وہ تھوڑی دیر ہمارے سامنے کھڑا رہا۔ اس کی زبان مسلسل ہونٹوں پر گھوم رہی تھی جیسے وہ ندامت وپشیمانی کا اظہار کر رہا ہو۔

شافعی نے کہا: یہ مسخ ہے میں ڈر رہا ہوں کہ خدا کا عذاب جلد نازل ہو کر کہیں ہمیں بھی نقصان نہ پہنچائے۔

ہارون نے حکم دیا: اسے اسی گھر میں واپس لے جاؤ۔

جب اسے دوبارہ وہاں لے جایا گیا تو ہم نے ایک زبردست چیخ سنی اور اس گھر پر بجلی

گری اور اسے جلا کر رکھ دیا گیا۔ وہ ملعون جل کر راکھ بن گیا۔

عَجَّلَ اللّٰهُ بِرُوحِهٖ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ

''خدا اسے جلدی جلدی جہنّم کے عذاب میں جلانا چاہتا ہے۔''

واقدی کہتا ہے: میں نے ہارون رشید سے کہا: یہ داستان تو اپنی جگہ ایک عظیم معجزہ بھی ہے اور موعظہ بھی' ہمیں سبق سیکھنا چاہیے اور خدا سے ڈرنا چاہیے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی اولاد اور ذرّیت کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ انھیں دکھ اور اذیت نہیں دینی چاہیے۔

ہارون رشید کہتا ہے: مجھ سے ان کے حقوق کی بابت جو کچھ سرزد ہوا تھا' میں نے اس کے لیے توبہ واستغفار شروع کر دی۔

## عصر حاضر کی تین داستانیں

ہم نے جو داستانیں اب تک نقل کرنے کا شرف حاصل کیا ہے' ان میں (اکثر) داستانیں ہر زمانے میں قطع و تعین کی حد تک موجود رہتی ہیں۔ ان کا کسی مخصوص زمانے سے تعلق نہیں ہوتا۔ یہ واقعات کثرت کی تعداد میں انجام پا چکے ہیں۔ دوست و دشمن (بشرط عدل و انصاف کے حامل ہوں) ان پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ معجزات جو میں نے دیکھے یا سنے ہیں (اس زمانے میں) وہ بھی اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو لکھنا شروع کر دیا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب بنتی ہے۔ ہم مختصراً یہاں تین واقعات پیش کر رہے ہیں جو معجزہ و خارقِ عادت انداز میں واقع ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد منافقین اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کی توہین کرنا تھا' جنھیں ہم بھی بیان کر رہے ہیں:

## داستانِ اوّل

یہ داستان آج سے پانچ سال قبل روزِ غدیر غدیر کے موقع پر نجف اشرف میں واقع ہوئی ہے۔ میں بھی اس عظیم و شریف جگہ پر موجود تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے: روزِ غدیر بہت زیادہ عرب و عجم امیر المومنینؑ کے حرمِ مطہر میں ایوانِ علاء' صحن مطہر وغیرہ میں جمع ہوتے ہیں۔ بعض سالوں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے دو یا تین افراد بے ہوش ہو گئے یا موت کی وادی

میں بھی چلے گئے ہیں۔ یہاں زیادہ رَش اور ہجوم ظہر کے بعد ہوتا ہے۔ پھر رَش کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس دن ظہر سے پہلے مجھے عید غدیر کی مناسبت سے طویل زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ پھر میں اپنی رہائش پر آ گیا تا کہ مغرب سے تین گھنٹے پہلے وہاں جاؤں گا۔ اسی دوران میں خبر ملی کہ ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا ہے۔ میں اپنی رہائش گاہ سے نکلا اور حرمِ مطہر کی طرف چل پڑا۔ اس دوران میں چند صاحب اطمینان افراد نے مجھے سارا قصہ سنایا۔

میں حرم کی کفش داری (جہاں زائرین کے جوتے رکھتے ہیں) میں پہنچا اور وہاں بیٹھ گیا اور کفش داری والے نے کہا وہ ملعون حرام زادہ اسی طرف سے آیا تھا۔

داستان کا خلاصہ یہ ہے: رومی سواروں کے ایک گروہ کا سوار اس کفش داری کی طرف سے آیا اور جوتے پہن کر ایوان شریف کی طرف چل پڑا۔ کفش دار (جو جوتوں والے کیبن پر ڈیوٹی دے رہا تھا) نے پیچھے سے آواز دی: یہ عمل صحیح نہیں ہے۔ یہاں تو بادشاہ اور سلاطین بھی جوتے اُتار کر ہی زیارت کیا کرتے تھے۔ مگر اس ملعون نے ان باتوں پر کان نہیں دھرے۔ وہ بڑے تمسخر آمیز انداز میں کہہ رہا تھا: پھر کیا ہوا یا کیا ہو گا؟

مگر جب وہ اِذن طلب کرنے والے دروازے (درِ رواق) پر پہنچا اور وہ اسی طرح داخل ہونا چاہتا تھا کہ اس نے ایک زبردست چیخ ماری اور زمین سے ایک فٹ کے قریب اُوپر اُٹھ گیا اور پھر رُواق کے سنگ مرمر پر گر پڑا۔ جیسے وہ مر گیا ہو بالکل بے حس وحرکت اور اس کے منھ سے کف بہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پنجے کے نشانات پڑے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے اور اتنی جگہ سے اس کا چہرہ جیسے جلا ہوا تھا۔ اس کے بعض دوستوں نے اسے اُٹھایا اور صحن میں موجود تکیۂ درویشاں میں لے آئے۔ جب اس کی حالت قدرے سنبھلی تو اس سے سوال کیا گیا: ارے بھائی! کیا واقعہ ہوا تھا؟

اس نے جواب دیا: جب میں گستاخانہ انداز میں رُواق کے دروازے پر پہنچا اور اسی حالت میں حرم میں داخل ہونا چاہا تو حکم علی علیہ السلام سے مجھے زمین سے اُٹھا کر اس سنگ مرمر پر پٹخ دیا گیا۔ کسی شخص نے میرے منھ پر اپنا پنجہ مارا اور میری یہ حالت ہو گئی۔

اس کے رفقا نے اس کی بڑی دُرگت بنائی۔ اسے خوب بُرا بھلا کہا کہ حرام زادے تُو نے شانِ علی علیہ السلام میں اتنی بڑی گستاخی کیوں کی ہے؟

اس کے بعد اس کی حالت مزید بگڑ گئی اور وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس کے دوستوں نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ درِ علی علیہ السلام پر جا کر استدعا کرتے ہیں شاید وہ رحم کی بھیک عطا فرما دیں۔

وہ اسے لے کر درِ رُواق پر آئے تو آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہ گزرا ہوگا کہ اس کی حالت مزید بگڑ گئی۔ حاکم شہر جو اہل سنت تھا' نے حکم دیا: اس کے گلے میں رسّی ڈال کر کھینچ کر قلعے میں لایا جائے۔ اس طرح اسے کھینچتے ہوئے قلعہ تک لایا گیا۔ جب قلعہ کی ایک جماعت اسے گلے میں رسّی ڈال کر کھینچتے ہوئے لے کر جا رہی تھی تو تمام عرب و عجم نے اس کا تماشا دیکھا اور خدا کی حمد و شکر بجا لائے نیز امیر المومنین علیہ السلام کی مدح و ثنا کرنے لگے۔ وہ شخص اسی رات قلعے میں فوت ہو گیا۔

وعجل اللّٰہ تعالیٰ بروحه الی نار جهنم و الحمدللّٰه رب العلمین والشكرله

### داستانِ دوُم

دوسرا قصہ بھی اِنھی دِنوں رُونما ہوا ہے اور اس سے ملتا جلتا ہے۔ حاج میرزا محمد خان سفیر اور ایلچی کے خدام میں سے ایک خادم نے ان دِنوں قصد کیا کہ وہ ایک ایرانی عورت پر تہمت لگا کر اس سے پیسے بٹورے گا۔ اس عورت کو جب صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ حرمِ ابا الفضل العباس علیہ السلام میں چلی گئی اور وہاں خواتین والے حصّے میں جا کر بیٹھ گئی۔ وہ بے حیا شخص بھی حرم میں داخل ہوا اور وہ اس بے چاری کو حرم سے باہر لانا چاہ رہا تھا۔

اس عورت نے التجا کی: اے ابوالفضل العباس علیہ السلام! میں نے آپؑ کی پناہ لی' میرے ہاتھوں میں آپؑ کی ضریحِ اقدس ہے اور یہ شخص مجھے باہر کھینچ کر لے جانا چاہتا ہے۔ حرم کے خدام بھی خوف کے مارے نجات دلانے سے کترا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس شخص نے اس عورت کو زد و کوب کیا اور اسے لوٹ کر لے گیا۔

اس واقعہ کے چند دن بعد حاج میرزا محمد خان نے نجف اشرف کی زیارت کا قصد کیا۔ وہ خود اور اس کے خواص اور مصاحب ایک کشتی پر، اور دوسری کشتی پر نوکر چاکر اور خدام سوار ہوئے تاکہ وہ دریائی سفر کر کے نجف اشرف کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ وہ ظالم شخص بھی نوکروں میں شامل تھا۔ ابھی کشتی نے چند فرسخ کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ وہ شخص سو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ کھلے تھے اور ایک ہاتھ تو کشتی سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اچانک تیز جھکڑ چلنے لگا۔ اس دوران میں دوسری کشتی نے اس کشتی کو عبور کیا اور توازن کھو جانے کے باعث دونوں کشتیاں باہم ٹکرا گئیں۔ اس شخص کا ہاتھ جو پہلے ہی لٹک رہا تھا' وہ کاندھے سے کٹ گیا۔ یہ وہی ہاتھ تھا' جس سے وہ اس مظلوم عورت کو کھینچ کر حرم ابوالفضل العباس علیہ السلام سے باہر لانا چاہتا تھا۔ میں ان دنوں نجف اشرف میں تھا' اسے نجف لایا گیا۔ سارے طبیب اکٹھے کیے گئے تاکہ اس کا علاج معالجہ کیا جا سکے تو تمام معالج حضرات نے رائے دی کہ جہاں خدا کا قہر و غضب نازل ہو وہاں علاج کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کا ہاتھ جل کر خاکستر ہو گیا۔ اسی رات وہ مر گیا۔ یوں اس نے حرم ابوالفضل العباس علیہ السلام کی بے حرمتی کی سزا پائی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الْمَعْصُوْمِيْنَ الْمَظْلُوْمِيْنَ

### داستانِ سوم

تیسری داستان اس واقعہ سے تین سال قبل کاظمین میں واقع ہوئی ہے' جس کی تفصیل اس طرح ہے: یہ تب کی بات ہے' جب میں سفر ایران پر جانا چاہتا تھا۔ ہفتے کی صبح میں نے امامین (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام) کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ زیارت کے بعد حرم سے باہر آ گیا اور صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ چوں کہ ہفتے کی صبح' شیعہ سنی فوجی غیر فوجی زائرین کی بڑی تعداد بغداد سے کاظمین کا رُخ کرتی ہے۔ میں صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم حرم میں داخل ہوا اور اس کے بعد لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگ حرم کے صحن میں چکر لگا رہے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک چیخ اور رونے کی ملی جلی آواز بلند

ہوئی اور تکبیر و تہلیل کی آواز بھی بلند ہوئی۔ پھر لوگ جُوق در جُوق حرمِ مطہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور اسی رفتار سے باہر بھی آنے لگے اور صحن میں موجود درختوں کے نیچے جمع ہونے لگے۔ وہ لوگ جو صحن میں بیٹھے تھے، وہ بھاگ بھاگ کر ان کے پاس پہنچنے لگے۔

میں نے حرم کے ایک خادم کو آواز دی: وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس سے پوچھا: کیا ہوا ہے؟

اس نے جواب دیا: آئمۂ معصومینؑ سے معجزہ صادر ہوا ہے کہ بغداد کی رہنے والی ایک اہل سنت خاتون کا ایک شخص سے پیسوں کے لین دین پر جھگڑا تھا، اس شخص نے اُس عورت سے کہا: میرے پیسے دے دو یا حرمِ مطہر میں جا کر ضریحِ مقدس پر ہاتھ رکھ کر کہہ دو کہ میں بری الذمہ ہوں۔

اس جھوٹی عورت نے ضریحِ مقدس کی جالی پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا: میں تمھاری مقروض نہیں ہوں۔ صرف قسم کھانے ہی سے اس کی حالت بدل گئی اور اس کا ہاتھ ضریحِ مقدس کی جالی کے ساتھ چمٹ گیا۔ میں نے اور پانچ دوسرے خدام نے بڑی کوشش سے اس کا ہاتھ چھڑایا مگر کام یاب نہ ہو سکے۔

چند لمحے تو وہ بات کرنے کی طاقت سے محروم رہی۔ پھر اچانک اس نے زبان کھولی اور کہا: اے موسیٰؑ ابن جعفر علیہ السلام! "دَخِیلَ، دَخِیلَ" اسی وقت اس کا ہاتھ ضریح سے علیحدہ ہو گیا۔ وہ عورت بے حس و حرکت اور بے زبان سی زمین پر جا گری۔ اسے پانی کے حوض کے پاس لایا گیا۔ یہ لوگ اس کا تماشا ہی تو دیکھ رہے ہیں۔ میں بھی اُٹھ کر حوض کی طرف چل پڑا۔ چند خدام نے راستا بنایا اور یوں میں اس عورت کے نزدیک پہنچنے میں کام یاب ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا بدن اس طرح ہو رہا تھا جیسے وہ دیگ میں ڈالی گئی ہو اور پھر ایسے کھولتے ہوئے پانی میں اُبالا گیا ہو۔ وہ کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ ایک خاتون نے اسے جھولی میں بھر رکھا تھا۔ استنبول کی فوج کے چند ذمہ دار افراد وہاں موجود تھے۔

میں ایک سے پوچھا: اس عورت کی یہ حالت کیوں ہوئی ہے؟

میں نے ایک سے پوچھا: اس عورت کی یہ حالت کیوں ہوئی ہے؟

اس نے جواب دیا: یہ عورت حق کی انکاری ہوئی ہے اور اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جھوٹی قسم کھائی ہے اس لیے اس انجام کو پہنچی ہے؟

میں نے کہا: آپ نے آلِ رسولؐ کے معجزات کو دیکھا ہے؟

اس نے جواب دیا: ہم نے آلِ رسولؐ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے لاتعداد معجزات و کرامات دیکھے ہیں جوان کا انکار کرتا ہے وہ مسلمانوں کی صفوں سے خارج ہو جاتا ہے۔

پھر اس عورت کے رشتہ دار اسے بغداد لے گئے وہ عورت قبلہ شریف کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہی تھی۔ میں توبہ کرتی ہوں۔

میں نے اس صاحب منصب سے کہا: یہ دخیل ہوئی ہے امکان ہے کہ ہلاک نہیں ہوگی۔

وہ کہتا ہے: ایسا نہیں ہے یہ آج رات یا کل ضرور مر جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ وہ عورت اُس رات مر گئی اور اس کی خبر کاظمین پہنچی۔

## منصور دوانیقی کی زبانی معجزۂ امیر المومنین علیہ السلام

یہ تین وہ قصے تھے جو میں نے خود دیکھے تھے۔ میں ان شاء اللہ اس صدی میں رُونما ہونے والے معجزات پر ایک علیحدہ کتاب بھی تحریر کروں گا۔ جب کہ میں اس حصے (فصل) کو ختم کر رہا ہوں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی منقبت اور فضیلت سے مزین کرتے ہوئے میں نے یہ داستان کسی دوسری کتاب میں ذکر نہیں کی لہٰذا اس حصے میں اس کا تذکرہ ضروری خیال کیا ہے تاکہ شیعیان و محبان کی نگاہیں اس سے منور ہو سکیں چوں کہ ہمیں ایک دفعہ پھر مصائب آلِ محمدؐ کے دریا میں شناوری کرنی ہے۔

میرے ثقہ اور سچے دوستوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک رات کا واقعہ ہے جب رات کا تیسرا پہر ڈھل گیا تو منصور دوانیقی نے اپنے ایک خادم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فلاں معروف شیعہ کو بلا کر لے آؤ۔ جب خادم اس شیعہ عالم کے گھر آیا اور خلیفہ کا حکم سنایا تو وہ شیعہ عالم یہ خیال کرنے لگا کہ منصور کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ مجھے حکم دے گا کہ امیر المومنینؑ کے فضائل

سناؤ۔ اگر میں سناؤں گا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اور اگر نہیں سناؤں گا تو پھر بھی قتل کر دے گا۔
نتیجتاً وہ اپنے ہم راہ سدر (بیری کے پتے) اور کافور بھی لے گیا۔ جب وہ منصور دوانیقی کی محفل میں پہنچا تو منصور نے حکم دیا: بیٹھ جاؤ اور پھر کہا: میں تم سے سدر اور کافور کی بو سونگھ رہا ہوں۔

اس شخص کے ذہن میں جو خیالات آئے تھے اس نے بالکل سچ سچ بیان کر دیے۔

منصور دوانیقی مسکرایا اور کہنے لگا: تجھے بلانے کا مقصد یہ نہیں ہے بل کہ میں تجھے فضائل ومناقب امیر المومنین علیہ السلام میں ایک قصہ سنانا چاہتا ہوں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ سنا اس لیے رہا ہوں تا کہ تم مزید لوگوں کو سنا سکو۔

منصور دوانیقی نے کہا: حکومت بنی اُمیہ کے زمانے میں چند مشہور و معروف بنی ہاشمؑ بنی اُمیہ سے عداوت رکھنے کے جرم میں در بہ در ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ میں خود بھی ان میں شامل تھا ہم دُور دراز علاقوں میں نکل گئے اور لوگوں سے اپنا نام اور نسب چھپانے لگے۔ ہم ایک شہر سے دوسرے شہر خانہ بدوشوں کے انداز میں سفر کرنے لگے۔

میں ان دنوں دمشق کی طرف چلا گیا اور بدترین حالات میں زندگی بسر کرنے لگا۔ میں خوف و ہراس کے سبب دمشق شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا اور شہر کے مضافات میں حیوانات کے مانند آب و گیاہ پر گزر بسر کر رہا تھا۔ مجھے جنگلی درندوں کے خوف سے نیند نہیں آتی تھی۔ میں غروب آفتاب کے وقت شہر سے باہر ایک قبرستان میں آ جاتا۔ وہاں میں نے ایک سرداب (تہ خانہ) تلاش کر لیا تھا' جہاں رات بسر کرتا تھا۔ جوں ہی صبح ہوتی میں صحرا کی خاک چھاننے لگتا۔ رات پھر وہی آب و گیاہ پر بسر ہوتی۔ اسی طرح ایک مدت تک حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے۔

ایک دن میں روزمرہ کی طرح صحرا سے قبرستان آیا اور ابھی اس تہ خانے میں بیٹھا ہی تھا کہ میں نے ایک چیخ کی آواز سنی اور دمشق شہر سے لوگوں کا ہجوم آتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پیچھے لوگوں کی کثیر تعداد ہاتھ باندھے چلے آ رہی ہے۔ مجھ پر خوف و ہراس کا غلبہ ہو گیا۔ میں تہ خانے کے ایک مزید تاریک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ایک سوراخ سے

سارے منظر کو دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ پوش تابوت لایا جا رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بنی اُمیہ کے کسی اہم فرد کا جنازہ ہے۔ لوگ تہ خانے کی طرف آئے وہاں پہنچ کر انھوں نے جنازہ رکھا۔ اس وقت خوف و ہراس سے مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ لگتا تھا کہ میرے دل میں سوراخ ہو جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔ میں اس سرداب تہ خانے کے مزید تاریک حصے کی طرف چلا گیا۔ وہ لوگ آئے اور جنازہ اس تہ خانے میں رکھ کر تہ خانے کو مٹی اور لکڑیوں سے بند کر دیا۔ اب تو روشنی اور ہوا کے تمام راستے گویا بند ہو کر رہ گئے۔

تہ خانے میں تاریکی اور اندھیرا چھا گیا کہ اچانک وہ سرداب روشن ہو گیا اور ہر طرف ایک نور سا دکھائی دینے لگا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ چھوٹا سا تہ خانہ بہت بڑا ہو گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دو ہیبت ناک افراد نے اس شاہی جنازے کے سرہانے ایک تخت رکھا۔ پھر ایک عظیم الشان اور جلیل القدر شخصیت آ کر اس تخت پر تشریف فرما ہوئی۔ وہ شخصیت سرتاپا بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں شخص اس کے سامنے بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ بالکل خادمانہ انداز میں کھڑے تھے کہ اس عظیم الشان شخصیت نے حکم دیا:

شما دماغ هذالميت

"اس میت کے مغز کو تلاش کرو۔"

انھوں نے اس میت کے دماغ کو تلاش کرنے کے بعد عرض کیا: یا امیر المومنین علیہ السلام! اس کے دماغ میں خیر نامی کوئی چیز نہیں بل کہ یہ تو فاسد اور باطل افکار کا مجموعہ بنا ہوا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اس کی آنکھوں کو دیکھو۔

انھوں نے جواب دیا: یا امیر المومنینؑ! اس کی نگاہوں میں بھی خیر کے آثار نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: اس کے کان دیکھ لو۔

انھوں نے عرض کیا: یہ بھی خیر کے آثار سے بالکل خالی ہیں یہ تو صرف اور صرف غنا و موسیقی سننے، نامحرموں کی آوازیں سننے اور مومنین کی غیبت کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: ٹھیک ہے اس کے ہاتھوں کو دیکھ لو۔

انھوں نے جواب دیا: ان میں بھی خیر کے آثار نہیں ہیں۔ یہ بھی تو مسلسل حرام کاموں کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں۔

فرمایا: اس کے پاؤں دیکھ لو اور سونگھ لو۔

انھوں نے پھر جواب دیا: یہ بھی خیر سے خالی ہیں۔

پھر فرمایا: اس کے قلب کو سونگھ لو۔

انھوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین علیہ السلام! اس کے دل میں آپؑ کی محبت کا ایک ذرہ موجود ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ قَدنَجِي

''اس شخص نے گویا نجات پالی ہے۔''

پھر فرمایا: اسے چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔

میں نے دیکھا: تھوڑی دیر بعد اس تہ خانے میں پھر وہی اندھیرا چھا گیا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے بڑی کوشش کے بعد ایک ٹکڑا اس کے دروازے سے ہٹا سکا۔

یہ داستان وہ ہے' جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور کانوں سے سنا ہے۔ اب تم میری طرف سے مامور ہو کہ لوگوں کو یہ داستان سناؤ۔

پس کسی نے بہت خوب کہا ہے:

والفضل ماشهدت به الاعداء

''فضیلت وہ ہوتی ہے' جس کا دشمن بھی اقرار کرے۔''

وَالحَمدُلِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ

یہ فصل ختم ہوئی۔ اب ہم دوبارہ مصائب اہل بیتؑ کا آغاز کرتے ہیں جو اس کتاب کی اہم ترین فصل ہے۔

……✹……

## فصل دوازدہم

# سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد رُونما ہونے والے عجیب و غریب واقعات

# فصل کا مقدمہ

عجیب وغریب اور خارق العادہ قسم کے واقعات (جو آیاتِ عبدہ اور معجزاتِ جلیلہ ہیں)
آپؑ کی شہادت بلکہ زین ذوالجناح سے زمین کربلا تک پہنچنے کے بعد سے لے کر اہل بیتؑ رسولؐ کی شام سے مدینہ واپسی تک ایک تسلسل کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں، جن کی تعداد حساب وکتاب اور اعداد وشمار سے ماوراء ہے۔

ان میں سے بعض آثار کا تعلق آپؑ کے جسد انور اور آپؑ کے نورانی خون سے ہے اور بعض کا تعلق حرمِ رسولِ خداﷺ سے ہے۔ یہ واقعات عالم غیب (عالم برزخ اور جنات) میں بھی وقوع پذیر ہوئے ہیں اور اس دنیا میں بھی ان کو آسمانی واقعات اور زمینی واقعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بعض معجزات اپنے اختتام کو پہنچ گئے ہیں اور بعض قیامت تک جاری رہیں گے جیسے شفق کی سرخی یا قزوین کے ایک گاؤں میں روزِ عاشور خون کا درخت سے جاری ہونا یا پھر شام کے ایک شہر میں پتھر سے بنے شیر کی آنکھوں سے روزِ عاشور خون کا جاری ہونا وغیرہ۔

شہادتِ امامؑ کے باعث تمام عوالم میں جیسے عرش، کرسی، اہل ملکوت، ملائے اعلیٰ زمین سب پر عجیب وغریب اور عظیم الشان واقعات رُونما ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض معجزات وقوع پذیر ہو کر اختتام پذیر بھی ہو گئے ہیں (ان کی تعداد بھی بے حساب ہے) اور بعض ایسے ہیں جو قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔ یہ بھی کثیر تعداد میں ہیں۔

بعض واقعات ایسے ہیں جو ہر سال اور ہر ماہ وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ کوئی سال، مہینہ، ہفتہ، دن، ساعت اور لحہ ان سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جیسے مومنین کے قلوب کا غم حسین علیہ السلام میں جلنا، عزاداری امام علیہ السلام کے موقع پر اشک بہانا، محافل ومجالس اور ضریح مقدسِ امام علیہ السلام کی زیارت کے دوران میں۔

## سراقدس کے معجزات

اس حصے میں ہم ان اُمور پر بحث کریں گے' جن کا تعلق آپؑ کی شہادت سے رہا ہے۔ جن کی طرف ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں کہ آیات اور روزِ عاشور کے آثار (چاہے عالم ملکوت میں ہوں یا ملائے اعلیٰ میں یا عالم زمین اور شہود میں واقع ہوئے ہوں) کی روشنی میں بحث کریں گے۔

جب شمر (لعنتی) نے سراقدس کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا اور اسے ہاتھ میں پکڑ کر جا رہا تھا تو یہ کہہ رہا تھا: خدا کی قسم! میں نے وہ سر بدن سے جدا کیا ہے۔ جس کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ باپ" ماں" بھائیؑ اور چچاؤں" کے لحاظ سے افضل ترین خلق ہے۔ پھر اس ملعون نے تکبیر بلند کی اور سارے لشکر نے اس کا ساتھ دیا۔ تین دفعہ زمین ہل کر رہ گئی۔ آسمانوں پر تاریکی اور ظلمت چھا گئی۔ آسمانوں سے خون کی بارش برسی اور آسمانوں ہی سے ایک منادی نے ندا دی:

قتل واللّٰہ الإمام ابن الامام اخوا الامام قتل واللّٰہ الھمام ابن الھمام الحسینؑ بن علی ابی طالبؑ

"خدا کی قسم! اسے قتل کیا گیا ہے جو امامؑ ابن امامؑ اور اس کا بھائیؑ بھی امامؑ۔ خدا کی قسم اسے قتل کیا گیا ہے جو بزرگ وار اور بلند اور بزرگ وار و بلند ہمت کا فرزند ہے۔ یعنی حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو قتل کیا گیا ہے۔"

اس وقت سیاہ آندھیاں چلیں۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی اور سرخ غبار نظر آنے لگا۔ کوئی چیز نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ لشکر اشقیا نے سوچا کہ شاید عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ایک گھنٹے تک یہی صورت حال رہی۔ پھر جا کر غبار ختم گیا اور آسمان صاف ہو گیا۔

تمام علمائے کرام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب سید الشہداء علیہ السلام شہید ہو گئے تو ایک آدمی میدان میں آیا۔ سارے لشکر نے اسے دیکھا۔ اس نے بلند آواز میں فریاد کی: اسے سارے لشکر نے منع کیا تو اس نے جواب دیا: میں کیوں نہ فریاد کروں جب کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ کبھی زمین کی طرف دیکھتے

ہیں اور کبھی تم لشکر والوں کی طرف' مجھے ڈر ہے کہ کہیں رسول کائنات ﷺ' بارگاہِ خداوندی میں اپنے ہاتھ نہ اُٹھالیں اور تم پر عذاب نازل ہونا شروع ہو جائے۔ جس سے زمین و آسمان والے سب ہلاک ہو کر رہ جائیں گے۔

بعض اہل لشکر نے دوسروں سے کہا: ارے! یہ شخص دیوانہ ہے۔

جب کہ اکثریت پشیمان تھی۔ انھوں نے کہا: یہ کتنا بڑا ظلم ہے جو ہم نے اپنے حق میں کیا ہے۔ وہ بھی ابن زیاد (لعنتی) کی خاطر ہم نے تو جوانانِ اہل جنت کے سردارؑ کا قتل کیا ہے۔

یہی وہ لوگ تھے جو توابین اور نادمین تھے' جنھوں نے خروج کیا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے خدمتِ امامؑ میں عرض کیا: وہ شخص کون تھا' جس نے میدان میں فریاد کی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: وہ شخص حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور فرمایا: اگر رسولؐ خدا اذن دیتے تو ایسی ہی ایک چیخ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام' ان کی اُرواح کو ان کے جسموں سے الگ کر کے رکھ دیتے اور وہ سب کے سب دوزخ کی آگ میں پہنچ جاتے۔

لیکن خدا نے انھیں مہلت دی ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں کو جی بھر کے انجام دے سکیں۔

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا عذاب تمام اہل جہنم سے زیادہ ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب سید الشہداء علیہ السلام (بوقتِ آخر) زمین کربلا پر اُترے تو ایک گروہ نے ان پر تلواروں' نیزوں سے حملہ کر دیا اور کئی افراد آپؑ کا سر تن سے جدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر خداوند کریم کی طرف سے ایک منادی نے ندا دی: اے ظالم اُمت! پیغمبر ﷺ کے بعد خدا تمھیں نمازیں' نمازِ عید الفطر' نمازِ قربان (امام معصومؑ کی امامت) میں پڑھنے کی توفیق نہیں دے گا۔

پس سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد انھیں یہ توفیق نصیب ہوئی ہے نہ ہو گی۔ یہاں تک کہ امامِ زمانہ علیہ السلام تشریف لے آئیں' جو منتقم خونِ سید الشہداء علیہ السلام ہیں۔

بعض محدث علما نے نقل کیا ہے: راوی نے ابوجعفر ثانیؑ کی خدمت میں عرض کیا: آپؑ

پر نثار ہو جاؤں۔ اہل سنت آپؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انھیں (قاتلانِ حسینؑ کو) روزے کی توفیق نہیں ہوگی۔

آپؑ نے فرمایا: جان لو کہ ملائکہؑ میں سے ایک ملک کی دعا خدا کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے ان کے سلسلے میں اور خدا نے ملک کو حکم دیا ہے کہ ندا دو اور ملک نے ندا دی ہے اور کہا ہے: اے ظالم اُمت! اے عترتِ پیغمبرؐ کے قاتلو! خدا تمھیں روزہ اور نمازِ فطر کی توفیق عطا نہ کرے۔

اُوپر والی حدیث میں نمازِ عید فطر اور نمازِ عیدِ قربان دونوں کا تذکرہ ہے۔

## دو سوال اور ان کے جوابات

یہاں جو سوال اُٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی سوال کرے اور کہے کہ اہل سنت تو وقتِ شہادتِ امامؑ موجود ہی نہ تھے۔ ان کا اس شہادت میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ پھر انھیں نماز روزہ اور نمازِ عیدین کی توفیق نصیب نہیں ہوگی؟ اسی طرح یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ موفق نہ ہونے سے مراد کیا ہے کہ انھیں روزہ اور نمازِ عید نصیب نہیں ہوگی؟ چوں کہ آئمۂ اطہارؑ نے ارشاد فرمایا ہے اور فرشتوں نے جواب دیا ہے: قیامت تک انھیں روزہ، نمازِ فطر و قربان کی توفیق نصیب نہیں ہوگی۔ درحالاں کہ ہم جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ ان کی اکثریت روزے بھی رکھتی ہے اور نمازِ عیدِ فطر اور نمازِ عیدِ قربان بھی ادا کرتی ہے۔

ہم اس سوال کا جواب خدا کی دی ہوئی طاقت و توانائی سے شروع کر رہے ہیں۔ مخالفین اہل بیتؑ اگرچہ دمِ شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقت موجود نہیں تھے، جب کہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ حضرات، یزید اور ابن زیاد کے لشکر میں موجود نہیں تھے اور پھر بھی فرشتوں کی لعنت کے حق دار اس لیے ٹھہرے ہیں کہ یہ حضرات، علیؑ مولا کے سیاسی حریفوں کی امارت و سیاست کے قائل ہیں اور یہ ان حضرات کے ہر قسم کے کردار اور گفتار کو مانتے بھی ہیں اور اس کا مکمل دفاع کرتے ہیں۔ چوں کہ انھی حضرات نے درحقیقت شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اساس رکھی اور اسارتِ آلِ محمدؐ کی بنیاد کو مستحکم کیا تھا گویا ان کی خلافت و امامت پر عقیدہ رکھنا ابن زیاد کے لشکر میں شرکت کے مترادف ہے۔

اس کے علاوہ دشمنانِ فرزندِ رسولؐ کے اکابرین اور رؤسا نے اہل بیتؑ رسولؐ پر گریہ کرنے اور عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کے عدم جواز کے فتوے لگائے ہیں اور اس کے ساتھ یزید پر لعنت کرنے کو بھی انھوں نے جائز نہیں قرار دیا ہے۔ پس اگر کوئی انصاف سے کام لے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ دشمنانِ آلِ اطہارؑ اور دوسرے مخالفین کا یہ ظلم کسی بھی طریقے سے ابن زیاد کے لشکر میں شرکت سے کم نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ کچھ لوگ قیامت تک روزہ اور نمازِ عیدِ قربان کے سلسلے میں موفق ہوئے ہیں نہ ہوں گے۔ چوں کہ یہ ہمیشہ مغرب سے چند منٹ پہلے روزہ افطار کر لیتے ہیں اور سارا رمضان دیر سے روزہ بند کرتے ہیں۔

اور یہ رمضان کا آخری روزہ بھی نہیں رکھتے ہیں کیوں کہ چند فاسق اور کاذب قسم کے لوگ اپنے (حکومتی) ذمہ داروں اور علما کے پاس پہنچ جاتے ہیں کہ انھوں نے عید کا چاند دیکھ لیا ہے جب کہ انھوں نے دیکھا نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آخری دن روزہ رکھنے کے بجائے عید کرتے ہیں۔

اس لحاظ سے انھیں نمازِ عید کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح نمازِ عیدالاضحیٰ کی وجہ بھی بالکل واضح ہے۔ چوں کہ ہمیشہ یا اکثر اوقات یہ نمازِ عیدِ قربان کو یومِ عرفہ قرار دیتے ہیں۔ چوں کہ چاند دیکھنے کی جھوٹی گواہی یہاں بھی چلتی ہے۔ یہ فیصلہ تو انھوں نے کرنا ہے اور ان کے علما اور ذمہ داروں نے کرنا ہے۔

ان تمام حالات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبادات کے صحیح ہونے کی شرط اور ان کی قبولیت کی شرط (رسولؐ) آلِ رسولؐ کی ولایت کو قبول کرنا ہوتا ہے اور آلِ رسولؐ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار (تبرا) کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ دشمنانِ اہل بیتؑ اس سلسلے میں اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے: وہ فرشتہ جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ تک پہنچائی، گویا فردوسِ اعلیٰ سے نیچے اترا۔ اس نے اپنے پر و بال کو اس

دریا میں گر گیا اور روتا' چیختا' چلاتا رہا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا: اے اہل دریا! محزون و مصیبت والا لباس پہن لو۔ یہ سچ ہے کہ فرزند رسولؐ قتل کر دیے گئے ہیں۔ پھر وہ اپنے بالوں کے ذریعے مقتل گاہ سے تھوڑی سی تربت لے کر آسمانوں کی طرف گیا اور سارے فرشتے اس تربت کو سونگھنے لگے اور اس تربت پاک نے تمام ملائکہ پر گہرا اثر چھوڑا۔ تمام فرشتے رونا شروع ہو گئے اور ساتھ ساتھ پیاسے امامؑ کے قاتلوں پر لعنت شروع کر دی۔

## زیارتِ ناحیہ کے چند جملے

ہم یہاں امام زمانہ علیہ السلام کی زیارت مقدسہ ناحیہ سے چند جملے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جن میں امام زمانہ علیہ السلام نے اپنے جدِ بزرگوار سید الشہداء علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

فَقَامَ نَاعِيكَ عِنْدِ قَبْرِ جَدِّكَ الرَّسُولِ فَنَعَاكَ إِلَيْهِ بِالدَّمْعِ الْهَطُولِ قَائِلاً يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُتِلَ سِبطُكَ وَفَتَاكَ وَ استُبِيحَ اَهْلُكَ وَ حِمَاكَ وَ سُبِيَت بَعدَكَ ذَرَارِيكَ وَوَقَعَ الْمَحذُورُ بِعِترَتِكَ وَ ذَوِيكَ فَانزَعَجَ الرَّسُولُ وَبَكٰى قَلبُهُ الْمَهُولُ وَ عَزَّاهُ بِكَ الْمَلَائِكَةُ وَ الْاَنبِيَاءُ وَ فُجِعَت بِكَ اُمُّكَ الزَّهرَآءُ وَ اختَلَفَت جُنُودُ الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبِينَ تُعَزِّى اَبَاكَ اَمِيرَالْمُؤمِنِينَ وَاُقِيمَت لَكَ الْمَاتِمُ فِي اَعلٰى عِلِّيِّينَ وَلَطَمَت عَلَيكَ الْحُورُ الْعِينُ وَبَكَتِ السَّمَآءُ وَسُكَّانُهَا وَالْجِنَانُ وَ خُزَّانُهَا وَالْاَحضَابُ وَ اَقطَارُهَا وَالْبِحَارُ وَ حِيتَانُهَا وَ مَكَّةُ وَ بُنيَانُهَا وَالْجِنَانُ وَوِلدَانُهَا وَالْبَيتُ وَالْمَقَامُ وَالْمَشعَرُ وَ الْحَرَمُ وَالْحِلُّ وَالاِحرَامُ

امام زمانہ علیہ السلام کی لسانِ اقدس سے ادا ہونے والے یہ جملے شیعیانِ علی علیہ السلام و حب داران و عزادارانِ حسینؑ کے جگر کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

"آپؑ کی شہادت کی خبر دینے والا قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس آ کھڑا ہوا

(خبر دینے والا فرشتہ ہے یا کوئی مومن جن ہے یا پھر انسان جب کہ پہلا نظریہ زیادہ قوی ہے)۔ اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے التجا کی: "فَنَعَاكَ إِلَيه...... " یعنی شہادت کی خبر رسول پاک ﷺ تک پہنچائی گئی۔ اس طرح کے چشموں سے اشک جاری ہیں اور یوں گریہ کرتے ہوئے کہا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کے جوان نواسے کو قتل کر دیا گیا۔ آپؐ کے اہل وعیال کے جان و مال کو مباح قرار دے دیا گیا۔

یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کے بعد آپؐ کی ذرّیت کو قیدی بنا لیا گیا ہے اور آپؐ کی عترت واہل بیتؑ کو شدید مصایب سے دوچار کیا گیا۔

جب خبر دینے والے نے یہ الفاظ کہے تو سردار الانبیاءؐ مضطرب ہو گئے۔ آپؐ کا قلب مبارک حزن و ملال سے بھر گیا۔ آپؐ نے گریہ شروع کر دیا۔ اس وقت تمام ملائکہؑ اَرواحِ انبیاءؑ آپؐ کی خدمت میں پہنچی اور آپؐ کی خدمت میں تسلی وتشفی دینے کی کوشش کی گئی۔ آپؐ کی مادر گرامی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا دل بھی آپؑ کی شہادت کی خبر سن کر جل اُٹھا۔ پھر ملائکہؑ جُوق در جُوق آپؑ کے پدر گرامی امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں تعزیت کرنے کے لیے پہنچے اور انھیں بھی آپؑ کے مصائب کی بابت تسلی دی۔

اعلیٰ عِلّیّین میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ حور العین نوحے پڑھنے لگیں۔ سینے اور چہروں پر ماتم کرتے ہوئے بین کرنے لگیں۔ آسمانوں کے رہنے والوں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں، دریاؤں کی مچھلیوں، مکہ اور مکہ کے جنات، ولدان اور غلمان، بیت اللہ، مقام، مشعر، حرم، حلہ و احرام سب نے آپؑ پر گریہ کیا۔"

## چند روایات

ایک دوسری روایت جو حضرت میثم تمار رضی اللہ عنہ سے نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں: مولا امیر المومنین علیہ السلام نے مجھے خبر دی اور فرمایا: یہ سچ ہے کہ یہ اُمت اپنے نبی ﷺ کے فرزندؑ کو قتل

کرے گی اور اس مظلومؑ پر تمام موجودات گریہ کرے گی۔ حتیٰ کہ صحراؤں کے درندے' دریاؤں کی مچھلیاں' فضاؤں میں موجود پرندے آسمان' آفتاب' چاند' ستارے زمین اور مومنین' جن و انس آسمان و زمین کے ملائکہؑ' رضوان' ملک' حاملانِ عرش سب گریہ کریں گے۔ آسمان سے خاکستری رنگ کا خون نازل ہوگا۔ قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کرنا واجب ہو گیا ہے' جس طرح مشرکین' کافرین' یہودیوں اور نصاریٰ اور مجوسیوں پر لعنت کرنا واجب تھا۔

جب میثم تمار رضی اللہ عنہ' آپؑ سے یہ حدیث نقل کر رہے تھے تو جبلہ نامی ایک شخص نے کہا: **پھر اہل سنت اور دوسرے لوگ روزِ عاشور کو بابرکت دن کیوں شمار کرتے ہیں؟**

جب میثم تمار رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سنا تو شدید گریہ کیا اور فرمایا: ان کا گمان اور خیال باطل ہے۔ چوں کہ ان کی اساس وہ حدیث ہے' جو ان کی خود جعل کردہ ہے' جس میں وہ بیان کرتے ہیں: روزِ عاشور وہ دن ہے' جس دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حالاں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ ماہ ذی الحجہ میں قبول ہوئی۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں: روزِ عاشور وہ دن ہے' جس دن خدا نے حضرت یونس علیہ السلام کو شکمِ ماہی سے باہر نکالا گیا تھا۔ حالاں کہ یہ کام بھی ذی الحجہ میں ہوا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں: روزِ عاشور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی خشکی پر آکر لنگر انداز ہوئی' حالاں کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

ایک روایت میں مذکور ہے: سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد سورج اتنا سرخ ہو گیا تھا' جس طرح تازہ خون ہوتا ہے۔ بہت سارے جملوں میں بیان ہوا ہے۔ تب سورج کی شعاعیں جو دیواروں پر پڑتی تھیں وہ اس طرح نظر آتی تھیں' جیسے زعفرانی رنگ کیا ہوا کپڑا نظر آتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بیت المقدس سے ایک شخص نے کہا: بیت المقدس اور گرد و نواح میں کسی کو بھی شہادتِ حسین علیہ السلام کی اطلاع نہیں تھی۔ اس کے باوجود میں نے کوئی پتھر وغیرہ ایسا نہیں دیکھا' جس کے نیچے خون موجود نہ ہو۔ جو باقاعدہ اُبل رہا تھا اور جوش کھا رہا تھا۔ سارے گھر کی دیواریں سرخ تھیں اور تین دن تک تازہ خون برستا رہا۔ ہم نے سنا کہ آدمی

رات کو منادی نے ندا دی:

اترجوا امة قتلت حسینا شفاعة جده یوم الحساب

''کیا وہ لوگ جنھوں نے حسین علیہ السلام کو ذبح کیا' وہ بروزِ قیامت شفاعت کے اُمیدوار ہوں گے؟''

سورج تین دن مرجھایا رہا اور ٹھنڈا رہا۔ پھر جا کر کہیں روشن ہوا' آسمان کے ستارے ایک دوسرے کے ساتھ ہم کلامی کرتے رہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: شبِ شہادتِ امام علیہ السلام کرۂ ارض سے جب بھی کسی پتھر کو اُٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون ملتا جو بالکل تازہ ہوتا۔

قرطہ بن عبیداللہ کی روایت میں مذکور ہے: ظہر کے وقت آسمان سے خون کی بارش برسی۔ میں نے سفید عبا پہن رکھی تھی اور اسے زمین پر بچھا رکھا تھا۔ جب میں نے دیکھا تو ساری عبا پر خون لگا ہوا تھا۔ میں نے اُونٹوں کو پانی پینے کے لیے صحرا میں چھوڑا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو سب خون میں رنگین تھے۔ اس سارے عمل سے ہم نے کشف کر لیا کہ سیدالشہداء علیہ السلام کی شہادت ہو گئی اور اسود بن قیس سے روایت کی گئی ہے کہ مشرق اور مغرب کی طرف سے سرخ ہالہ اُٹھا۔ یہ دونوں سرخیاں اتنی بلند ہوئیں کہ آسمان کے وسط میں آ کر ایک دوسرے سے مل گئیں اور پھر چھے ماہ تک اسی طرح آسمان پر موجود رہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیتِ کریمہ ''فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: جو منقول ہے کہ یہ صحیح ہے کہ جب کسی نبیؑ کی روح قبض ہوتی ہے تو زمین و آسمان چالیس سال تک گریہ کرتے ہیں اور جب کسی امامؑ کی شہادت ہوتی ہے تو زمین و آسمان چالیس ماہ تک گریہ کرتے ہیں' اور جب کوئی عالم باعمل اس دنیا سے جاتا ہے تو زمین و آسمان چالیس دن تک گریہ کرتے ہیں۔ جب کہ شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جب تک دنیا موجود ہے' یہ دونوں گریہ کرتے رہیں گے۔ اس کا مصداق آپؑ کی شہادت والے دن آسمان سے خون کی بارش کا برسنا' مشرق کی سمت سے نمودار ہونے والی شفق کی سرخی جو اس سے قبل موجود

نہیں تھی۔ شہادت حسین علیہ السلام کے دن اگر دنیا کی کسی بھی جگہ سے پتھر اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون جاری ہو جاتا۔

بہت ساری روایات میں مذکور ہے کہ جس وقت سید الشہداء علیہ السلام شہید ہوئے تو سات آسمان اور جو کچھ سات آسمانوں میں ہے جنت' جہنم اور تمام موجودات عالم نے مظلوم کربلا علیہ السلام پر گریہ کیا' سوائے اہل بصرہ و دمشق کے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آسمان سے چالیس دن تک خون کا برسنا اور چالیس دن تک زمین پر سیاہ آندھیوں کا چلنا' سورج گرہن لگنا اور اس کا چالیس دن تک سرخ رہنا' یہ سب گریہ کرنا ہی تو ہے کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور دریا متغیر ہو گئے اور ملائکہ" چالیس دن تک گریہ کرتے رہے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام پر زمین و آسمان روئے اور سرخ ہو گئے۔ ان سب نے اس سے قبل صرف حضرت یحیٰی" بن زکریا کے لیے گریہ کیا تھا۔

جدہ علی بن سحر القرش کی روایت میں مذکور ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد آسمان علقہ (جمے ہوئے خون) کے مانند ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال ایک سال ۹ ماہ تک رہا۔ اس دوران میں سورج کی ٹکی نمایاں نظر نہیں آتی تھی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب سید الشہداء علیہ السلام ذبح ہوئے تو آسمان سے سرخ رنگ کی خاک نازل ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ راوی کہتا ہے: میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: آسمان کا گریہ کس طرح کا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جب بھی آسمان کی طرف کوئی کپڑا پھیلایا جاتا تو اس پر خون کے ذرات دیکھنے کو ملتے۔

نضرہ ازدیہ کی روایت میں منقول ہے: آسمان سے خون برسا۔ جسے رات سے دن تک دیکھا گیا ہے' ہماری ہر چیز' برتنوں وغیرہ پر خون جما ہوا تھا۔

اُم سلیم کی روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کر دیے گئے تو آسمان سے خون برسا۔ ہمارا گھر اور اس کی سب دیواریں خون سے رنگین ہو گئیں۔

آئمۂ اطہارؑ سے منقول بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جن و انس، پرندوں، درندوں سب نے گریہ کیا۔ جب وحشی درندوں کی طرف دیکھا جاتا تو وہ اپنی گردنیں جھکا لیتے اور قبر مظلوم کربلا علیہ السلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور وہ جس صنف سے تعلق رکھتے تھے، امام مظلوم علیہ السلام پر گریہ کرتے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوتے تھے۔ وہ رات سے صبح تک گریہ کرتے رہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے کہ اگر ہم جان جائیں کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے سبب سے دریا والوں پر، پہاڑوں، جنگلوں، آسمان والوں پر کتنا غم و اندوہ نازل ہوا ہے تو ہم اتنا گریہ کریں کہ ہمارے ابدان اَرواح سے محروم ہو جائیں اور ہم سب ہلاک ہو جائیں۔ کوئی بھی ایسا آسمان نہیں کہ جس سے سید الشہداء علیہ السلام کی روحِ مقدس گزری اور وہاں ستر ہزار فرشتوں نے گریہ نہ کیا ہو اور نیز قیام نہ کیا ہو جس سے آپؑ کے نورانی مفاصل میں ارتعاش پیدا ہوا ہو اور ملائکہؑ تو اس حالت پر قیامت تک گریہ کریں گے۔ کوئی ایسا بادل نہیں ہے جو گرجنے اور بجلی چمکانے سے قبل قاتلانِ حسین علیہ السلام پر لعنت نہ کرتا ہو۔ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس دن روحِ امامؑ، خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری نہ دیتی ہو اور وہ دونوں ہستیاں آپس میں ملاقات نہ کرتی ہوں۔

## دُکھیاری ماں کا گریہ

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے گریہ کرنے کی کیفیت مختلف روایات میں بیان کی گئی ہے: یہ سچ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے ہم راہ ہزار انبیاءؑ، صدیقین، ملائکہؑ اور کروبین ہوتے تھے، جو گریہ زاری میں مخدومۂ کونینؑ کی مدد کیا کرتے تھے۔

جب مخدومۂ کونینؑ ایک بین کرتیں تو آسمان پر کوئی فرشتہ ایسا نہ ہوتا جو آپؑ کے ہم آواز ہو کر بین نہ کرتا ہو اور بی بیؑ کو تب تک گریہ زاری سے آرام نہ آتا۔ جب تک رسول

پاک ﷺ آپؑ کے پاس تشریف لا کر یہ نہ فرماتے: اے میری بیٹی! تم نے آسمان والوں کو بھی رُلا دیا ہے۔ سب نے خدا کی تسبیح و تقدیس سے ہاتھ کھینچ لیا ہے' لہٰذا اب بس کرو تا کہ ملائکہؑ خدا کی تسبیح و تقدیس بجا لا سکیں۔

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے: جب مخدومۂ کونینؑ اپنے لختِ جگر پر گریہ فرماتیں اور جوں ہی آہ کھینچیں تو جہنمی لوگ تک بھی آہ کھینچتے۔ جہنم پر مامور فرشتے سہم جاتے کہ کہیں جہنمیوں کی یہ آہ! زمین پر بسنے والوں کو جلا کر راکھ نہ کر دے۔ وہ انھیں قید کر دیتے اور جہنم کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیتے۔ جب تک مخدومۂ کونینؑ محوِ گریہ رہیں' یہ اسی طرح بند رہے۔ آپؑ کے گریہ کے سبب دریاؤں میں طغیانی آ جاتی اور بعض دریاؤں کا پانی دوسرے دریاؤں میں داخل ہو جاتا اور دریا کا کوئی ایسا قطرہ نہیں' جس پر ایک فرشتہ مؤکل موجود نہ ہو۔

آئمۂ معصومینؑ ارشاد فرماتے ہیں: جب تک مخدومۂ کونینؑ محوِ گریہ رہتیں ملائکہؑ اور فرشتے بھی اخلاص و مہربانی کے سبب محوِ گریہ رہتے۔ ملائکہؑ کی صدا تضرع خدا کی خاطر بلند ہوتی' وہ خدا کے لیے تسبیح و تقدیس کرتے۔ اس امر کی علت یہ ہے کہ اس طرح پروردگار زمین والوں پر عذاب نہ بھیجے۔

تسبیح و تقدیس کے دوران میں فرشتوں کی آواز اس طرح ہوتی ہے کہ اگر ان کی آواز اہلِ زمین تک پہنچ جائے' سارے ہلاک ہو جائیں اور پہاڑ جڑوں سے اُکھڑ جائیں' زمین پر زلزلے آنے لگیں اور سب ہلاکت سے دوچار ہو جائیں۔

## اہلِ سنت کی روایات

اس باب میں نقل ہونے والی روایات بہت زیادہ اور حد و شمار سے باہر ہیں۔ اگرچہ اہلِ سنت سے منقول روایات' شیعوں سے منقول روایات سے تعداد میں زیادہ نہیں ہیں۔ مگر ان روایات کی ایک کثیر تعداد مؤرخ اہلِ سنت سے نقل کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض تاریخ نسوری میں مذکور ہیں جنھیں ابوقبیل سے روایت کیا گیا ہے کہ جب حسینؑ ابن علی علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو سورج گرہن لگ گیا۔ یوں لگتا تھا کہ ستارے دن کو طلوع کر رہے ہیں۔ لوگ یہ سوچنے لگے کہ

یہ تو قیامت کی نشانی ہے۔

اہل سنت کے بعض محدث فضلا نے جن میں زہری، ثعلبی اور مسلم نیشاپوری شامل ہیں، روایت کی ہے: جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کر دیے گئے تو آسمان نے گریہ کیا۔ شفق سے سرخی ظاہر ہوئی۔ یہ سرخی اس سے قبل موجود نہ تھی۔ چند دن تک آسمان سے خون برستا رہا اور روزِ شہادت تازہ خون برسا۔

عبداللہ بن احمد حنبلی نے حضرت اُمِ سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے ایک مسند روایت نقل کی ہے: حضرت اُمِ سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مٹھی بھر خاک عطا کی اور فرمایا:

"یہ خاک اس سرزمین کی ہے جہاں حسین علیہ السلام کو قتل کیا جائے گا، جب بھی یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو یقین کر لینا کہ میرا حسین علیہ السلام قتل ہو چکا ہے۔"

حضرت اُمِ سلمیٰؓ فرماتی ہیں: میں نے وہ خاک ایک شیشی میں محفوظ کر لی اور روزِ عاشور میں نے دیکھا کہ وہ خاک خون میں تبدیل ہو گئی۔

اہل سنت کے ایک فاضل حافظ ابوالحسن عثمان بن محمد بن ابی شیبۃ العبسی الکوفی فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث عیسیٰ بن حارث کِندی سے لی۔ وہ کہتے ہیں:

"جب حضرت امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تو سات دن تک جب ہم نمازِ عصر کے وقت سورج کی طرف نگاہ کرتے تو اس کی شعاعیں دیواروں پر پڑی ہوئی یوں دکھائی دیتیں کہ شاید دیواروں کو زعفران سے رنگین کیا گیا ہے۔"

ابن جوزی کی روایت جو ابن سرین سے لی گئی ہے، میں مذکور ہے:

"دنیا تاریک ہو چکی تھی اور ہر سُو سیاہی چھائی ہوئی تھی اور تین دن تک آسمان سے سرخی ظاہر ہوتی رہی۔"

اہل سنت کی بعض روایات میں مذکور ہے:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک آسمان سرخ رہا اور پھر آہستہ آہستہ

اس میں کمی آتی چلی گئی اور یہ موجودہ صورت حال ہے (البتہ شفق پر سرخی اب بھی موجود ہے)۔

مخفی نہ رہے کہ ابن جوزی شہادت حسین علیہ السلام کے بعد شفق کی سرخی کے راز اور علت کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں:

جب انسان غصے میں ہوتا ہے تو غصے کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں اور اس کی بڑی دلیل اس کے چہرے کا سرخ ہونا ہوتا ہے۔ جب کہ خداوند متعال تو جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اس لیے خدا کے غصے کے آثار جو حسینؑ ابن علی علیہ السلام کے قاتلوں پر نمودار ہوئے وہ شفق کی سرخی کی صورت میں ظاہر ہوئے تا کہ ان قاتلوں کو پتا چل سکے کہ انھوں نے کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

بہر حال اس باب میں شیعہ سنی فریقین کی طرف سے اتنی روایات جمع کی گئی ہیں، جو شمار کی حدود سے زیادہ ہیں۔ میں تو اتنا عرض کروں گا: لاکھوں ویل اور عذاب الٰہی ہوں ان لوگوں پر جو ان روایات کی کثیر تعداد کے باوجود بھی عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام اور گریہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر فتوے لگاتے ہیں اور اسے جائز نہیں سمجھتے ہیں اور وہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کو بدعت جانتے ہیں۔ اس طرح عذاب الٰہی ان لوگوں پر بھی نازل ہو جو اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں، محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ مگر عقائد کے لحاظ سے وہ مخالفین کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ چوں کہ جب ان کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل، درجات اور ارفع مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ اسے بعید خیال کرتے ہیں۔ وہ عزاداران مظلوم کربلا علیہ السلام کے لیے بھی اسی بُعد کے قائل ہیں۔ خدا کی پناہ!

## موجود اشیا کا گریہ

ہم یہاں حضرت امام حسین علیہ السلام پر موجودات عالم کے گریہ کے متعلق بحث پیش کریں گے: ہر شے کے رونے کا انداز اسی شے کی مناسبت سے ہوتا ہے اور ہر موجود شے کا گریہ دوسری موجود شے سے مختلف ہوتی ہے جیسے جنات، پرندوں، درندوں اور دوسرے حیوانات کا آپس میں تفاوت ہوتا ہے اس لیے کہ بعض اشیا کی آنکھیں ہیں، وہ انسان کے مانند آنسو بہاتی ہیں۔ ان

کی آنکھوں سے اشک ٹپکتے ہیں۔

اس باب میں جو روایات ہیں وہ اس پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ جب کہ ملائکہؑ کا گریہ حور وغلمان کا گریہ بظاہر وہ انسانوں کے مانند گریہ نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ گریہ کرنے میں زیادہ لطیف اور شریف ہوتے ہیں۔ جہنم کے گریہ کرنے کی روایات ہم نے مقدمہ میں ذکر کی ہیں۔

دریاؤں کے گریہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ ان میں تلاطم آ جاتا ہے اور موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگتی ہیں۔ جب کہ صحراؤں کا گریہ یہ ہے کہ وہ خشک ہو جاتے ہیں۔ چاند اور سورج کا گریہ یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آ جاتی ہے جیسے سرخ ہونا' زرد ہونا' کسوف وخوف وغیرہ۔ پہاڑوں کا گریہ کرنا' ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے۔ دیواروں کا گریہ ان کا گر جانا ہے۔ گھاس بھوس اور نباتات کا گریہ ان کا خشک ہو کر زرد ہو جانا ہے۔ درختوں کا گریہ ان پر پھلوں کا نہ لگنا یا کم لگنا ہوتا ہے۔ ان کے پتوں کا جھڑ جانا' ان کی شاخوں کا خشک ہو جانا ہوتا ہے۔ بادلوں اور بارشوں کا گریہ طوفان کی صورت میں ہوتا ہے۔ جب کہ آگ کا گریہ بھڑکنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اُفق کا گریہ اس کی سیاہی اور دھندلا پن ہے۔ معدنیات کا گریہ ان کی تباہی ہے۔ برتن اور ظروف ٹوٹ کر روتے ہیں۔

مسافروں کا گریہ راہ بھول جانا ہوتا ہے۔ جب وہ آشیانوں میں موجود پرندوں کی آوازیں بھی نہیں سنتے ہیں؟ کیا دریاؤں کا تلاطم' بچوں کا گریہ آدمی رات کے وقت آپ نہیں دیکھتے اور سنتے ہیں؟ کیا پہاڑوں کی شکست وریخت کنوؤں کے پانی کا نیچے چلے جانا' بارشوں کا کم ہونا' فاسد افکار کا بڑھ جانا' اختلاف آرا سے عمروں کا کم ہو جانا وغیرہ وہ رونے اور گریہ کرنے کے انداز میں جو حساب وکتاب میں ہی نہیں لائے جاتے۔

آسان الفاظ میں یوں کہیے کہ جس چیز پر کوئی نام صادق آتا ہے۔ چاہے وہ جوہر ہے یا عرض' قابل رویت ہے یا نہیں' اس کا تعلق محسوسات سے ہے یا غیر محسوسات سے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر روتی اور تا قیامت گریہ کرتی رہے گی۔

## ایک سوال اور ایک جواب

اس بحث میں ہم ایک سوال اور اس کے جواب کے متعلق بحث کریں گے۔ البتہ اس سے قبل ایک مقدمہ ضروری ہے۔ بالخصوص ان روایات کے متعلق جنھوں نے سیدالشہداء علیہ السلام پر گریہ کرنے کی بابت کسی قسم کے استثنا سے کام نہیں لیا ہے سوائے تین چیزوں کے کہ بصرہ' دمشق اور آلِ عثمان۔ حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ نہیں کریں گے۔ جب کہ باقی ہر شے اور ہر فرقہ کا گریہ کرنا متحقق ہو چکا ہے اگر کوئی انسان دنیا کے کسی دُور دراز کے علاقے میں میں صحرا اور بیابانوں میں بھی زندگی بسر کر رہا تھا اور ان کا تعلق یہود و نصاریٰ' مجوسیوں' بت پرستوں اور مشرکین سے تھا۔ پھر بھی اس کا گریہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اس مقدمہ کے بعد یہ سوال اُٹھتا ہے کہ آپ کس طرح تصور کریں گے کہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی خبر تمام انسانوں تک فرد واحد تک بھی پہنچ گئی ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے: امامؑ کا مقام جانشین خدا' خلیفۃ اللہ والا ہے۔ جو تمام اعضاء و جوارح میں دل کا ہوتا ہے اور دوسرے اعضائے بدن روح اور مغز وغیرہ عوالم اِمکان میں کرۂ ارض پر موجود قلب کے مقام پر ہیں۔ جب کوئی ایسی شخصیت قتل ہوتی ہے تو ہم نے جس کیفیت کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے' اس کے ساتھ تو اس کی وجہ سے عوالم اِمکان میں سب کچھ ایجاد ہو جاتا ہے۔ بل کہ وہ تو منہدم ہونے لگتے ہیں اور نابودی کے نزدیک ہو جاتے ہیں۔

جب کہ پروردگار اپنی اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے ان عوالم کی حفاظت کرتا ہے۔ انھیں تباہ ہونے سے بچالیتا ہے۔ البتہ ان میں کم ترین درجے کے آثار ضرور نمایاں ہوتے ہیں مثلاً اِضطراب و تزلزل' ان عوالم میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک حالت کا نام بکا ہے۔ جس کی وجہ سے تمام افراد گریہ و بکا کرنے لگتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ عجیب و غریب حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس سے خوف و ہراس والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے سورج گرہن' چاند گرہن' ستاروں کا بجھ کر تاریک ہو جانا' آسمانوں پر سرخی کا چھا جانا وغیرہ۔

بہرحال اخبار و آثار کے ظواہر سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ ولایت کے آثار ساری

چیزوں میں اور تمام موجودات میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ جس کے سبب سے مومن و کافر کے فرق کے بغیر سب کے اندر گریہ و بکا والی کیفیت عود کر آتی ہے۔ پھر حاضر و غائب' نزدیک و دُور' مومن و کافر' جن و انس سب گریہ کرنے لگتے ہیں۔ چوں کہ اس کا سبب وہ آلات باہرہ ہوتے ہیں جو ساری دنیا کے مختلف نقاط پر دیکھے جا سکتے ہیں اور تمام انسان حتیٰ کہ فرد واحد بھی جن کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس سوال کا تحقیقی جواب یہی تھا۔ اب اگر ہم تمام موجودات کے لیے قلبی الہامات کے قائل ہو جائیں (جیسا کہ حیوانات کے اندر بھی ایسا ہونا ثابت ہے) اور اسے دلائل و شواہد پر اضافہ سمجھیں تو ہمارا جواب مزید مکمل ترین صورت اختیار کرے گا اور اگر ہم یہ کہیں گے ساری دنیا پر جنات کے ذریعے خبر پہنچی ہے۔ جنھیں آپ طیارہ اور سیارہ کا نام بھی دے سکتے ہیں تو پھر ہمارے دلائل میں مزید اضافہ اور اور جواب کامل ترین ہو جائے گا۔ بالکل واضح ہے کہ اس حصّے میں گریہ و بکا اور پھر تمام جن و انس کا شہادت کے موقع پر گریہ کرنا بالکل ثابت ہے۔

ایک دوسری قسم بھی موجود ہے کہ جب دنیا کے مختلف نقاط پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کی خبریں پہنچیں۔ لوگ اس ظلم و بربریت سے آگاہ ہوئے تو پھر بھی گریہ ہوا۔ مگر اس حصّے میں عمومیت موجود نہیں ہے۔ یہ تمام انسانوں کو شامل نہیں ہو سکتی۔ پس واضح ہو گیا کہ وسعت و عموم صرف قسم اوّل میں ہے۔ جب وہ ایک ایک فرد کو دنیا کے ہر حصّے میں محیط ہو جاتی ہے۔ تب تیسرا بیان کہ ان روایات میں اِختلاف موجود ہے۔ جس سے یہ نتیجہ وجود میں آتا ہے کہ آسمان کا گریہ اس کی مدت اور کیفیت زمین کی ظلمت و تاریکی وغیرہ اس کی مدت میں ایک واضح اِختلاف سامنے آتا ہے۔

ہم اس کی وضاحت اس طرح بیان کریں گے کہ اگرچہ گریہ و بکا والی روایات جو آسمان کے گریہ کے متعلق ہیں۔ ان میں اس کے رونے کی مدت اور کیفیت دونوں میں اِختلاف سامنے آ رہا ہے۔ مگر جب تدبر و تامل سے کام لیا جائے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کے اِختلاف سے تضاد و تناقض ثابت نہیں ہوتا۔

اس کی تشریح اس طرح ہوگی کہ وہ روایات جو خون کی بارش برسنے پر صراحت سے دلالت کر رہی ہیں وہ اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ یہ بارش مختلف شہروں کے مختلف مقامات پر دیکھی گئی ہے کہ سارے کرۂ ارض پر اور یہ اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے' بارش برسنے کا زمانہ جاری وساری یا مسلسل جاری نہیں رہی ہے' لہٰذا روایات میں اِختلاف اس نوعیت کا ہے کہ بعض روایات کہتی ہیں: آسمان سے تازہ خون برسا اور بعض کہتی ہیں: آسمان سے بارش کے ساتھ خون کے قطرے برسے اور ایک دوسرے مقام پر کہا گیا کہ آسمان سے خون کی بارش برسی۔ جس سے گھروں کے در و دیوار سرخ ہو گئے۔

ہم عرض کریں گے کہ اس قسم کے اِختلاف سے تضاد و تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ چوں کہ آپ کہہ سکتے ہیں: پہلی بار آسمان سے تازہ خون برسا' کم یا زیادہ جس سے بعض مقامات پر خون کی بارش بھی ہوئی۔ بعض مقامات پر کم ہوئی اور بعض مقامات پر زیادہ۔

اخبار و روایات میں مذکور ہے: آسمان سرخ ہو گیا اور علقہ کے مانند نظر آ رہا تھا۔ ہم اس کی تشریح اس طرح کریں گے: بظاہر آسمان کا گریہ کرنا' تمام آفاق اور تمام سرزمینوں پر محقق ہوا ہے۔ اِختلاف صرف اس کی موت و پیدائش میں ہے۔ اس تناقض کو دُور کرنے کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفاوت یا اِختلاف' شدت و ضعف کے میزان اور پیمانے میں ہے کہ بعض اوقات آسمان صرف سرخ ہوا اور بعض اوقات علقہ کے مانند ہو گیا۔ البتہ وہ روایات اور آثار جو کسوف اور خوف کے متعلق ہیں ان میں جو اِختلاف پایا جا رہا ہے وہ بھی مذکورہ دلائل کی روشنی میں ختم ہو جاتا ہے۔ انھی دلائل کے ذریعے سیاہی و ظلمت کی تشریح و توضیح کی جا سکتی ہے۔

ہم گزشتہ ابحاث میں اشارہ کر چکے ہیں کہ بعض ایسے آثار و اخبار ہیں جو آسمان سے خاک و گرد کی بارش کو بیان کرتے ہیں۔ اگر ہم اس قضیہ پر غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ سرخی خاک اور گرد کی بارش شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام کے بعد گویا حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس کلام کا مصداق پیش ہے خدا کی طرف سے:

علی الدنیا بعدك العفاء یا ولدی

"اے میرے لختِ جگر! دنیا کے سر پر خاک (تیرے بعد دنیا کسی کام کی نہیں)۔"

اس صفت کے ساتھ آپؑ کے کلام نے ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے اثر کیا ہے۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کا خلق و ایجاد کرنا اور خدا کا خون کی بارش کا حکم دینا یا پھر خاک اور گرد کی بارش کا حکم دینا' اس میں ایک خاص راز پنہاں ہے گویا خطاب کیا جا رہا ہے:

یا حبیبی یا حسین یا من علی دیته علی الدنیا بعدك العفاء

"اے میرے محبوب! اے حسین علیہ السلام! اے جس کی دیت میرے ذمے ہے! تیرے بعد دنیا بے سود ہے۔"

حق یہ بنتا ہے کہ اس حقیقت کو نورِ ملکوت یا حورالعین کی آنکھوں سے لکھا جائے۔ یہ اس راز اور ایک دوسرا لطیف راز سے استنباط ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خدا نے اس عالم اور اس جہاں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم' گریہ اور عزاداری کے لیے خلق کیا ہے۔ اس ماتم خانے کی خوب صورتی اور آرائش یہ ہے کہ اس کے مکینوں کے سروں پر خاک پڑی ہوئی ہو۔ اگرچہ ایام محرم میں اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ بالخصوص پتھروں کے نیچے سے خون کا جاری ہونا' وہ بھی حجاز' عراق' بیت المقدس اور ان کے اطراف جیسے مقامات پر بل کہ ساری دنیا پر بھی۔ جیسا کہ ہم روایات پیش کر چکے ہیں۔ ان کے اندر عظیم اَسرار موجود ہیں جو ان پر دلالت کرتے ہیں جن سے ہم خود چشم پوشی کر رہے ہیں۔ چوں کہ اس زمانے کی اکثریت میں ان کے سمجھنے کی قوت اور استعداد ہی نہیں تھی' وہ ادراک کی دولت سے محروم تھے۔

## صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے گریہ کے اَسرار

ہم اس بحث میں مخدومۂ کونین حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے گریہ و بکا میں پنہاں اَسرار اور رازوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ ہم نے اس سے قبل وہ روایات پیش کی ہیں' جن میں مخدومۂ کونینؑ کا عالم برزخ میں اکثر رونے کا تذکرہ موجود ہے۔ اگر کوئی ان روایات پر غور و فکر کرے تو اسے نتیجہ مل جائے گا کہ آپؑ دنیا میں گریہ کرنا عالم برزخ کی نسبت اقل قلیل (بہت ہی کم ہے) ہے۔ جیسا کہ دنیا میں ارشاد فرمایا:

صُبَّت عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوا انَّھَا
صُبَّت عَلَی الاَیَّامِ صِرنَ لَیَا لَیَا

''میرے اُوپر اتنے مصائب آئے۔ اگر دِنوں پر آتے تو وہ سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے اور شب کے مانند تاریک ہو جاتے۔''

پس رسولِ اکرمؐ کی وفات کے بعد جتنا گریہ صدیقہ کبریٰؑ نے فرمایا' اب تک اتنا گریہ کسی نے نہیں کیا۔ جب یہ واضح ہو جاتا ہے تو پھر بحث میں ایک سوال کا اضافہ ضرور ہوتا ہے کہ خداوند کریم کس طرح راضی ہو گیا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا جو اپنے باباؐ کے بعد افضل ترین مخلوق تھیں کہ وہ برابر دنیا و آخرت میں گریہ کرتی رہیں۔ جب کہ خدا نے دونوں جہانوں کو انھی کی خاطر خلق فرمایا تھا؟ اس کے علاوہ دارِ عقبیٰ' آخرت' حجج اللہ' خلفاء اللہ اور اولیائے اللہ اور ان کے شیعوں و مومنین کے لیے رحمت کا گھر اور راحت و سکون کے گھر ہیں۔ پس جو کچھ انھوں نے دنیا میں غم و مصائب دیکھا ہے' وہ آخرت میں نہ دیکھ پائیں۔

اس سوال میں غور و فکر کرنے کے بعد ایک عارف اور عاقل کے سامنے ایک دوسرا سوال اُٹھتا ہے' وہ بھی اس مقدمے کے ساتھ کہ شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام پر تمام موجودات نے گریہ کیا جن میں اہلِ بہشت اور جو کچھ بہشت میں ہے (حور العین' غلمان اور جیسا کہ ذکر ہے کہ حوروں نے منہ پیٹے اور اپنے سینوں کو زخمی کر لیا) اور اسی طرح اہلِ جہنم نے بھی گریہ کیا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اس بارے میں روایات کی کثیر تعداد ہے۔ یہ تو اب ضروریاتِ مذہب امامیہ میں شمار ہوتی ہیں۔

اس مقدمہ کے بعد ایک دوسرا سوال اُٹھتا ہے: اہلِ بہشت اور برزخ کے سعادت مند افراد جو نعمتوں اور فرحت و سرور میں تھے۔ اس کے سبب سے انھیں گریہ و بکا کرنا پڑا۔ انھوں نے اپنے چہرے اور سینے پیٹ ڈالے اور انھیں زخمی کر لیا۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں روایات' صدیقہ کبریٰؑ کے گریہ پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ جن سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب بھی مخدومۂ کونینؑ گریہ و بکا میں مصروف ہوتیں' جو جو بھی ان کے گریہ کی صدا سنتا' وہ بھی گریہ شروع کر

دیتا' نالہ فریاد کرتا۔ اس کا لازمہ ہے تبھی تو سارے اہل بہشت اور تمام برزخ والے محزون و ملال میں غرق نظر آتے ہیں اور شدید گریہ زاری کرتے ہیں۔

ہم ان دو سوالوں کا جواب ایک مختصر سے مقدمے کے ذکر کے بعد دیں گے:

ہر عاقل اور عارف کے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل بہشت اور اہل برزخ جو فرحت و سرور کی لذتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ وہ ایک سطح اور ایک حقیقت والے نہیں ہیں بل کہ ان کی انواع' اقسام اور مدارج و مراتب ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو درگاہِ حضرت حق میں فنا فی اللہ اور خضوع و خشوع کے سبب عبادات و اطاعات میں فنا و غرق ہوں۔ وہ شاید ظاہری اور حسی نعمتوں کو جیسے کھانا پینا' حوروں کی ہم نشینی وغیرہ کو حساب میں ہی نہ لاتے ہوں۔ بل کہ ان کے نزدیک حقیقی لذت روحانی قسم کی ہوتی ہے' جو خدا کے قرب سے عبارت ہوتی ہو۔ چوں کہ پرچم ملکوت منحصر ہے یہ مقامِ حقیقت میں رضائے خدا کسب کرنے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہ جنت کی بہترین لذتوں میں سے ایک عمدہ ترین لذت ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

اس مختصر سے مقدمے کے بعد اسرار شہادت میں سے چند مفید راز معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص صدیقۂ کبریٰؑ کا شدید گریہ و بکا مقرب ملائکہؑ و انبیاءؑ کا گریہ و بکا درحقیقت ایک ایسا مقام ہے جو کبریا کے مقربین ہی کو عطا ہوتا ہے۔ پس سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ و بکا کرنا مقربین اور رضوان اللہ کے لیے بہترین جزا ہے۔

درحقیقت مقامِ رضوان اللہؑ اکبر مقامات میں سے ہے۔ اعظم درجات اور اشرف جزاؤں میں سے ہے۔ یہی ظاہری و باطنی نعمت ہے۔ واضح الفاظ میں یوں کہیے: سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ کرنے والے (مرد و زن) جب گریہ کر رہے ہوتے ہیں تو چاہے وہ انبیاءؑ ہوں' مرسلینؑ ہوں' اوصیاءؑ و صدیقین ہوں یا ملائکہؑ مقربین وہ جس عالم سے بھی تعلق رکھتے ہوں یہ گریہ ان کے لیے باب رضوان اللہ کے کھلنے کا سبب بنتا ہے۔

واضح ترین بیان میں آپ کہہ سکتے ہیں: مذکورہ اُمور مقام نشأت میں جس عالم میں بھی

محقق ہوں، وہ حسن ذاتی و صفاتی کے لحاظ سے برابر اور مساوی ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ سیدالشہداء علیہ السلام قتیل العبرہ ہیں۔ جیسا کہ آپؑ کے نانا، بابا اور خود آپؑ کا فرمانِ ذیشان ہے۔ پس رضوانِ خدا کے لیے اکمل اور افضل چیز مظلومِ کربلا علیہ السلام پر گریہ کرنا ہے۔ اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ فعل کون، کب اور کہاں بجالا رہا ہے۔

میرا یقین اور عقیدہ اس پر ہے کہ اگر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ مل کر گریہ کیا جائے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں انبیاءؑ، صدیقین، شہداء، ملائکہؑ بھی شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل روایات پیش کی جا چکی ہیں تو یہ گریہ جس انداز میں بھی ہو اور جتنا بھی زیادہ ہو پھر بھی مظلومِ کربلا علیہ السلام پر رونے کا حق ادا ہوا ہے نہ ہوگا۔ مثلاً اگر پوری دنیا کے مظلوم مل کر اس پیاسے مظلوم علیہ السلام پر گریہ کریں تو حق ادا نہ ہوگا۔

اگر ہم اپنی بحث کو سمیٹ کر آخری بات یہ کہیں کہ یہ عقیدہ رکھیے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا گریہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ان کے حزن و ملال کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ وہ گریہ زاری سے کبھی بھی ہاتھ نہیں کھینچیں گی اور مخدومۂ کونینؑ کی یہی حالت جاری رہے گی، حشر و نشر والے دن تک، حساب و کتاب والے یوم تک، حتیٰ کہ آپؑ خداوندِ کریم کے انتقام لینے کی کیفیت کو اپنی روتی ہوئی آنکھوں سے مشاہدہ نہ فرمالیں۔

ہاں فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا گریہ تب ختم ہوگا، جب حساب کتاب کا مرحلہ اپنی تکمیل کو پہنچے گا۔ جنتی جنت میں اور دوزخی جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ تب! ہاں تب!

# فصل سیزدہم

# اہل حرمؑ کا کربلا سے الوداع

# مقتل سے گزرنا

دخترانِ بتولؑ اُسرائے آلِ محمدؐ اور دوسری قیدی خواتین کے مقتل گاہ سے گزرنے کے متعلق جو روایات نقل کی گئی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ مخدراتِ طاہرہؑ گیارہ محرم کو مقتل گاہ سے گزریں۔ البتہ زوالِ آفتاب کے بعد اس وقت ابن سعد اور اس کے ساربان کربلا سے کوفہ کی سمت حرکت کر چکے تھے۔

البتہ اس بارے میں اربابِ مقاتل کے نظریات اور اقوال میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً کیا مستورات اپنی خوشی اور ارادے سے مقتل گاہ سے گزریں یا پھر ابن سعد ملعون نے دشمنی و عداوت کی بنا پر انھیں جان بوجھ کر مقتل گاہ سے گزارا ہے تاکہ حرمِ رسولؐ جب مقتل گاہ سے گزریں گی اور مقتل میں پڑے ہوئے اپنے شہداء کے لاشوں کو دیکھیں گی تو یہ المناک منظر انھیں عمر بھر یاد رہے گا اور اس سے ان کی موت کا بھی خیال کیا جا رہا تھا۔

اکثر اربابِ مقاتل نے پہلا قول اختیار کیا ہے جب کہ بندہ کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ دو امر سبب بنے ہیں۔ بہرحال سید ابن طاؤس کے قول کا مضمون یہ ہے:

اہل حرمؑ کو خیام سے باہر لایا گیا اور خیام کو آگ لگا دی گئی۔ جب مستورات اور دخترانِ فاطمہؑ خیام سے باہر تشریف لائیں تو وہ گریہ زاری کر رہی تھیں' وہ اسیروں کی طرح ذلت و رُسوائی کی تصویر بنیں' پابرہنہ چل رہی تھیں اور فوجِ اشقیا کو مخاطب کر کے ارشاد فرما رہی تھیں: ہم تمھیں قسم دیتی ہیں کہ ہمیں مقتل گاہ کے راستے سے لے چلو۔ ہمیں سید الشہداء علیہ السلام کے لاشے پر لے چلو اور جب بیبیاںؑ مقتل گاہ میں پہنچی ہیں اور شہداء کو اس کیفیت میں مشاہدہ کیا ہے تو انھوں نے زور زور سے چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا اور اپنے چہروں پر ماتم شروع کر دیا۔

راوی کہتا ہے: میں حضرت زینبؑ بنت علی علیہ السلام کی کیفیت کو زندگی بھر فراموش نہیں کر پاؤں گا۔ بی بیؑ نے اپنے بھائی کی لاش پر جس انداز میں گریہ و ماتم کیا اور جو بین کیے:

یا محمداہ صلی علیک ملیک السماء

"اے محمد ﷺ! آپؐ پر درود و سلام ہو' اے آسمانوں کے بادشاہ!"

یہ تمھارا حسین علیہ السلام ہے' جو ارضِ کربلا پر خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے۔ جس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ یہ تمھاری بیٹیاں ہیں' جو ذلت و رسوائی کی حالت میں اسیر بنی کھڑی ہیں۔ میں خدا' محمد مصطفیٰ ﷺ' علی مرتضیٰ علیہ السلام' حمزہؓ سید الشہداء علیہ السلام سب کے سامنے شکوہ کر رہی ہوں۔ اے محمد ﷺ! یہ حسین علیہ السلام ہے' جو کربلا کے صحرا میں ذبح شدہ پڑا ہے۔

یا حُزناہ' یا کرباہ! آج میرے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ موجود نہیں ہیں۔ اے نانا! یہ تیری پاکیزہ و طاہر بیٹیاں ہیں۔ یہ دُخترانِ فاطمہؑ ہیں جو مظلوم ہیں' نانا یہ تیری ذرّیت ہیں۔ انھیں غلاموں کی مثل قیدی بنا کر کھینچا جا رہا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کبریٰؑ نے ارشاد فرمایا:

"اے محمد ﷺ! آپؐ کی بیٹیوں کو اسیر کر لیا گیا ہے۔ آپؐ کی ذرّیت کو قتل کیا گیا ہے۔ ان کے پیکر کربلا کے صحرا میں خون میں لت پت پڑے ہیں اور اب ہوائیں انھیں سلام کر رہی ہیں۔ یہ آپؐ کا حسینؑ ہے جس کا سر قفا (سر کو پس پشت سے کاٹنا) سے قطع کیا گیا ہے اور اس کی عبا اور ردا کو لُوٹ لیا گیا ہے۔"

پھر فرمایا:

"میرے باپ کی اور میری جان اس پر نثار ہو۔ اس پر جس کے لشکر کو بروز سوموار تہِ تیغ کیا ہے اور ان کے اموال کو لُوٹ لیا ہے۔ میرے باپ کی اور میری جان فدا ہو اس پر جو غائب نہیں ہے اور جس کے پلٹنے کی میں آس لگائے بیٹھی ہوں۔

زخمی نہیں ہوں کہ اس کے مداوا کی اُمید رکھوں۔ میری جان نثار ہو اس پر' جو دنیا سے مہموم اور مغموم چلا گیا اور تشنہ لبی کے عالم میں اپنی جان دی اور میری جان فدا ہو اُس پر' جس کے محاسن اس کے اپنے خون میں رنگین ہوئے۔"

بابی من جدہ رسول اللہ السماء بابی من ھو سبط نبی الھدیٰ

''میرا بابا! اس پر فدا ہوں، جس کے نانا رسول اکرم ﷺ ہیں۔ میرے بابا! اس پر نثار ہوں، جو ہدایت کرنے والے رسول ﷺ کا نواسہ ہے۔''

راوی کہتا ہے: اس مخدومہؑ نے پیکر حسین علیہ السلام کو اکٹھا کیا اور بوسے دیے کہ چند وحشی عربوں نے اسے بھائی کے لاشے سے جدا کیا۔

یہاں تک، سید ابن طاؤس کے مضمون کا ماحصل تھا۔ البتہ بعض معتبر کتب میں جو کچھ نقل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن ادریس نے اپنے بابا سے روایت کی ہے: اس قومِ اشقیا نے شدید بغض وعناد اور دشمنی ومخاصمت کے ساتھ، ذریتِ رسولؐ کو مقتل گاہ سے گزارا ہے۔

جب حضرت اُمِ کلثومؑ نے اپنے بھائی کے پیکر اطہر کو دیکھا کہ اس پر (گرم) ہوائیں چل رہی ہیں اور وہ خون میں ڈوبا ہوا پڑا ہے نیز اس پر خاک اُڑ اُڑ کر پڑ رہی ہے تو مخدومہؑ نے خود کو پشتِ شتر سے زمین پر گرا دیا اور جا کر پیکر حسین علیہ السلام سے لپٹ گئیں۔ پھر زار وقطار روتے ہوئے فرمایا:

یا رسول اللہ انظر الی جسد ولدك......

''اے نانا! اپنے بیٹے کے پیکر کی طرف نظر کرو، کس طرح زمین پر پڑا ہوا ہے۔ بغیر کفن کے خاک پر اور کربلا کی ریت پر پڑا ہے۔ بدنِ اطہر پر ہوائیں چل رہی ہیں۔ اس پیکر کا غسل خون اور کفن ہواؤں کے ذریعے انجام پایا ہے۔

اے میرے عظیم نانا! یہ دخترانِ فاطمہؑ ہیں۔ آپؐ کے اہل بیتؑ اور مظلومانِ حرمؑ، انھیں قیدیوں والی رُسوائی دیکھنا پڑ رہی ہے۔ انھیں ظالم کھینچے پھر رہے ہیں۔ ان پر رحم کرنے والا اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ کے فرزند اور آپؐ کی عترت کے سر نوکِ نیزہ پر

بلند کر دیے گئے ہیں۔ جو ماہ و خورشید کے مانند منور ہیں۔

اے نانا محمد مصطفی ﷺ! یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو قیدی بنی کھڑی ہیں۔ یہ تیری ذرّیت دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں سے پارہ پارہ ہو کر بکھری پڑی ہے۔"

اس مظلومہ و معصومہ بی بیؑ نے یہ الفاظ اپنے دل سوز جگر سے ادا کیے اور گریہ زاری کی اور اپنے الفاظ کو بار بار دُہرایا تاکہ دوست دشمن سب گریہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ارے ان بینوں کے ذریعے تو گھوڑوں کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک پڑے تھے' جو ان کے سموں پر گر رہے تھے۔

اس کے بعد حرمِ رسولؐ کو شہدا کی لاشوں سے جدا کیا گیا۔ جب کہ بیبیوںؑ کے بین اور فریادیں جاری تھیں' ان کے قلوب غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے' ان کی آنکھوں سے آنسو رُک رہے تھے' نہ آتش حسرت سرد پڑ رہی تھی۔

یہاں تک عبداللہ ابن ادریس کی روایت ہے: جناب سید ابن طاؤس کی روایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ بیبیاںؑ دس محرم کو مقتل گاہ سے گزاری گئیں اور یہ گزر اُونٹوں پر سوار ہونے سے پہلے ہوا ہے۔ جب کہ حق اور تحقیق اس کے برعکس ہے۔ چوں کہ روایات اور آثار دلالت کر رہے ہیں کہ گیارہ محرم کو حرمِ رسولؐ کو مقتل گاہ سے گزارا گیا ہے۔ ان کے اُونٹوں پر سوار ہونے کے بعد اور زوالِ آفتاب کے بعد۔

قدامہ بن زائد کی طویل روایت صریحاً اس مدعا پر دلالت کر رہی ہے۔ اس روایت کے اندر بڑے اہم اُمور' علائم اور فوائد موجود ہیں۔ یہ روایت ہم ان شاء اللہ اسی حصے میں نقل کریں گے۔ لیکن اس مقام پر اس کے چند جملے ذکر کرنا ضروری ہو گئے ہیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

جب مصیبتیں اور دکھ ہم پر نازل ہوئے تو میرے باباؑ کی اولادؑ اور اصحابؓ تہ تیغ کر دیے گئے اور ہم اہل بیتؑ رسولؐ، حرمِ رسولؐ (بانوانِ طاہرہؑ اور دخترانِ فاطمہؑ) کو اُونٹوں پر سوار کرا دیا گیا۔ وہ ہمیں کوفہ لے جانا چاہتے تھے۔

مقتل گاہ عبور کرتے ہی جب حرمِ رسولؐ کی نگاہیں مقتل میں بکھری شہدا کی لاشوں پر پڑیں، جو بے کفن اور خون و خاک میں غلطاں پڑے ہوئے تھے تو ان کے دلوں کے اندر حزن و ملال کا تلاطم بپا ہو گیا۔ پھوپھیاں اتنی متاثر ہوئیں کہ لگتا تھا میری روح میرے جسم کے ساتھ چھوڑ جائے گی اور میں موت سے ہم کنار ہو جاؤں گا۔ اس دوران میں میری پھوپھی زینب کبریٰؑ نے مجھے دیکھا اور کہا: اے بیٹا! یہ کیا حالت ہے؟ جو میں تمھاری دیکھ رہی ہوں۔ تمھاری تو روح نکلے جا رہی ہے۔ اے میرے بابا! اور نانا کی نشانی سجاد علیہ السلام۔

میں نے عرض کیا: پھوپھی جانؑ! میں کیوں جزع فزع نہ کروں، جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آقاؑ و سردارؑ میرے چچاؤں، چچا زاد بھائیوں، اہل بیتؑ رسولؐ کی سر بریدہ لاشیں پڑی ہیں۔ وہ بھی خاک و خون میں غلطاں ان کے مقدس بدن برہنہ پڑے ہیں دھوپ میں بغیر کفن دفن کے، کوئی ان کی زیارت اور دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے۔ ان کے نزدیک کوئی انسان نہیں آ رہا۔ لوگ انھیں لاوارث خیال کر رہے ہیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اس گفتگو کے متعلق ہم عرض کریں گے۔ روایات کے سیاق و سباق سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ گیارہ محرم ہی کو شہداء کے سر ان کے پیکروں سے کاٹ کر علیحدہ کیے گئے۔ دس محرم کو صرف سید الشہداء علیہ السلام کا سر تن اقدس سے جدا کیا گیا یا پھر چند اصحاب کے سر ان کے اَبدانِ طاہرہ سے جدا کیے گئے۔

جب کہ اس کے علاوہ دوسرے اربابِ مقاتل اور کتبِ مقاتل سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دس محرم ہی کو سر اَبدان سے جدا کر دیے گئے۔ چوں کہ ان حضرات کے نظریہ کے پیچھے وہ روایات ہیں، جو کہتی ہیں: ابن سعد (لعنتی) نے دس محرم ہی کو امامؑ کا سر خولی اور حمید بن مسلم کو دیا تا کہ وہ اسے کوفہ میں ابن زیاد کے دربار میں پہنچائیں اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا: باقی شہداء کے سر تن سے جدا کر دیے جائیں۔ جب انھوں نے سر اقدس کو کوفہ روانہ کیا تو شمر (لعنتی) بھی ساتھ تھا جب کہ باقی لشکر کربلا ہی میں رُکا رہا۔

ممکن ہے اس گروہ کے اقوال کی اس قسم کی روایات کی روشنی میں اس طرح تاویل کی

جائے کہ سروں کا لاشوں سے جدا کرنا' مقتل گاہ سے گزرنے سے پہلے ہوا ہے یا بعد میں؟

ہم جواب دیں گے: دونوں احتمال موجود ہیں۔ جب کہ اربابِ مقاتل کے کلمات اور روایات سے نظریہ اوّل کی تائید ہوتی ہے کہ پہلے سروں کو کاٹا گیا۔ پھر حرمِ رسولؐ کو مقتل گاہ سے گزارا گیا۔

اس پہلے قول (نظریہ) کی بنیاد پر شہداء کی پہچان حرمِ رسولؐ اور امام زین العابدین علیہ السلام کے ذریعے ممکن ہوئی اور لوگوں کے درمیان مشہور یہ ہے کہ حضرت زینبؑ بنت علی علیہ السلام مقتل گاہ میں پہنچیں تو مبہوت و مضطرب اور حیران سی نظر آنے لگیں اور وہ پیکر حسینؑ کو نہ دیکھ پائیں۔ چوں کہ اس پیکر اطہر پر تلواروں' نیزوں کے ٹکڑے' ریت اور پتھر اس قدر جمع تھے کہ آپؑ کا جسم اطہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جب سیدہ طاہرہؑ مقتل گاہ میں پہنچیں تو آپؑ کے کٹے ہوئے حلق سے آواز آئی: يَا أُخْتَاهُ إِلَيَّ إِلَيَّ...... مگر حقیر کی نظر میں یہ مستند نہیں ہے۔

ایک ثقہ شخص کے توسط سے جو اس حقیر تک روایات پہنچی ہیں' ان سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب حرمِ رسولؐ مقتل گاہ سے گزر رہے تھے تو پیکر سید الشہداء علیہ السلام نظر آ رہا تھا۔ تب تک وہ تلواروں' تیروں کے ٹکڑوں' پتھروں وغیرہ کے نیچے سے باہر نکال لیا گیا تھا۔

ان روایات کی توضیح بھی اسی ثقہ شخص کے ذریعے مجھ تک یوں پہنچی ہے کہ روزِ عاشور غروب کے وقت' ابن سعد (لعنتی) چند سردارانِ لشکر کے ہم راہ خوشی و نشاط کے عالم میں خیمے سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں عصا تھا' وہ شہداء کی لاشوں کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لعنتی نے اپنا نجس پاؤں پیکر منور و اطہر پر رکھا اور کہا: یہ فلاں بن فلاں کا جسم ہے اور جس کو نہیں پہچانتا تھا وہ اپنی سپاہ سے سوال کرتا رہا کہ یہ کون مقتول ہے۔ حتیٰ کہ وہ مقتل گاہ کے وسط میں پہنچا۔ اس نے حکم دیا: یہ تلواروں' نیزوں کے ٹکڑے' ریت اور پتھر ہٹائے جائیں تا کہ وہ سید الشہداءؑ کے پیکر اطہر کا نظارہ کر سکے۔

اس ملعون نے جب دیکھا کہ آپؑ کا جسم اطہر سر بریدہ اور لوٹا ہوا پڑا ہے تو اس نے حکم دیا: کوئی اس جسم کو اپنی آغوش میں لے تا کہ وہ اس پر لگے ہوئے زخموں کو گن سکے۔ جب اس نے

لاتعداد زخم دیکھے تو اس نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور کہا: یہ وہی حسین علیہ السلام ہے جسے میں نے کئی بار دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سواری کرتے دیکھا ہے۔ اس ملعون کا مقصد یہ تھا کہ میں نے یزید (لعنتی) کی ایسی خدمت کی ہے۔ میں نے اس کی خوش نودی کے لیے نواسۂ رسولؐ کو قتل کر دیا ہے۔

اس کے بعد اس کافر نے آپؑ کے دوشِ مبارک پر زخم دیکھا تو بڑے تعجب کا اظہار کیا۔ ارے حسین علیہ السلام کو تو سارے زخم سامنے کی طرف سے لگے ہیں۔ چوں کہ مقابلے کے دوران میں حسین علیہ السلام نے لمحے بھر کے لیے بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی۔ یہ زخم پھر پشت کی طرف سے کیسے لگا ہے؟

اس کے ایک دوست نے جواب دیا: یہ زخم کل کا لگا ہوا نہیں ہے۔ یہ تو پرانا اور قدیمی زخم ہے۔ اس نے امامِ سجاد علیہ السلام سے اس کی حقیقت جاننے کی کوشش کی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''یہ زخم بہت پرانا ہے چوں کہ میرے بابا! رات کی تاریکی میں' یتیموں' محتاجوں' مساکین اور بیواؤں کے گھروں میں جا کر انھیں غذا اور غلہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ زخم بن گیا تھا۔''

یہ اس مردِ ثقہ سے منقول روایت کا ماحصل تھا۔ اب ہم پھر لوٹتے ہیں اصل مطلب کی طرف کہ مخدراتِ عصمت وطہارت اور قیدی بیبیاںؑ مقتل گاہ پہنچیں تو ہر بہن اپنے بھائی کی لاش پر' ہر ماں اپنے بیٹے کی لاش پر جا کر بیٹھی۔ ان کے مقدس لاشے اپنی آغوش میں لے کر بین کرنے لگی۔ ان کے گریہ ونالہ فریاد کی صدائیں ساتویں آسمان ملائکہؑ تک جا پہنچیں۔ جس سے ارکانِ عرش وکرسی میں ارتعاش پیدا ہوئی۔

وَا مُحَمَّدَاهُ' وَا عَلِيَاهُ' وَا فَاطِمَتَاهُ' وَا حَمزَتَاهُ' وَا جعفرَاهُ' وَا عَقِيلَاهُ' وَا هَاشِمَاهُ اور وَا حُسَيْنَاهُ وَا ذَبِيحَاهُ' وَا غَرِيبَاهُ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حور وغلمان نے فردوس کے تخت کو چھوڑ دیا' ساری جنت میں ماتم بپا ہوا۔

اے مومنو! اے شیعو! اگر اس مقام پر خوب فکر وتامل کرو تو آپ کی آنکھوں سے پانی

کے بدلے خون بہنے لگے گا۔ چوں کہ امام سجاد علیہ السلام تو صبر کے پہاڑ تھے۔ مگر جب انھوں نے شہداء کے نورانی پیکروں کا مشاہدہ کیا اور اپنے مظلوم بابا علیہ السلام کو اس عالم میں دیکھا تو ان کے بدنِ اطہر سے روح نکلنے کے قریب تھی۔ ان مخدراتِ عصمت زینبؑ و کلثومؑ اور دیگر مستورات کا کیا حال ہوا ہوگا:

افسانہ ای کہ کس نتواند شنیدنش
یا رب بر اہل بیتؑ چہ آمد ز دیدنش

میں نے بعض معتبر کتب میں دیکھا ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام اپنے مظلوم بابا علیہ السلام کے جسد اطہر پر پہنچے تو خود کو اُونٹ کی پشت سے گرا دیا۔ جب کہ آپؑ کے ہاتھ پس گردن بندھے تھے اور جسم پر زنجیر اور طوق بھی موجود تھے۔

## ایک معصوم بچی کے الفاظ

جیسا کہ روایت بتاتی ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایک معصوم بچی بھی موجود تھی' جو مستوراتِ عصمت و طہارتؑ کے ساتھ آپؑ کے پیکر اطہر پر پہنچی تھی۔ جو اپنے بابا! کے کٹے ہوئے ہاتھ اور کاندھے کو اُٹھا اُٹھا کر اپنی آغوش میں رکھ رہی تھی۔ کبھی اپنے بابا! کے کاندھوں پر بوسے دیتی' کبھی اپنے بابا! کے سینے پر ہاتھ پھیرتی اور پھر اپنی آنکھوں سے لگاتی۔ اس بچی نے اپنے بابا! کے خون سے اپنے منھ اور بالوں کو رنگین کیا اور بین کیا:

"اے بابا! آپؑ کے قتل کے بعد آپؑ کے دشمنوں کی آنکھیں روشن[1] ہو گئی ہوں گی؟ آپؑ سے دشمنی رکھنے والے دل مسرور ہو گئے ہوں گے؟

بنی اُمیہ نے مجھے اس بچپنے اور کم عمری میں یتیمی کا لباس پہنایا ہے۔

اے بابا! جب رات ہو گی تو کون مجھ سے ہم دردی کرتے ہوئے اپنی آغوش میں لٹائے گا؟ اگر میں پیاسی ہوئی تو کون پانی پلائے گا؟

---

(۱) آنکھیں کھلنا اُردو محاورہ جو یہاں مناسب نہیں۔ اس کے بعد کا جملہ بتا رہا ہے کہ دشمنوں کی آنکھیں روشن ہو گئی ہوں گی یعنی انھیں خوشی ہوئی ہوگی...... (از مترجم)

اے بابا! بنی اُمیہ نے میری چادر اور گوشوارے چھین لیے ہیں۔

اے بابا! میں سر برہنہ اور جگر سوختہ حالت میں زندہ ہوں۔ میری پھوپھیوں کو بہت زیادہ تازیانے مارے گئے ہیں۔

بابا! اُٹھ کر دیکھو تو؟

اے بابا! ہمیں قیدیوں کی طرح کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے؟"

راوی کہتا ہے: اس چھوٹی سی بچی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بینوں سے دوست اور دشمن سب گریہ کرنے لگے۔

وہ بچی اُٹھی اور کہا: اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم! تم یہاں رہو گے یا چلے جاؤ گے؟

ایک ملعون نے جواب دیا: چلے جائیں گے۔

اس معصوم بچی نے کہا: اب جب تم نے جانے کا قصد کر لیا ہے تو ان بیبیوںؑ کو لے جاؤ۔ مگر مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ میں اپنے بابا! کے پاس ہی رہوں گی۔ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں، میں اُونٹوں پر سوار نہیں ہو سکتی ہوں۔ بس مجھ پر یہ احسان کرو کہ مجھے میرے بابا! کے پاس رہنے دو۔ اس بچی نے لوگوں کے جگر ہلا کر رکھ دیے اور فرمایا: مجھے اس ویرانے میں چھوڑ جاؤ۔ اگر میں مر گئی تو میرا خون تم پر نہیں ہوگا۔

مگر اس وحشی ظالم نے اس جگر گوشۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو پکڑا اور بڑی بے رحمی سے اس کے بابا! کی لاش سے جدا کر دیا۔ مگر وہ معصومہؑ پھر بابا! کے لاشے کی طرف بھاگ آئی اور پناہ ڈھونڈنے لگی۔ اس نے اپنے بابا! کے قدموں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ مگر وہ ملعون پھر اس بچی کو کھینچ کر لے گیا اور اسے بابا! کی میت سے جدا کر دیا۔

اس دوران میں اس بچی نے کہا: اے شخص! میرا ایک چھوٹا سا بھائی بھی ہے، جسے بنی اُمیہ نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے اتنی مہلت دو تا کہ میں اسے الوداع کہہ سکوں۔

اس ملعون نے بچی کو مہلت دی۔ وہ بچی چند قدم چلی اور علی اصغر علیہ السلام کے لاشے پر پہنچی۔ گویا اس نے خود کو محمدی صدف تک پہنچایا جو اپنے بابا! کے لاشے کے قریب موجود تھا۔

جب معصومہؑ کی نظر اس شیر خوار شہید پر پڑی تو ایک جگر سوز آہ کھینچی اور یہ اشعار پڑھے:

قفوا ساعة بالنوق لا ترکبونها

و ریضموا لمن بالطف خاتب ظنونها

احادی مطایاهم توقف هنیة

اودع نفسی ثم اقصی شئونها

اودع صغارا بالطفوف تذبحوا

اثم ثنایاها والثم عیونها

والثم اکفا قطعتها یدالعداء

فما ضرهم لوانهم ید فنونها

واصبغ اردانی و شعری و مفرقی

بدمی و جال بالظبا ینحرونها

اراهم نیاما والتراب وسادهم

علیهم طیور القفر طال اینتها

ان جگر سوز اشعار کا ترجمہ و مضمون یہ ہے:

"ایک ساعت ٹھہرو اور اُونٹوں کو روک لو۔ ان پر سوار نہیں ہونا۔ اہل بیتؑ رسولؐ کے ساتھ رحم کا سلوک کرو۔ چوں کہ اب اہل بیتؑ رسول حُسنِ سلوک سے نا اُمید ہو چکے ہیں۔

اے ساربانو! اپنے اُونٹوں کو ٹھہراؤ۔ یہ منور اَجسام میرے نفس اور روح کے مانند ہیں۔ میں انھیں الوداع کروں۔ اپنی حاجات اور ان کی زیارات اور گریہ زاری سے ہاتھ کھینچ لوں۔ ان چھوٹے بچوں کو الوداع کہہ لوں، جنھیں ذبح کر دیا گیا۔ ان لبوں اور دانتوں پر بوسے دوں، ان کی آنکھوں پر بوسے دوں۔ وہ ہاتھ جنھیں آلِ رسولؐ اللہ کے دشمنوں نے قطع کیا ہے۔

مگر ابھی تک وہ بغیر کفن دفن کے پڑے ہیں۔ میری حاجت یہ ہے کہ کپڑوں اور بالوں کو پریشان کروں اور اپنے بالوں کو ان شہدا کے خون سے رنگین کروں جنھیں تلوار اور خنجر سے ذبح کیا گیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ گویا سوئے ہوئے ہیں۔ جب کہ ان کے بدن پر کربلا کی ریت گرم لگی ہوئی ہے جو ان کے لباس کے مانند ہے۔ صحرا کے پرندے ہمیشہ گریہ زاری کرتے رہیں گے۔"

پھر ارشاد فرمایا:

فی اللہ ریضوا اوقفوا لعیس ساعة
ولا تمنعوا زینبا ولا تضربونها
دعوها تودع اهلها و رجالها
فدون لقا الحبوب فابت ظنونها
فضرب سیاط القوم الم جنبها
و ان هی نادت جدها یلطمونها
و ان هی قالت یا رجالی انکم
فمن شعرها یا جبرتی سیونها
تنوح وما تشفی النیاحة ثاکلا
اذا لم یجد فی نوحها من یعینها
تردم دنوا من اخیها و تبغی
تودعه اعدائها یمنعونها
و تلمس النظارن یفرجوا لها
فلا یستحوا منها ولا یرحمونها
فتهجم علی المذبوح تبغی تشمه

اذا ما انت من قرية يدفعونها

رقية قومي و استری رأس زينت

يعز على ابائها ينظرونها

و يا ويح قلبي من يداوی جروحها

ومن غسل الدم اندی فی متونها

ومن ذا يسليها و يجلی همومها

وهيهات بعداليوم تعمض عيونها

وقد زاد اخرافی بکا النوق حولها

ابتکبي علينا ام تکبي جننها

ان جگر سوز اور دل گداز ابیات کا ماحصل یہ ہے:

”اے قوم! تم نے خدا کی خاطر اُونٹوں کو روکے رکھا ہے۔ اس لیے میری مظلومہ اور دکھیاری پھوپھی کو ان کے بھائی سے الوداع کرنے سے منع نہ کرو۔ نہ ان پر ظلم کرو۔ چوں کہ وہ اپنے ہاشمی بھائی کو الوداع کہنا چاہتی ہیں۔ اس مظلومہ کی اُمیدیں دم توڑ گئی ہیں۔ اب شاید وہ اپنے حبیب کو دوبارہ نہیں دیکھ پائیں گی۔ اس بے حیا قوم نے انھیں اتنے تازیانے مارے ہیں کہ جس سے ان کی پشت خون آلودہ اور زخمی ہو گئی ہیں۔ میری مظلومہ پھوپھی جوں ہی اپنے ناناؐ کو پکارتیں۔ وہ ان کے سر اقدس پر تازیانے مارنے لگتے اور جب بھی کہتیں: اے میرے بھائیو! اے میرا خاندان! کہاں ہو آؤ مجھے اس ذلت وخواری سے نجات دلاؤ تو وہ کمینے آ کر انھیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیتے۔ وہ مظلومہ تو بلاتوقف نوحے اور بین کیے جا رہے ہیں۔ لیکن اس نوحہ وزاری اور گریہ وبکا کا کیا فائدہ؟ اس سے دکھوں کی ماری کو شفا ملنے والی نہیں ہے۔ چوں کہ اس

علاج کا ایک ہی طریقہ ہے کہ نوحوں اور فریاد کے ساتھ کوئی مددگار بھی میسر آ جائے۔ جوں ہی مظلومہؑ ارادہ کرتیں کہ اب الوداع کہہ دینا چاہیے اور بھائی کے نزدیک ہوتیں تو دشمنانِ آلِ محمدؐ انھیں منع کرنے لگتے اور جب تڑپ کر آگے بڑھتیں کہ اپنے مذبوح بھائیؑ کا بوسہ لے سکیں اور بھائی کے نزدیک ہو جائیں تو وہ انھیں دُور لے جاتے۔ وہ معصومہؑ اپنا رُخ حضرت رقیہؑ کی طرف پھیرتی ہیں اور انھیں مخاطب کرتی ہیں: اے پھوپھیؑ! اُٹھو اور پھوپھی زینبؑ کا سر ڈھانپ دو۔ چوں کہ وہ اپنے ناناؐ، باباؑ، بھائیؑ پر بہت زیادہ گریہ کر رہی ہیں جب کہ ان کا سر ننگا نظر آ رہا ہے۔ وہ دُختر مظلوم فریاد کرتی ہیں آہ! میرے درد دل پر، کیا میری پھوپھی زینبؑ کے کاندھوں پر جو کعب (لعین) کے نیزے سے زخم لگا ہے، کیا اس کی کوئی دوا مل سکتی ہے؟ اس خون کا انتقام کون لے گا؟ کیا اس مظلومہؑ کی دل جوئی اور تسلی وتشفی کے دو بول کہنے والا کوئی موجود ہے؟ جس سے ان کے دکھ کم ہو سکیں۔ ہو سکتا ہے اس مظلومہؑ کو سکھ کا سانس لینا اور استراحت کے چند منٹ نصیب ہو سکیں۔ میرے غم وغصہ اور اُونٹوں کے گریہ کی صدا میری پھوپھیؑ کے غم کو بڑھا رہی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بے حال شتر اہل بیتؑ رسولؐ پر گریہ کر رہے ہیں یا پھر اپنے بچوں کے فراق پر گریہ کناں ہیں؟"

راوی کہتا ہے: اس معصوم بچیؑ نے کئی بار علی اصغر علیہ السلام کے لاشے کو چوما۔ اسے اُٹھایا اور اپنی آغوش میں لیا اور اپنا منہ اس معصومؑ کے کٹے ہوئے گلے پر رکھا اور کہا:

"اے میرے بھائی! اگر میرے بس میں ہوتا اور میں تیرے پاس رُک سکتی تو جب تک میرے بدن پر گوشت موجود ہے اور اسے درندے کھا نہیں جاتے، میں تیرے پاس سے جانے کا نام نہ لیتی، میں تو یقیناً تیرے پاس

رُکنے کی بات کرتی۔

اے بھائی! میں اب تم سے ہرگز جدا نہیں ہوں گی۔ نہ ظلم وستم کی وجہ سے اب اُونٹ تیار کیے جا چکے ہیں تاکہ ہم کو مجبوراً سفر پر لے جایا جائے۔

اے بھائی! ان کم زور اُونٹوں پر نہ محمل اور کجاوے ہیں' نہ ان کا کوئی مہاری اور شتربان ہے۔

اے بھائی! میرا اُونٹ! لاغر ہونے کے باوجود بہت وحشی اور سرکش ہے۔

اے میرے بھائی! مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ظالم ہمیں کہاں تک لے جانا چاہتے ہیں؟

پس میرا اسلام نانا محمد مصطفیٰ ﷺ' بابا علی مرتضیٰ علیہ السلام اور اُم المصائبؑ ماں زہرا سلام اللہ علیہا تک پہنچا دینا اور کہنا میری بہن یہ شکوہ کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرے گوش وارے لُوٹ لیے گئے اور میرے کانوں کو زخمی کر دیا گیا۔"

پھر اپنے لب علی اصغر علیہ السلام کے لبوں پر رکھے اور اُسے چوما۔ اس دوران میں ایک ساربان ملعون آیا اور انھیں زبردستی کھینچ کر لے گیا اور معصومہؑ کو بھائی سے جدا کر دیا اور بڑے گستاخانہ اور غصے والے انداز میں معصومہؑ کو اُونٹ پر سوار کیا۔ معصومہؑ جب اُونٹ پر سوار ہو گئی اور اس حالت میں اپنے بابا! کے پیکر نورانی کی طرف منھ کر کے کہا:

ودعتك اللّٰه السميع العليم و اقراك السلام وَلَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ العَلِی العَظِیمِ

"اے بابا! آپؑ کو سمیع علیم خدا کے سپرد کر رہی ہوں اور خدا حافظ کہہ رہی ہوں اور آپؑ کو سلام پیش کر رہی ہوں۔ خدا کی طاقت و بزرگی کے سامنے ہر طاقت و بزرگی ہیچ ہے۔"

اس یتیم معصومہؑ کے اشعار سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ترجمے میں سب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر اس حصے میں ان کا مقصد یہ تھا۔ انھیں اس طرح بیان کیا جائے کہ تمام

مومنین اور شیعیانِ اہل بیتؑ ان سے استفادہ کرسکیں اور سب کے لیے قابل فہم وادراک ہوں۔

اس قصیدے کے بعض مطالب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافر قوم نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو تازیانے مارے اور کعب ملعون نے نیزہ مارا۔ وہ انھیں دوسری بیبیوںؑ کے ساتھ مل کر نوحے نہیں پڑھنے دے رہے تھے۔ جوں ہی مخدومہؑ رونا شروع کرتیں۔ وَا جَدَّاہُ! وَا عَلِیَّاہُ! کی صدائیں بلند کرتیں، ملعون آ کر ان کے سر پر تازیانے برساتے۔

جب بھی بی بیؑ بین کرتیں: یَا رِجَالَنَا، یَا حِمَاتَنَا! ہمارے مرد کہاں ہیں؟ وہ ہم قیدیوں کی حمایت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ ان مستورات کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا جاتا۔ انھیں اتنا زدوکوب کیا گیا کہ ان کے مقدس اَجسام اور کاندھے زخمی ہو گئے۔ بالخصوص صدیقہ کبریٰ زینبؑ بنتِ علی علیہ السلام جو تازیانے سہہ کر اور کعب کے نیزے کی وجہ سے ان کے کاندھوں سے خون رسنے لگا تھا۔ فوجِ اشقیا شہدائے کربلا کے مقدس اَجسام کے گرد گھیرا بنائے کھڑی تھی۔

وہ اس انتظار میں تھے کہ اسیر بیبیاںؑ، حرمِ رسولؐ ان شہداء کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔ اکثر اوقات تو مخدومہؑ کربلا کو اپنے بھائی کی لاش پر کھڑا بھی نہیں ہونے دیا گیا۔ چوں کہ سیدالشہداء علیہ السلام کے مقدس پیکر کے گرد فوجِ اشقیا کھڑی تھی۔ جب بھی بی بیؑ مشکل سے اپنے بھائی کے لاشے پر پہنچتی اور انھیں دیکھنا چاہتی یا بوسہ لینا چاہتی تو وہ کمینے انھیں پیچھے دھکیل دیتے۔

اس حالت میں اس مظلومہؑ کے سر پر چادر اور مقنع بھی موجود نہیں تھا۔ وہ مظلومہؑ تو مکشوفۃ الرأس تھیں۔ صرف اس ظلم پر ایک نظر کرو جو ایک بہن کو بھائی کے لاشے پر برداشت کرنا پڑا ہے۔ ہم کہیں گے کہ یہ سب سے عظیم ظلم ہے۔

اے میرے خدا! دُخترانِ بتول سلام اللہ علیہا کی یہ کیا حالت بنی ہوئی ہے؟ ایک تو وہ ان مقدس اَجسام کو اس حالت میں دیکھ رہی تھیں اور پھر دوسری طرف ان کے رونے پر بھی پابندی تھی۔ جب بیبیاںؑ شہداء کے لاشوں کے نزدیک پہنچتیں تو انھیں آغوش میں لینا چاہتیں یا انھیں بوسہ دینا چاہتیں تو پھر انھیں تازیانے اور کعب ملعون کے نیزے برداشت کرنا پڑتے۔ وہ زخمی ہو کر پکارتیں: وَا وَیلَا، وَا مُصِیبَتَاہُ، وَا مُحَمَّدَاہُ، وَا عَلِیَّاہُ، وَا حَسَنَاہُ، وَا حُسَینَاہُ!

بیبیوںؑ کے لیے لاشِ عباسؑ تک جانا ممکن نہیں رہا تھا کہ مستورات جا کر حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کر سکیں، جا کر عباس علیہ السلام کے لاشے پر اپنے دکھ بیان کر سکیں اور نوحے اور بین کر سکیں۔

آہ! آہ! صد آہ! واویلا! بیبیاںؑ ہر شہید پر روئیں، نوحے پڑھے، بین کیے۔ حتیٰ کہ حضرت اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا جب مقتل گاہ میں پہنچیں، تو اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ اولادِ عقیل علیہ السلام پر نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ مگر افسوس ہے کہ مقتل میں بیبیوںؑ کو عباس علیہ السلام کے لاشے پر نہیں جانے دیا گیا اور کسی بی بیؑ نے وہاں جا کر بین نہیں کیا۔ کوئی بھی دُخترِ فاطمہ سلام اللہ علیہا وہاں موجود نہ تھی۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ اور مصیبت ہے۔ اس بات کا رنج، زینبؑ و کلثومؑ کے دل میں عمر بھر رہا اور رہے گا۔

اس مصرع کے اشعار سے یہ نکتہ بھی سامنے آیا ہے: میدانِ کربلا میں چند صغیر بچےؑ بھی ذبح کیے گئے۔ اس سلسلے میں کتاب میں چند مطالب کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

ہم ایک دفعہ پھر اس قصیدے کے اشعار سے ادراک ہونے والے مطالب پر اکتفا کریں گے جو مطالب، ترجمہ یا خلاصے کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔

بعض کتب میں منقول ہے: حضرت سکینہؑ نے اپنے بابا! کے جسدِ اطہر کو اپنی گود میں لیا اور شدید گریہ زاری کی اور پھر وہیں بے ہوش ہو گئیں۔

اس دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے کٹے ہوئے گلے سے یہ آواز آئی:

شِيعَتِي مَا إِن شَرِبتُم عَذبَ مَاءٍ فَاذكُرُونِي

أَوسَمِعتُم بِغَرِيبٍ أَو شَهِيدٍ فَاندُبُونِي

وَ أَنَا سِبطُ الَّذِي مِن غَيرِ جُرمٍ قَتَلُونِي

وَ بِجُردِ الخَيلِ بَعدَ القَتلِ عَمدًا سَحَقُونِي

لَيتَكُم فِي يَومِ عَاشُورَا جَمِيعًا تَنظُرُونِي

كَيفَ أَستَسقِي لِطِفلِي فَأَبَوا أَن يَرحَمُونِي

”اے ہمارے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پیو' میری پیاس کو یاد رکھنا۔ جب بھی کسی غریب اور شہید کے متعلق سنو مجھ پر رونا' میں تمہارے نبیؐ کی دختر کا بیٹا ہوں جو بے جرم وخطا قتل کیا گیا ہے' پھر گھوڑوں نے مجھے پامال کیا اور قتل کے بعد مجھے پیسا گیا' اے کاش! تم لوگ روزِ عاشور موجود ہوتے' دیکھتے میں نے اپنے صغیرؑ فرزند کے لیے کس طرح پانی مانگا' ان دشمنوں نے اس بچے پر رحم نہیں کھایا۔“

الا لَعنَتُ اللّٰهِ عَلَی القَومِ الظّٰالِمِین

والسّلامُ عَلَیکُم وَ رَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُه



ادارہ منہاج الصالحین لاہور